Done

۱۱۴ صفحے

8761
Gmr 18
12

۳۵۵۲۹ ?

سلسلۂ نصابیاتِ علمیہ جامعۂ عثمانیہ

بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری

و

روداد پنجم ۱۸۱۲ء

ایف ۔ ڈی ۔ ایسکولی کی انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ

از

محمد عبد الستار صاحب ایم ۔ اے ، ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس
رُکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

۱۳۵۳ھ م ۱۳۴۳ف م ۱۹۳۴ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

330
ا ا ب

یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حق اشاعت حاصل ہے اُردو میں
ترجمہ کرکے طبع وشایع کی گئی ہے۔

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456840
Date 26-5-03
SRINAGAR

دیباچہ

اس کتاب کی ترتیب کے محرک وہ مسلسل چار لکچر ہیں جو میں نے مسٹر آر۔ بی۔ ریمس بوتھم آئی۔ ای۔ ایس کی خواہش پر ڈھاکہ کالج میں دیے تھے۔ ان لکچروں میں رُوداد پنجم کے متن اور ضمیموں کے اہم واقعات کی جہاں تک اُن کا تعلق بنگال کے انتظام مالگزاری سے ہے جامع طور پر تشریح کی گئی ہے تاکہ دوامی بندوبست سے پہلے کا قریبی عہد واضح ہو جائے۔ اس کے سوا کتاب ہذا کی اور کوئی غرض نہیں ہے اور اس کی اشاعت کا موجب صرف یہ ہے کہ مسٹر ریمس بوتھم کی رائے کے موافق اٹھارویں صدی کے بنگال کے نظم ونسق اور طریق مالگزاری کے مطالعہ کرنے والوں کو اس سے مدد ملے گی۔

رُوداد پنجم کے ایک نہایت اہم ضمیمہ (یعنی شرح مالیۂ بنگال مصنفہ جیمس گرانٹ جو علی العموم شرح گرانٹ کے نام سے مشہور رہے) میں بڑا قیمتی مواد ہے جو صریحاً بڑی زحمت اور تحقیق سے جمع کیا گیا ہے لیکن اس مواد میں کہیں کہیں متضاد واقعات پائے جاتے ہیں، اکثر جگہ غلطیاں بھی ہیں اور اول سے آخر تک طرزِ بیان پیچیدہ اور تکلیف دہ ہے۔ میں نے اُن خاص واقعات کے سمجھانے کی کوشش کی ہے جو اس شرح کے باب دوم و پنجم پر مشتمل ہیں۔

میں اس بات کی معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے زیادہ تر ضلع ڈھاکہ کے واقعات ہی سے مثالیں پیش کی ہیں۔ اس کے لیے میں یہ عذر پیش کر سکتا ہوں کہ مجھے اس ضلع کی تاریخ مالگزاری کو تفصیل سے مطالعہ کرنے کے متعدد مواقع ملے ہیں۔ خود گرانٹ کے الفاظ سے میرے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ اُن کے زمانے میں ڈھاکہ ملک کا سب سے بڑا اور نہایت زرخیز صوبہ تھا۔

میں مسٹر ہمیس بوتھم کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں مجھے بہت سے مفید مشورے دیے اور وہ مقامات بھی بتائے جہاں مورخ کے نقطۂ نظر سے تصریح و توضیح کی ضرورت تھی۔ میں مسٹر وی۔ اے۔ اسمتھ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے نہ صرف بیش بہا صلاح دی بلکہ ہندوستان سے میری غیر موجودگی کے زمانے میں پروف دیکھنے کا کام بھی انجام دیا جو عام طور پر مستحقِ سپاس نہیں سمجھا جاتا۔ اس کتاب کی خامیوں کو غالباً ایک حد تک ہندوستانی عہدہ دار کی مصروف زندگی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

ڈھاکہ، ۲ / جولائی ۱۹۱۶ء ایف۔ ڈی۔ ایسکولی

بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری

و

رُوداد پنجم ۱۸۱۲ء

فہرست مضامین

۵۸۶

تمہید

۱۱ مارچ ۱۸۰۸ء کو مجلس نگراں کے صدر مسٹر ڈنڈاس[۱] نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کے موجودہ حالات کی تحقیقات کے لیے دارالعوام میں ایک مجلس منتخبہ کے تقرر کی تحریک پیش کی چار سال تک اس مجلس کے اجلاس ہوتے رہے اور اس اثناء میں پانچ رُودادیں شائع ہوئیں۔ ان میں پہلی اور دوسری سے کمپنی کی مالی حیثیت واضح ہوتی ہے جو دارالعوام کے ۱۲ مئی ۱۸۱۰ء کے حکم کی بناء پر طبع کی گئی تھیں۔ تیسری اور چوتھی رُودادیں گہری دلچسپی کا باعث نہیں ہیں۔ پانچویں رُوداد ۱۸۱۲ء میں اس وقت شائع ہوئی جبکہ میعاد کے آئندہ سال ختم ہو جانے کے خیال سے کمپنی کی تجدید منشور کا مسئلہ دارالعوام میں زیر غور تھا۔ یہ رُوداد دارالعوام کے ۲۰ جولائی ۱۸۱۲ء کے حکم کی تعمیل میں طبع ہوئی تھی۔ اس میں بنگال اور فورٹ سینٹ جارج دونوں احاطوں کی مالگزاری اور عدالتی نظم و نسق سے بحث کی گئی ہے۔ لیکن یہ کتاب رُوداد (پنجم) کے محض اس حصے سے تعلق رکھتی ہے جس میں بنگال کے نظم و نسق مالگزاری کا ذکر ہے۔

یہ تصنیف دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصۂ اوّل میں اُن پیش شدہ مسائل کا ذکر ہے جو رُوداد پنجم (

---

[۱] رابرٹ ڈنڈاس ۱۸۱۱ء میں وائیکونٹ مل ولی ثانی (Viscount Melville) ہوگیا۔

اور اسکے ضمیمہ جات میں زیر بحث لائے گئے ہیں حصۂ دوم معہ مختصر وصریح تشریحات احاطۂ بنگال سے متعلق رُوداد (پنجم) کی طبع ثانی پر مشتمل ہے ۔ رُوداد (پنجم) کے تمام حوالے اصلی بڑی تقطیع کے اڈیشن (اشاعت) کے ہیں جو ۱۸۱۲ء میں شائع ہوئی تھی ۔

شہادت منسلکۂ رُوداد پنجم :۔ رُوداد کے اس حصے کی تائید جو بنگال سے متعلق ہے ان متعدد اہم اسناد سے ہوتی ہے جو ضمیموں کے طور پر چھاپی گئی ہیں اور اب جن کی طباعت موقوف ہے ۔ ان میں سے نہایت ضروری ذیل کی اسناد ہیں :۔

۱۔ ضمیمۂ اوّل[1] ، مسٹر شور کی یادداشت مورخہ ۱۸ ارجون ۱۷۸۹ء

۲۔ ضمیمۂ چہارم[2] :

(ا) شرح مالیہ بنگال ، مصنّفہ جیمس گرانٹ مورخہ ، ۲۷ اپریل ۱۷۸۶ء

(ب) نظر بر محاصل بنگال ، مصنّفہ جیمس گرانٹ مورخہ ۲۰ ر فروری ۱۷۸۸ء

۳۔ ضمیمۂ پنجم[3] :

(ا) مسٹر شور کی یادداشت مورخہ ۱۸ ر ستمبر ۱۷۸۹ء

(ب) لارڈ کارنوالس کی یادداشت مورخہ ۱۸ ر ستمبر ۱۷۸۹ء

(ج) مسٹر شور کی یادداشت دوم مورخہ ۱۸ ر ستمبر ۱۷۸۹ء

(د) مسٹر شور کی یادداشت مورخہ ۲۱ ر دسمبر ۱۷۸۹ء

(ہ) لارڈ کارنوالس کی یادداشت مورخہ ۱۰ ر فروری ۱۷۹۰ء

مسائل :۔ ان ضمیموں میں اُس زمانے کے اہم مسئلہ مالگزاری یعنی بنگال کے بندوبست دوامی پر ہم عصروں کے خیالات کی بخوبی توضیح کی گئی ہے ۔ یہ بندوبست سیاسی مصلحت پر مبنی تھا جس کی ابتداء ۱۷۸۴ء کے قانون تنظیم سے ہوئی[4] ۔ مسئلہ مذکور کو مندرجۂ ذیل دو عنوانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

---

[1] رُوداد پنجم صفحات ۱۶۹ سے ۲۳۸ تک

[2] ایضاً صفحات ۲۴۵ سے ۵۰۴ تک

[3] ایضاً صفحات ۵۱۴ سے ۶۹۸ تک

[4] ۲۴ ۔ جارج سوم ، باب ۲۵

۱۔ ضمیمۂ اوّل و چہارم، گرانٹ اور شور کا باہمی اختلاف

گرانٹ اس امر کا مدعی ہے کہ بنگال کی شرح مالگزاری کم تھی۔ شور کا بیان ہے کہ مالگزاری غالباً اسی قدر مقرر کیگئی تھی جس قدر ملک اس زمانے میں متحمل ہو سکتا تھا۔

۲۔ ضمیمۂ پنجم، شور اور کارنوالس کا باہمی اختلاف۔

شور کا خیال ہے کہ نظم ونسق کا علم ناکافی تھا اور مالگزاری کا مطالبہ اسکی تقسیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قدر غیر واجبی تھا کہ اس سے مالگزاری کا دوامی بندوبست جائز نہیں قرار پا سکتا تھا۔ کارنوالس کا بیان ہے کہ پہلے ہی کافی تجربہ حاصل کر لیا گیا تھا اور یہ کہ ملک کے نظم ونسق کی تدریجی ترقی کیلیے اصلاح ناگزیر تھی۔

نفس موضوع:۔ قطع نظر ان دو خاص اختلافوں کے ضمیمۂ چہارم میں شہنشاہ اکبر کے عہد سے بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری کا حال مذکور ہے۔ ضمیمۂ اوّل میں اس تذکرے پر ایک حد تک تنقید کی گئی ہے۔ اصلاحات کارنوالس کی نوعیت اور نتیجے پر بحث کرنے سے قبل رُوداد (پنجم) کے اہم متن میں ۱۷۶۵ء سے لے کر کارنوالس کی ہندوستان میں آمد کے وقت تک برطانوی نظم ونسق مالگزاری کا خاکہ اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے حصۂ دوم میں رُوداد (پنجم) کا ضروری متن مختصر طور پر انتقادی و توضیحی تشریحات کے ساتھ درج ہے۔ حصۂ اول میں تاریخی اسلوب پر بنگال کی تاریخ مالگزاری کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلا باب تمہیدی ہے اور اس میں ایک انتظامی رقبے کی حیثیت سے بنگال کی اہمیت، ونشوونما کا مختصر بیان ہے جس کا علم اس طالب علم کیلیے جو برطانوی حکومت کے ارتقاء کا مطالعہ کرنا چاہے لازمی ہے۔ دوسرے باب میں ۱۷۶۵ء تک کے نظم ونسق مالگزاری کے مغلیہ طریق کا ارتقا بتایا گیا ہے اور زیادہ تر رُوداد (پنجم) کے ضمیمۂ چہارم پر تنقید کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں ۱۷۸۶ء تک کے برطانوی نظم ونسق مالگزاری کی بتدریج ترقی کا تذکرہ ہے اور رُوداد[1] کے حصۂ اوّل کی توجیہ بھی اس میں درج ہے۔ رُوداد (پنجم) کا حصۂ دوم جہاں تک کہ وہ بنگال میں کارنوالس[2] کے نافذ کردہ انتظام مالگزاری کو بیان کرتا ہے چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں باب پر محیط ہے۔ موخر الذکر تین ابواب میں خاصکر ان دلائل پر بحث کیگئی ہے جو

۱؎ رُوداد پنجم صفحات ۴ سے ۱۲ تک

۲؎ ایضاً صفحات ۱۲ سے ۲۲ تک اور ۲۵ سے ۳۰ تک

رُوداد (پنجم) کے ضمیمۂ چہارم و پنجم میں پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب کے آٹھویں باب میں دوامی بندوبست بنگال کے فوری نتائج کا بیان ہے۔ یہ موضوع رُوداد[1] کے حصّہ سوم میں مذکور ہے مگر زمانۂ حال کے معاشی و سیاسی مباحث میں پڑنے کی جن کا تعلق بندوبست مذکور کے آخری نتائج سے ہے کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

[نوٹ:۔ مجلس نگراں کے قدیم محرر جیمس کمنگ (James Cumming) نے رُوداد (پنجم) کا مسودہ تیار کیا تھا۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء و ۱۸۸۳ء میں ہگن بوتھم (مدراس) (Higginbotham) نے دوبارہ طبع کیا۔ اشاعت موخر الذکر کی دو ضخیم جلدوں میں جن کی ترتیب اور طباعت عمدہ ہے ضمیمہ جات، فرہنگ ولکنس (Wilkins) اور دیگر اسناد شامل ہیں —
وی۔ اے۔ ایس]

---

[1] رُوداد پنجم صفحات ۴۵ سے ۹۲ تک اور صفحہ ۶،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

بنگال سلطنت مغلیہ کے صوبے کی حیثیت سے اور مملکت برطانوی کا آغاز

تاریخی تمہید کی ضرورت: ۔ صوبہ جات بنگال، بہار و اڑیسہ کے نظم و نسق اور ان وسائل کا جن کی بدولت مملکت برطانوی کا آغاز ہوا علم حاصل کیے بغیر رُوداد (مترجم) کے نفس مضمون کو سمجھنا ناممکن ہے ۔ سرکاری تحریر کی عبارت تقریباً ایسی ہی پیچیدہ ہے جیسا کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں خود نظم و نسق کا حال تھا اور مختلف عہدوں کی ابتدائی تاریخ کے حوالے ہی سے انکی تشریح ہو سکتی ہے جسے ہم ممکنہ اختصار کے ساتھ پیش کریں گے ۔

مغلوں کے عہد میں بنگال کا الحاق: ۔ ۱۵۷۶ء میں مغلوں نے پہلی مرتبہ اکبر کے عہد حکومت میں بنگال کو قطعی طور پر فتح کیا جبکہ بنگال کا آخری مختار بادشاہ داؤد خاں مارا گیا ۔ بنگال پر مسلمانوں کی ابتدائی یورشیں تیرھویں صدی کے قبل سے شروع ہوئیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ملک گیری کی دھن میں پہلی باقاعدہ چڑھائی ۱۲۱۱ء میں سلطان قطب الدین نے کی ۔ بہرکیف ۱۳۳۸ء میں وہاں کے حاکم فخرالدین نے اپنی خود اختیاری کا اعلان کردیا اور ۱۵۷۶ء تک چند در چند رکاوٹوں کے باوجود ایں

مختار سلاطین نے حکمرانی کی۔

بنگال کا نشو ونما ایک صوبے کی حیثیت سے:۔ ۱۵۷۶ء سے ۱۷۰۷ء سال انتقال شہنشاہ اورنگ زیب تک سلطنت مغلیہ کے صوبے کی حیثیت سے بنگال کا نشو ونما صوبہ داروں کے زیر نگرانی جاری رہا۔ اُن تمام صوبوں میں جو اکبر نے قائم کیے بنگال نہایت زرخیز وشاداب ہونے کے باعث عملیات شہنشاہی کے لحاظ سے اہم ترین مقام خیال کیا جاتا تھا۔ اسکے محاصل دوسرے صوبوں کی بہ نسبت سہ چند تھے اور اس صوبے میں جاگیرداری تنظیم کے اُصول پر ۸۰۱۱۵۸ پیادہ فوج ۲۳۳۳۰ سوار اور ۴۲۶۰ توپیں موجود رہتی تھیں اور ہاتھیوں اور مسلح کشتیوں کی ایک تعداد کثیر دیگر محاصل کے معاوضے میں مہیا کی جاتی[1] تھی۔ ظاہر ہے کہ کوئی صوبہ دار جس کے زیر کمان اتنی فوج ہو ایک طاقت ور حلیف اور خطرناک غنیم ہوسکتا تھا۔ ۱۵۷۶ء سے ۱۷۰۷ء تک ستائیس (۲۷) صوبہ دار گزرے ہیں اور صوبۂ بنگال کی اہمیت پر غور کرتے ہوئے یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ یہ حکام یا تو بذات خاص بڑے مشہور ومعروف لوگ تھے یا مغل شہنشاہ سے ان کا قریبی تعلق تھا۔

دور اوّل ۱۵۷۶ء سے ۱۶۰۵ء تک:۔ ۱۶۰۵ء تک جس سال کہ شہنشاہ اکبر نے وفات پائی وہ سب صوبہ دار جن کی حکومت کا دامن بہار واوڑیسہ پر پھیلا ہوا تھا اندرونی بغاوتوں کے فرد کرنے میں بالعموم اور بہار واوڑیسہ کے ہنگاموں کے روکنے میں بالخصوص بہت مصروف رہے۔ ان صوبہ داروں میں راجہ ٹوڈرمل جلیل القدر ماہر مالیات (۱۵۸۰ء سے ۱۵۸۲ء تک) اور راجہ مان سنگھ اکبر کا مشہور سپہ سالار (۱۵۸۹ء سے[2] ۱۶۰۴ء تک) دونوں شامل تھے۔ ۱۵۷۶ء سے ۱۵۹۲ء تک دارالسلطنت شمالی بنگال کا مرکزی مقام ٹانڈہ رہا جسے سال مابعد میں تقریباً پچیس (۲۵) میل کے فاصلے پر راج محل کی ایک عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ دار السلطنت کا محل وقوع ایک اہم شئے ہے کیونکہ اس قسم کی ہر تبدیلی سے عموماً ایک زائد عہدہ دار موسوم بہ نائب کا تقرر لاحق ہو جاتا ہے چنانچہ راجہ مان سنگھ ۱۵۸۹ء میں چار سال کیلیے جب بہار واپس چلا گیا تو اس نے سعید خاں کو اپنے نائب کی حیثیت سے ٹانڈے میں متعین کر دیا۔ اس دور کے دو اور اہم واقعات یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ ۱۵۷۹ء میں دیوان یا وزیر مال کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اس عہدہ دار نے جملہ امور مالگزاری کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اس کا

---

[1] ملاحظہ ہو آئین اکبری (جیارٹ) جلد دوم صفحہ ۱۲۹۔ راجہ ٹوڈرمل کے بندوبست کی جانب اشارہ ہے (ملاحظہ ہو باب دوم)

[2] راجہ مان سنگھ اکبر کی وفات کے بعد دوبارہ کچھ عرصے تک (۱۶۰۵ء تا ۱۶۰۶ء) صوبہ دار رہا۔

بڑا فرض یہ تھا کہ خزانۂ شاہی کے صندوقوں کو معمور کر دے اور صوبہ دار کو اس کام سے سبکدوش کر دے جو فی الواقع اس کی فوجی کارروائیوں میں خلل انداز ہوتا تھا۔ صوبہ دار اور دیوان کے حقیقی تعلقات پر بعد کو بحث کی جائے گی۔ دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۶۰۵ء میں بنگال کی خاص اہمیت پہلے پہل اس وقت نمایاں ہوئی جبکہ راجہ مان سنگھ سابق صوبہ دار نے اکبر کی وفات پر اپنے زیر حمایت ایک شخص کو تخت نشین کرانے کی ناکام کوشش کی۔

دور دوم سنہ ۱۶۰۵ء سے سنہ ۱۷۰۰ء تک:۔ انیس ۱۹ صوبہ داروں میں سے جنھوں نے اس زمانے میں حکومت کی تین صوبہ دار یعنی شاہ جہاں (سنہ ۱۶۲۲ء سے سنہ ۱۶۲۵ء تک) سلطان محمد شجاع (سنہ ۱۶۳۹ء سے سنہ ۱۶۶۰ء تک) سلطان محمد اعظم (سنہ ۱۶۷۰ء سے سنہ ۱۶۸۰ء تک) شاہان وقت کے بیٹے تھے۔ عظیم الشان نامی ایک صوبہ دار شہنشاہ کا پوتا تھا اور قطب الدین خاں (سنہ ۱۶۰۶ء سے سنہ ۱۶۰۷ء تک) ابراہیم خاں (سنہ ۱۶۱۷ء سے سنہ ۱۶۲۲ء تک) شائستہ خاں (سنہ ۱۶۶۴ء سے سنہ ۱۶۷۷ء تک و سنہ ۱۶۸۰ء سے سنہ ۱۶۸۹ء تک) اور اعظم خاں (سنہ ۱۶۷۰ء سے سنہ ۱۶۷۷ء تک) یہ چاروں کسی نہ کسی رشتے کی بناء پر خانوادۂ شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان آٹھ صوبہ داروں میں شاہ جہاں، سلطان محمد شجاع اور شائستہ خاں نمایاں قابلیت کے اشخاص تھے۔ باقی گیارہ میں جن کی مدت حکومت مجموعی طور پر سینتیس ۳۷ سال ہوتی ہے صرف اسلام خاں (سنہ ۱۶۰۸ء سے سنہ ۱۶۱۳ء تک) اور میر جملہ (سنہ ۱۶۶۰ء سے سنہ ۱۶۶۳ء تک) قابل ذکر ہیں۔ اس دور میں بنگال بتدریج ترقی کرتا رہا۔ سرحدی علاقے وسیع اور مستحکم کیے گئے اور بنگال سلطنت مغلیہ کے صوبوں میں سب سے زیادہ زرخیز اور اہم صوبہ بن گیا۔ اس کی اہمیت دوبارہ سنہ ۱۶۲۲ء میں اس وقت ظاہر ہوئی جبکہ شاہ جہاں نے اپنے باپ شہنشاہ جہانگیر سے وفاشعاری ترک کر دی اور اثنائے بغاوت میں حملہ کر کے اوڑیسہ، بنگال اور بہار کو فتح کر لیا۔ تیسرے موقع پر سنہ ۱۶۵۷ء میں سلطان محمد شجاع نے بنگال میں علم بغاوت بلند کر دیا اور سنہ ۱۶۶۰ء تک سلطنت (مغلیہ) کی مشرقی جانب صوبۂ بنگال میں دہشت و خوف کا موجب ہوا۔ غرض سنہ ۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال تک بنگال سلطنت مغلیہ کا ایک حقیقی حصہ بنا رہا۔ اس دور میں ذیل کے امور قابل توجہ ہیں:

(i) صوبے کی وسعت اور صدر مستقر کا مقام

(ii) دیوان کا عروج اور صوبہ دار سے اس کے تعلقات

(iii) بنگال میں برطانوی حکومت کی ابتداء

(ا) صوبے کی وسعت اور اس کا صدر مستقر :۔ ۱۶۰۷ء تک بنگال، بہار اور اوڑیسہ صرف ایک ہی صوبہ دار کے زیر نگہداشت تھے حالانکہ ۱۶۰۶ء سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بہار درحقیقت ایک نائب کے زیر نگرانی تھا۔ ۱۶۰۷ء میں بنگال اور اوڑیسہ کی صوبہ داری پر جب جہانگیر قلی خاں کا تقرر عمل میں آیا تو اسلام خاں کے تحت بہار کی ایک علیحدہ صوبہ داری وجود میں آئی اور یہ تقسیم ۱۶۹۷ء تک قائم رہی اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام خاں نے جو ۱۶۰۸ء میں صوبہ دار بنگال کا جانشین بنا صوبے کا مستقر راج محل[1] کی بجائے ڈھاکہ قرار دیا۔ اس لیے کہ اس کا محل وقوع زیادہ تر مرکزی ہونے کے علاوہ ساحل اراکان سے بہت کم فاصلے پر تھا جہاں سے کہ پرتگالی اور ماگھی جنگی جہاز اس زمانے میں جنوب مشرقی سرحد پر خوف طاری کر رہے تھے۔ اس وقت سے عظیم الشان کی صوبہ داری تک بجز اس مدت کے جبکہ سلطان محمد شجاع (۱۶۳۹ء سے ۱۶۶۰ء تک) صوبہ دار تھا ڈھاکہ، بنگال کا دار السلطنت رہا۔ اس دور میں راج محل پھر مستقر صوبہ بن گیا جس کا علانیہ سبب یہ تھا کہ دہلی سے صوبہ دار قریب تر تعلقات رکھے اور اپنے اعلیٰ مقاصد کو پیش کر سکے مگر اس کا انجام ۱۶۵۷ء میں اسکی افسوسناک بغاوت پر ہوا۔ بہرصورت ۱۶۹۷ء میں شہنشاہ کے پوتے عظیم الشان کی صوبہ داری کے تحت تینوں صوبے دوبارہ ضم کر دیئے گئے۔ اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کے احکام کی بنا پر ۱۷۰۳ء میں صوبے کے مستقر کو راج محل اور پھر وہاں سے پٹنے میں منتقل کر دیا۔ ۱۷۰۶ء کے اختتام پر اس فرمان کے ساتھ دربار شہنشاہی میں اس کی طلبی ہوئی کہ اپنے بیٹے فرخ سیر کو جو ۱۷۰۳ء سے ڈھاکے میں بہ حیثیت نائب کے کام کر رہا تھا بنگال و اوڑیسہ میں فرائض صوبہ داری کی انجام دہی کے لیے چھوڑ دے اور سربلند خاں بہار میں نائب صوبہ دار رہے۔ مستقر کی یہ راج محل اور پٹنے میں تبدیلی بالعموم شہنشاہ کے غیظ و غضب کی جانب جس کا باعث مرشد قلی خاں پر صوبہ دار کا حملہ تھا منسوب کی جاتی ہے۔ بلاشبہ اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ صوبوں کے دوبارہ انضمام پر حکومت کو ڈھاکے کی بہ نسبت زیادہ تر مرکزی مقام پر رکھا جائے۔

(اا) دیوان کا عروج و ناظم :۔ آئین اکبری میں صوبے کے حاکم کو سپہ سالار کہا گیا ہے

---

[1] راج محل سرحد بہار پر بنگال کے شمال مغربی گوشے میں واقع ہے۔ بہار کی علیحدگی کے ساتھ صوبۂ بنگال کے انتظامی مسائل مشرقی سرحد سے متعلق ہو گئے۔

لیکن وائسرائے کی حیثیت سے وہ دیوانی و فوجی ہر دو قسم کے جملہ امور میں شہنشاہ کی نمائندگی کرتا تھا بعنہ کو وہ صوبہ دار (حاکم صوبہ) مشہور ہوا لیکن علی العموم اُسے 'نواب ناظم' کہتے تھے۔ 'نواب' کے لفظی معنی نائب اعظم کے ہیں یعنی نائب شہنشاہ اور 'ناظم' سے مراد ترتیب دہندہ یا گورنر ہے۔ لفظ 'ناظم' سے محض وائسرائے مراد ہوتی ہے۔ لفظ 'نواب' اکثر و بیشتر بے اعتنائی کے ساتھ تعظیمی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس دور میں ۱۶۹۷ء تک ایک بنگال و اوڑیسہ پر اور ایک بہار پر[1] دو نواب یا ناظم حکمران رہے ہیں۔ شاہ جہاں اپنی غاصبانہ حکومت کے زمانے میں (۱۶۲۲ء سے ۱۶۲۵ء تک) فی الحقیقت واحد ناظم تھا اور اس نے بنگال و بہار میں اپنی نمائندگی کی غرض سے دو نائب ناظم مقرر کیے تھے۔ ۱۶۲۵ء میں جب مہابت خاں ناظم بنایا گیا مگر ساتھ ہی ساتھ افواج شاہی کی کمانداری کیلیے اس کو روک لیا گیا تو خانزدہ خاں کو نائب ناظم کی حیثیت سے بنگال روانہ کیا گیا اور اسی طرح نواب سیف خاں نے ۱۶۳۹ء میں ناظم سلطان محمد شجاع کی آمد تک نائب ناظم کے فرائض انجام دیے۔ تاہم ۱۶۹۷ء تک نائب ناظم محض ایک عارضی سیاسی بدل ہوا کرتا تھا۔ اس کے کچھ زمانے کے بعد ہی سے وہ ایک سیاسی عنصر بن گیا مگر نائب ناظم کا سلسلہ سمجھنے کیلیے دیوان کے عروج کا بیان ضروری ہے۔

دیوان:- دیوان کا عہدہ ۱۵۷۹ء میں اکبر نے قائم کیا تھا۔ دیوان صوبے[2] کا وزیر مال ہوتا تھا جس کے ذمے مالگزاری کی وصولیابی، سرکاری رقم کا صرف اور دیوانی مقدمات کا تصفیہ ہوا کرتا تھا۔ دیوان کا تقرر خود شہنشاہ کرتا تھا اور وہ ابتدا میں ایک حد تک ناظم کا زیردست ہوا کرتا تھا۔ جدید انگریزی کمپنی کو ایک تجارتی اجازت نامہ عطا کیا گیا جس پر علی رضا دیوان ڈھاکہ کی مُہر ثبت تھی لیکن دیوان کی اصلی قوت کا مظاہرہ ۱۷۰۱ء میں مرشد قلی خاں کے دیوان بنگال، بہار و اوڑیسہ مقرر ہونے پر ہی ہوا۔ یہ ایک ایسی خدمت تھی جس پر اسکے تقرر کا صریحاً مقصد یہ تھا کہ وہ ان پیچیدگیوں کو سلجھا دے جن میں تینوں صوبوں کے مالی کاروبار الجھے ہوئے تھے۔ ۱۷۰۳ء تک تو صورت حال صاف ظاہر ہے۔ ناظم نے عام نظم و نسق کی

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ حسب معمول ایک ڈپٹی گورنر (نائب ناظم) اوڑیسہ میں متعین تھا۔ (مثلاً ۱۶۲۲ء میں آغا محمد زماں کی تعیناتی)

[2] ایک شاہی دیوان دہلی پر بھی مقرر تھا مگر یہ عہدہ موجودہ موضوع سے متعلق نہیں ہے۔

نگرانی کی۔ دیوان تینوں صوبوں کے مالی کاروبار کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اسی سال (۱۷۰۳ء) ناظم نے بہار میں اپنی غیر موجودگی کے باعث فرخ سیر کو نائب ناظم مقرر کیا کہ وہ ڈھاکے سے بنگال کے نظم و نسق کو جاری رکھے لیکن دیوان جس کا صدر مستقر ۱۷۰۲ء میں مرشد آباد ہو گیا تھا بغیر کسی نائب کے تینوں صوبوں کے مالیے کا انتظام کرتا رہا۔ ۱۷۰۴ء میں مرشد قلی خاں کو علاوہ اس خدمت کے جو ان تینوں صوبوں کے دیوان کی حیثیت سے اسے حاصل تھی (فرخ سیر کو ہٹا کر) بنگال و اڈیسہ کا نائب ناظم بنایا گیا اور سید حسین علی خاں بہار کا نائب ناظم مقرر ہوا جب کہ ناظم عظیم الشان کے نام اختیارات سلب کر لیے گئے اس طرح دیوان اور نائب ناظم کے ہر دو مناصب پر مرشد قلی خاں کا تقرر (جو درحقیقت ناظم تھا) دستور حکومت کی سخت خلاف ورزی تھی۔ آئین اکبری میں مذکور ہے کہ[1] "اس (ناظم) کا مقدمہ دیوان کی تحقیقات پر نہ چھوڑا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی شکایت دیوان ہی کے خلاف ہو"۔ ابتداءً یہ عہدہ ناظم کو فرائض مفوضہ کے کچھ حصے سے سبکدوش کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا اور تقریباً ایک صدی تک یہ انتظام اطمینان بخش ثابت ہوتا رہا جس کی وجہ یقیناً ناظم کی برتری تھی مگر ۱۶۷۷ء میں دیوان حاجی شفیع خاں نے ناظم اعظم خاں سے لڑائی مول لے لی اور قرائن سے ظاہر ہے کہ شہنشاہ نے دیوان موصوف کی حمایت کی۔ دیوان کی حیثیت اب علانیہ قوی تر ہو گئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی پرزور حکومت کے اثنا میں ادائے مصارف جنگ کے لیے مختلف صوبوں سے مالگزاری کا شاہی مطالبہ بہم ہوتا رہا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج نے دیوان کو جس کے زیر اقتدار تجارتی اجازت ناموں کی منظوری تھی ممتاز و مفتخر بنا دیا۔ ۱۶۹۱ء میں کفایت خاں دیوان ڈھاکہ کے نام شہنشاہ کے احکام وصول ہوئے کہ انگریزوں کو تین ہزار روپے ادا کرنے پر آزادانہ تجارت کی پروانگی دیدی جائے۔ ۱۷۰۰ء میں دیوان جو ابتداءً ناظم کا شریک کار تھا اور جسے اس کے مصارف کی نگرانی کے لیے متعین کیا گیا تھا فی الواقع اس کے انتظام پر اثر انداز ہو گیا تھا اب یہ دباؤ دور کر دیا گیا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کے انتقال پر تینوں صوبوں کا نظم و نسق حسب ذیل

---

[1] آئین اکبری (گلاڈون) حصّہ سوم۔ جیارٹ کے ترجمے و شرح میں (آئین اکبری جلد دوم۔ صفحہ ۳۰) یہ نقطۂ خیال موجود نہیں ہے۔

تھا:

	عام نظم و نسق		انتظام مال
	ناظم	نائب ناظم	دیوان
بنگال، بہار، اوڑیسہ	عظیم الشان	مرشد قلی خاں، سید حسین علی خاں، مرشد قلی خاں	مرشد قلی خاں

(iii) برطانوی حکومت کی ابتداء:۔ روداد پنجم کی تشریح کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارتقاء کی حقیقی تفصیل غیر اہم ہے۔ موجودہ غرض کے لیے اس تدریجی ترقی کے ضروری خدوخال نظام زمینداری سے کمپنی کے ابتدائی تعلقات میں نظر آتے ہیں۔ ۱۶۳۲ء میں انگریز پہلے پہل مدراس سے کٹک آئے اور ۱۶۳۳ء میں انہوں نے وہاں دو تجارتی کوٹھیاں قائم کیں پہلی ہرشش پور پر اور دوسری بالاسور میں۔ سلطان محمد شجاع اور شائستہ خاں ناظم کے عطاکردہ اجازت ناموں کی بدولت ۱۶۷۶ء تک کمپنی تین صدر کوٹھیاں ہگلی، قاسم بازار اور بالاسور میں قائم کر چکی تھی اور ان کی نگرانی میں پٹنے اور ڈھاکے میں بھی کوٹھیاں قائم ہوئیں۔ ۱۶۸۱ء میں کمپنی نے خلیج بنگال کی اہمیت کو محسوس کرکے اسے ایک تجارتی علاقہ بنا دیا جو مدراس سے بے تعلق ہوکر ولیم ہیجس[1] (William Hedges) کی گورنری کے تحت آگیا۔ اس وقت سے کمپنی کے خصوصی اغراض تجارت بنگال سے متعلق ہوگئے۔ تجارتی حقوق کیلیے ناظم شائستہ خاں کے ساتھ کمپنی کی کشمکش اس باوقعت حیثیت کی دلیل ہے جو سلطنت مغلیہ کی تنظیم میں بنگال کے صوبہ داروں کو حاصل تھی لیکن عظیم الشان کے صوبہ داری پر فائز ہونے کے بعد ہی کمپنی کو پہلا ملکی علاقہ نصیب ہوا۔ ۱۶۹۶ء میں جبکہ سبھا سنگھ کی سرکشی جاری تھی کمپنی نے کلکتے میں ایک قلعے کی تعمیر کی اجازت حاصل کرلی اور ۱۶۹۸ء میں ناظم اور

---

[1] ملاحظہ ہو بنگال کے انگریزوں کی سرگزشت قدیم، جلد اول و دوم مصنفہ سی۔ آر۔ ولسن۔

دیوان کی بارگاہ میں شایانِ شان نذر پیش کرنے پر انگریزوں کو مجاز کیا گیا کہ وہ کلکتے، ستانوتی اور گوبند پور تینوں موضعوں کا حق پٹہ داری ان کے موجودہ قابضوں سے خرید لیں۔ اس طرح انگریزوں نے ایکہزار ایک سو پچانوے روپیے چھ آنے سالانہ مالگزاری پر پہلی مرتبہ حقیت زمینداری پیدا کرلی۔

دور: سنہ ۱۷۰۷ء سے ۱۷۶۵ء تک:- اورنگ زیب کا انتقال گویا سلطنت مغلیہ کا کوس رحلت تھا اور ان سلسلہ وار شہنشاہوں کا ذکر جو لڑائیوں اور بغاوتوں میں مارے گئے تاریخ بنگال کے لحاظ سے غیر ضروری ہے بجز اس بیان کے کہ کس حد تک دور دراز صوبوں پر اس سے عدم نگرانی ظاہر ہوتی تھی۔ بنگال کی اب نمایاں خصوصیت ناظم اور دیوان کے تقررات میں طرز عمل کی تبدیلی تھی۔ سابق میں ان دونوں قسم کے عہدہ داروں کا تقرر شہنشاہ کا اختیاری فعل تھا مگر مرشد قلی خاں کے زمانے سے ناظم کا عہدہ موروثی قرار پانے لگا چنانچہ سنہ ۱۷۶۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اُسے تسلیم کرلیا اور دیوان کا منصب ناظم کی نوازش و مرحمت پر تھا یعنی دیوان بالراس ناظم کا زیردست بن گیا۔ حکومت بنگال کے دستور میں جو اہم ترین فوری تغیر واقع ہوا اس کا باعث مرشد قلی خاں کا سید اکرام خاں اور شجاع الدین محمد خاں کو فرداً فرداً بنگال اور اوڑیسہ کا نائب دیوان مقرر کرنا تھا۔ سید اکرام خاں کے بعد اس کا جانشین سید رضا خاں ہوا اور اسکی وفات پر سرفراز خاں بنگال کا نائب دیوان بن گیا۔ نائب دیوان کا تقرر ایک دستوری تغیر تھا جس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ دیوان صوبہ جات بنگال و اوڑیسہ کا نائب ناظم بھی ہونے لگا تھا اور وہ بذاتِ خود دونوں عہدوں کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر تھا۔ سنہ ۱۷۱۲ء میں عظیم الشان جو یہاں کا برائے نام ناظم تھا تخت و تاج کی لڑائیوں میں سے ایک میں جن کا سلسلہ اس وقت عام طور پر جاری تھا ہلاک ہو گیا اور اس طرح تینوں صوبوں کے ناظم کی جگہ خالی ہو گئی۔ سنہ ۱۷۱۳ء میں جب فرخ سیر شہنشاہ کی حیثیت سے تخت نشین ہوا تو مرشد قلی خاں نے ہر سہ[۱] صوبہ جات کے ناظم و دیوان کی متحدہ خدمت پر خود اپنا تقرر کرا لیا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس پر وہ فی الحقیقت سنہ ۱۷۰۱ء سے مامور تھا۔ اس تقرر سے ناظم پر دیوان کا قانونی دباؤ بالآخر موقوف ہو گیا۔ ناظم کا صدر مستقر اب قطعی طور پر مرشد آباد قرار پایا اور اس سبب سے نائب صوبہ داروں کی ازسرِنو ترتیب ضروری سمجھی گئی۔ بہار و اوڑیسہ میں مرشد قلی خاں بطور خود نظامت و دیوانی کے اختیارات سے کام لیتا رہا اور بنگال کے مغربی اضلاع نائب ناظم اوڑیسہ کے سپرد ہوئے

---

[۱] یہ واضح نہیں ہے کہ آیا وہ بہار کا ناظم و دیوان اس سنہ میں مقرر ہوا یا سنہ ۱۷۱۶ء میں۔

اور مشرقی اضلاع مرزا لطف اللہ نائب ناظم کے زیر نگرانی رکھے گئے اور سرفراز خاں کو نائب دیوان بنایا گیا جس کا صدر مستقر ڈھاکہ مقرر ہوا۔ یہ انتظام اصولاً اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ بنگال کا تمام نظم ونسق انگریزوں کے ہاتھ میں نہ آگیا۔ ۱۷۱۷ء میں اہل برطانیہ آٹھ ہزار ایک سو تیس روپیہ آٹھ آنے سالانہ شرح محصول پر کلکتے کے قریب مزید اڑتیس ۳۸ موضعوں کی خریداری کا فرمان شاہی حاصل کر چکے تھے مگر مرشد قلی خاں نے تکمیل خریداری میں خاطر خواہ مزاحمت کر کے اپنی قوت کا ثبوت دیا۔ ۱۷۲۵ء میں مرشد قلی خاں کا جو غالباً تمام صوبہ داروں میں اعظم ترین شخص تھا انتقال ہو گیا۔ ذیل کی تفصیل سے عہدہ داران مابعد کا سلسلہ ظاہر ہوگا اور یہاں صرف اس بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اس سنہ (یعنی ۱۷۲۵ء) سے کسی جانشین کا تقرر بالکلیہ خود ناظم کے زیر اختیار تھا اور کمزور شہنشاہ کے مراحم ومکارم پر مبنی نہ تھا۔

شجاع الدین خاں: ناظم ۱۷۲۵ء سے ۱۷۳۹ء تک:

یہ مرشد قلی خاں کا داماد تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سرفراز خاں کو اپنا دیوان مقرر کیا۔ مرزا لطف اللہ ڈھاکے میں میر حبیب کے ساتھ جو اس کا نائب دیوان ہوا نائب ناظم کے عہدے پر قائم رہا۔ مرزا لطف اللہ اور میر حبیب جب اوڑیسہ میں منتقل ہو گئے تو سرفراز خاں کو دیوان کے عہدے پر بحال رکھنے کے علاوہ ڈھاکے کا نام نہاد نائب ناظم بھی بنایا گیا مگر غالب علیخاں ڈھاکے میں جسونت رائے نائب دیوان ڈھاکہ کے ساتھ اسکی جگہ منصرمانہ طور پر کام انجام دیتا رہا۔

سرفراز خاں: ناظم ۱۷۳۹ء سے ۱۷۴۰ء تک:

یہ شجاع الدین کا بیٹا تھا۔ عہدۂ دیوانی کے فرائض ایک مجلس انجام دیتی تھی جو حاجی احمد اور جگت سیٹھ پر مشتمل تھی۔

علی وردی خاں: ناظم ۱۷۴۰ء سے ۱۷۵۶ء تک:

نوازش محمد خاں، دیوان صوبہ جات اور نائب ناظم ڈھاکہ مقرر ہوا اور اسے مجاز کیا گیا کہ اپنے نائب حسین الدین خاں کے اور ۱۷۵۵ء میں اسکے قتل ہو جانے پر راجہ راج بلبھ کے توسط سے ڈھاکے میں حکومت کا کام انجام دے۔

سراج الدولہ: ناظم ۱۷۵۶ء سے ۱۷۵۷ء تک:

یہ علی وردی خاں کا نواسہ تھا۔ اس نے موہن لعل کو اپنا دیوان بنایا۔ جسارت خاں ۱۷۵۶ء سے ۱۷۵۱ء تک ڈھاکے کا نائب ناظم رہا۔

قاسم علی خاں اور میر جعفر کی حکومتیں عام تاریخی باتیں ہیں اور ۱۷۶۵ء میں میر جعفر کا بیٹا نجم الدولہ اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ لیکن اس کی نااہلی کے باعث محمد رضا خاں بطور نائب کے اس کا شریک کار منتخب ہوا۔ یہ موخرالذکر شخص مسائل مالگزاری کے متعلق ۱۷۶۵ء کے بعد سے معرض بحث میں ہے۔

برطانوی اثر کی ترقی:۔ اس امر کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۷۱۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شہنشاہ فرخ سیر سے بعض حقوق حاصل کیے جنھیں مرشد قلی خاں ناظم نے بڑی حد تک باطل کر دیا۔ اسکے دو جانشینوں کے زمانے میں کمپنی کی تجارت بغیر روک ٹوک کے چلتی رہی۔ علی وردی خاں کو مرہٹہ حملہ آوروں کے باعث اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو کرناٹک کے معاملات میں اس قدر مصروفیت رہی کہ بنگال کی تجارت میں دست اندازی کا موقع نہ تھا۔ البتہ سراج الدولہ کی تخت نشینی پر (جو انگریزوں کا دشمن مشہور تھا) ملکی حکومت اور انگریز دخیلوں کی کشیدگی شکست روابط کی حد تک پہنچ گئی۔ اسکے بعد جو واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ تاریخ میں بہت نمایاں ہیں۔ ۱۷۵۶ء میں ناظم نے کلکتے پر قبضہ کر لیا۔ اسکے ایک سال بعد انگریزوں نے شہر کو دوبارہ چھین لیا۔ ۹ فروری ۱۷۵۷ء کو سراج الدولہ نے کچھ تو خوف زدہ ہو کر اور کچھ عمدہ موقع ملنے کی خاطر انگریزوں کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے کمپنی کے تجارتی حقوق متعلقۂ بنگال کی توثیق کی گئی اور اڑتیس گاؤں اسکے حوالے کر دیے گئے جنھیں ۱۷۱۷ء میں شہنشاہ فرخ سیر نے عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر مرشد قلی خاں نے روک رکھا تھا۔ ماہ جون کے اوائل میں جبکہ از سر نو خصومتوں کا بازار گرم تھا کمپنی نے میر جعفر کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کی غرض یہ تھی کہ میر جعفر کو ۹ فروری کے معاہدے کی تکمیل شرائط کے عوض میں ناظم مقرر کیا جائے۔ اس کے بعد پلاسی کی جنگ، سراج الدولہ کی موت اور ۲۹ جون کو ناظم بنگال، بہار و اوڑیسہ کی حیثیت سے میر جعفر کی سربلندی، یہ واقعات جلد جلد یکے بعد دیگرے پیش آئے۔ ۲۰ دسمبر کو میر جعفر کے ساتھ ایک اور معاہدہ طے ہوا جس سے ۹ فروری کے معاہدے کی تصدیق ہو گئی اور کمپنی کے حاصل کردہ رقبۂ اراضی میں آٹھ سو اٹھاسی مربع میل کا ایک ضلع جو چوبیس پرگنہ[1] کے نام سے مشہور ہے اضافہ کر دیا گیا۔ اس منظوری اضافہ

---

[1] تا حال ان چوبیس پرگنوں کا ایک ضلع بنگال میں قائم ہے اس اصطلاح (چوبیس پرگنہ) کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ضلع چوبیس پرگنوں یا حکومت شاہی حلقوں پر مشتمل ہے۔ پرگنے کی تشریح دوسرے باب میں کی جائے گی۔

کی بدولت جس کی ۱۷۵۸ء میں دیوان کی ایک سند کے ذریعے توثیق ہو گئی ناظم کو دو لاکھ بائیس ہزار نو سو اٹھاون روپیہ سالانہ مالگزاری پر کمپنی نے ضلع مذکور کے حقوق زمینداری حاصل کر لیے یہ گویا بنگال میں کمپنی کے اہم ملکی علاقے کی ابتدا ہے لیکن اس عطیے سے کمپنی کو حاکمانہ اختیارات نہیں ملے بلکہ وہ بہ حیثیت زمیندار، ناظم کے زیر دست ہی رہی۔ حکومت قانوناً شہنشاہ سے وابستہ رہی اور بدرجہ اقل ناظم سے بھی لیکن فی الحقیقت کمپنی اس وقت بنگال میں حکمران طاقت تھی۔ اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۱۳ر جولائی ۱۷۵۹ء کو چوبیس پرگنوں کی آمدنی بطور جاگیر کے شہنشاہی خدمات کی بجاآوری کے صلے میں کلائیو کے نام لکھدی گئی۔ ۲۳ر جون ۱۷۶۵ء کو اس عطیے کی تصدیق و توثیق دس سال کی مدت کیلیے ہو گئی اور طے پایا کہ اس کے بعد کمپنی کو سارے حقوق مل جائیں گے جو شاہی مطالبات مالگزاری سے مستثنےٰ رہیں گے۔

۱۷۶۰ء میں ناظم کے عہدے پر قاسم علی خاں کی تائید میں میر جعفر کی علیحدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۷ر ستمبر ۱۷۶۰ء کو جدید معاہدے کے ذریعے سے ایک وسیع علاقہ ساری مالگزاری کی معافی کے ساتھ اور برائے نام مصارف فوج کے انتظام کی غرض سے کمپنی کے حوالے کر دیا گیا لیکن درحقیقت یہ قاسم علی خاں کے سرفراز ہونے کا معاوضہ تھا۔ یہ علاقہ بردوان، مدناپور اور چٹگانگ کے اضلاع پر مشتمل تھا جن کا رقبہ آٹھ ہزار ایک سو اکسٹھ مربع میل تھا۔ اس عطیے کی ۶ر جولائی ۱۷۶۳ء کو میر جعفر نے اپنے دوبارہ فائز نظامت ہونے پر تجدید کی اور ۱۲ر اگست ۱۷۶۵ء کو شہنشاہ نے آخر کار اس پر مہر صداقت لگادی۔

کلکتہ (۱۶۹۸ء) چوبیس پرگنے (۱۷۵۷ء) بردوان، مدناپور و چٹگانگ (۱۷۶۰ء) کے عطیات سے اضلاع مفوضہ وجود پذیر ہوئے جن کی نوعیت روداد پنجم کے بیان کردہ علاقہ جات دیوانی سے جدا تھی۔ ان کا باہمی فرق نہایت اہم ہے۔ مقدم الذکر میں کمپنی کو مالگزاری کے متعلق پورا حق حاصل تھا۔ موخر الذکر میں اُسے منجانب ناظم، شہنشاہ کو مالگزاری ادا کرنا اور ناظم کے تمام اخراجات کا انتظام کرنا ضروری تھا۔ اضلاع مفوضہ میں کمپنی تاریخ حصول قبضہ سے تحصیل مالگزاری کے ساتھ امور انتظامی بھی اپنے خاص کارکنوں کے ذریعے سے انجام دیتی رہی۔ علاقہ جات دیوانی میں جن کے تذکرے ہی سے تیسرے باب کا کل حصہ واقعی متعلق ہے کمپنی سالہا سال تک دیسی یا امتحانی نائبوں کے توسط سے مالگزاری وصول کرتی رہی اور صوبہ جات کی نگرانی کا کام بھی انجام دیتی رہی۔

۱۷۶۴ء میں بمقام بکسر نواب اودھ و شاہ عالم پر میجر ہکٹر منرو کی فتح یابی نے بنگال میں برطانیوں کا سکہ جما دیا۔ جنوری ۱۷۶۵ء میں ناظم کی وفات پر کمپنی نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کی جانشینی اس شرط پر قبول کی کہ نظم و نسق ایک نائب ناظم یا صوبہ دار کے سپرد ہوگا جس کا انتخاب کمپنی کرے گی چنانچہ محمد رضا خاں منتخب ہوگیا۔ ۱۲ر اگست ۱۷۶۵ء کو شہنشاہ نے کمپنی کو صوبہ جات بنگال، بہار و اوڑیسہ کا دیوان مقرر کیا۔ اس سے کمپنی پر یہ فرض عائد ہوگیا کہ وہ شہنشاہ کو چھبیس (۲۶) لاکھ روپیہ اور ناظم کے عملے کے کل مصارف ادا کرنے پر ہر سہ صوبہ جات میں محاصل وصول کیا کرے۔ ۳۰ر ستمبر کو ناظم نے عطیۂ دیوانی کو تسلیم کرلیا۔ اس عہدے پر ۱۷۷۰ء کے بعد سے یہ پہلا تقرر تھا جو شہنشاہ کی جانب سے عمل میں آیا۔ ۱۷۷۰ء و ۱۷۶۵ء کے درمیانی زمانے میں اس قسم کا تقرر ناظم کے الطاف و اکرام پر موقوف تھا۔ کمپنی نے اپنے فرائض دیوانی کی انجام دہی کے لیے محمد رضا خاں کو نائب دیوان مقرر کیا۔

یہی وہ وقت ہے جبکہ حقیقی برطانوی نظم و نسق مالگزاری کی بنا پڑی۔ اب کمپنی کی حیثیت بالکل ویسی ہی تھی جیسی کہ اورنگ زیب کے انتقال پر مرشد قلی خاں کی تھی۔ دونوں کو قانوناً دیوانی کا منصب حاصل تھا اور دونوں کو اپنے اپنے ناظموں کی ناقابلیت کے باعث فی الواقع ناظم کے اختیارات حاصل تھے۔ شاہی اقتدار کی ہردو کے نزدیک نام و نمود سے بڑھ کر کوئی وقعت نہ تھی۔ مرشد قلی خاں کے عارضی شان دار دور کے بالمقابل برطانوی نظم و نسق کی مستقل کامیابی کا باعث زیادہ تر یہ تھا کہ ایک سند یافتہ جماعت کو ایک فرد پر فطری فوائد فائقہ حاصل ہوتے ہیں اور وہ مضر اثرات زائل ہوجاتے ہیں جنھیں مشرقی بادشاہ کے دربار میں بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا باب

مُغلوں کا اِنتظامِ مالگزاری

فحوائے کلام :۔ یہ باب زیادہ تر گرانٹ کی شرح کا خلاصہ اور محض ایک تذکرہ ہے جس کے مندرجہ اعداد پر نقد و تبصرہ گرانٹ اور شور کے اختلاف سے متعلق بحث میں آئے گا۔ گرانٹ کے اعداد، شرح کے مختلف حصّوں میں باہمی ربط نہیں رکھتے لیکن اس عدم یکسانی کو حساب پاک وصاف رکھنے کی خاطر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مغلوں کا پہلا بندوبست :۔ شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں راجہ ٹوڈرمل کے ذریعے سے سنہ ۱۵۸۲ء میں مغلوں کا پہلا بندوبستِ مالگزاری عمل میں آیا۔ یہ صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا کہ آیا اعداد سے کچھ وثوق کے ساتھ حقیقی مالگزاری کا انکشاف ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ اعداد ایک حد تک ابوالفضل کی آئینِ اکبری سے ماخوذ ہیں لیکن اکثر صورتوں میں بے شبہ ایسے اعداد شامل کر لیے گئے ہیں جن سے مشخص مالگزاری بغیر تیقّنِ وصولیابی کے ظاہر ہوتی ہے۔ بہرحال مقامی تحقیقات کے بعد بندوبست ابتداءً دس سال کی مدت کے لیے کیا گیا اگرچہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھہتر سال تک جاری رہا۔ تشخیص مالگزاری زمین کی پیداوار کے تناسب پر مبنی تھی۔ خاص بنگال اُنیس بڑے بڑے انتظامی علاقوں پر جو سرکار کے نام سے مشہور تھے مشتمل تھا۔ انہیں پھر چھ سو بیاسی مالی وانتظامی

رقبوں میں جو پرگنے کہلاتے تھے تقسیم کیا گیا تھا۔ "سرکار" غالباً راجہ ٹوڈرمل کی ایجاد تھی۔ پرگنہ کی اصطلاح کا پتہ ہندوؤں کے زمانہ قدیم کی تاریخ سے چل سکتا ہے۔ ہر پرگنہ ایک چودھری یا زمیندار کے زیر انتظام تھا۔ اس دور میں ان دونوں کا درمیانی فرق مبہم اور ناقابل توجہ ہے۔ چودھری یا زمیندار کے فرائض تحصیل مالگزاری کے علاوہ بیشتر انتظامی تھے۔ زمینداروں کی مالی حالت کے قابو میں رکھنے کے واسطے ہر پرگنے میں ایک قانون گو مقرر تھا۔ یہ پرگنے کے حساب کتاب کا ذمہ دار تھا اور شرح مالگزاری سے واقفیت رکھتا تھا۔ پرگنے کی پیمائش کی نگرانی اور عام طور پر کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت اسی کے ذمے تھی۔ اسی طرح ہر گاؤں میں ایک پٹواری یا دیہاتی محاسب کا تقرر کیا گیا تھا جس کے فرائض گاؤں میں ایسے ہی تھے جیسے کہ قانون گو کے پرگنے میں ہوتے ہیں۔ ان موخرالذکر دو عہدہ داروں کو خاص اہمیت حاصل ہے اور قانون گو کا عہدہ انگریزوں کے ابتدائی دور میں نظم و نسق مالگزاری کے ارتقا کا زیادہ تر باعث ہوا۔

گرانٹ نے فرد مالگزاری کو "اصل طومار جمع پادشاہی" (Original Royal Revenue Roll) کے نام سے موسوم کیا ہے اور مختصر طور پر اس کی شرح حسب ذیل ہو سکتی ہے:-

	روپیے
خالصہ اراضی	۶۳۴۴۲۶۰
جاگیری اراضی[1]	۴۳۴۸۸۹۲
میزان مالگزاری بنگال	۱۰۶۹۳۱۵۲

خالصہ اراضی سے وہ علاقے مراد ہیں جو براہ راست خزانۂ شاہی (خالصہ یا خالصہ سرشتہ) میں مالگزاری ادا کرتے ہیں۔ جاگیری اراضی[2] سے وہ علاقے مراد ہیں جن کی مالگزاری بلا واسطہ خزانۂ شاہی اغراض خاص کے لیے مختص تھی۔ اس قسم کی جاگیروں کی ایک تفصیل تیسرے بندوبست بنگال کے بیان میں دی جائے گی۔ جاگیری اور خالصہ اراضی بہت منتشر تھی اور جتنی جتنی انتظام

---

[1] روداد پنجم صفحات ۲۵۵ سے ۲۵۹ تک

[2] مثلاً کلائیو کی مشہور جاگیر (۱۷۵۹ء)

مالگزاری میں ترقی ہوتی گئی زمینداروں کے لیے اپنی جاگیری اور خالصہ اراضی کے مابین امتیاز کرنا اکثر محال ہوگیا لیکن بعض صورتوں میں جاگیری اراضی کی مالگزاری نقد رقم کی بجائے فوجی دستوں، ہاتھیوں یا مسلح کشتیوں کی شکل میں ادا کی جاتی تھی۔ جاگیر عملاً وہی ہے جسے انگریزی میں فیوڈل ٹینور Feudal tenure کہتے ہیں۔

مغلوں کا دوسرا بندوبست:۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے سال جلوس[1] ۱۶۵۸ء میں شاہ شجاع یا سلطان شجاع صوبہ دار بنگال نے مالگزاری کا دوسرا بندوبست کیا۔ قدیم چھ سو بیاسی (۶۸۲) پرگنوں کے تجزیے سے مزید تین سو اکسٹھ (۳۶۱) پرگنے قائم کیے گئے۔ پرگنے کی حد بندی کسی زمانے میں بھی مستقل نہیں رہی ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ ابتدائی بندوبست کے وقت سے نئے پرگنے برابر بنتے چلے آئے ہیں۔ یہ بندوبست یعنی دوسرا بندوبست قدیم انیس (۱۹) سرکاروں کی سابقہ مالگزاری میں ۹۰۰،۱۶۲ روپیہ کی بیشی کا باعث ہوا گویا چھہتر (۷۶) سال کی مدت میں ساڑھے پندرہ (۱۵½) فیصدی کا اضافہ ہوا۔ یہ اضافہ غالباً اس تمام دور میں جاری رہا۔ بایں ہمہ چھ سرکاریں معہ اڑتیس (۳۸) پرگنوں کے صوبۂ اوڑیسہ سے منتقل کرلی گئیں۔ پانچ سرکاریں جن میں دو سو چھپن (۲۵۶) پرگنے شامل تھے ملحقات آسام کی مدد سے قائم کی گئیں۔ دو سرکاریں جو چھ پرگنوں پر مشتمل تھیں مشرق کی جانب ملحق علاقۂ ٹپرا (Tippera) میں ضم کی گئیں اور جنوب میں سندربن[2] کو بتدریج ترقی دی گئی۔ صوبۂ بنگال کی جنوب مغربی سرحد پر کشن پور کے سرداروں کی خراج گزاری ایک سرکار اور پانچ پرگنوں کے مماثل گردانی گئی۔ دارالضرب کا منافع ایک سرکار اور دو پرگنوں کے برابر شمار کیا گیا۔ اس طرح سرکاروں اور پرگنوں کی مجموعی تعداد علی الترتیب چونتیس (۳۴) اور ایک ہزار تین سو پچاس (۱۳۵۰) محسوب ہوئی۔ یہ بات قابل یادداشت ہے کہ آخری دو سرکاریں مالگزاری سے متعلق نہیں ہیں اور یہ دیگر ذرائع محاصل کی جنہیں بعد کو سائر[3] سے موسوم کیا گیا پہلی واضح دلیل ہے۔ لیکن جاگیری اراضی

---

[1] روداد پنجم صفحات ۲۵۹ سے ۲۶۱ تک

[2] سندربن ترائی کا ایک جنگل ہے جہاں متعدد دریا اور ندیاں گنگا کے مثلثی دہانے میں جو خلیج بنگال سے متصل ہے ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ مغلوں کے زمانے سے یہ ہمیشہ سلطنت کی ملک تصور کیا گیا ہے اور اسے زیر کاشت لانے کی پہلی و آخری کوشش ۱۷۸۴ء میں وارن ہیسٹنگز کے احکام کی بناء پر کی گئی۔ یہ رقبہ بندوبست دوامی سے مستثنیٰ تھا اور اس کا اکثر حصہ ابھی تک جنگل ہے۔

[3] آئین اکبری میں چھوٹے چھوٹے سائر محالات کا ذکر موجود ہے لیکن وہ صرف پرگنات یا چند پرگنات پر مشتمل تھے اور یہ ادنیٰ

کوئی ترقی نہ ہوئی۔ اس کا سبب جاگیرداروں کا تصرف بیجا اس زائد آمدنی کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو جاگیری اراضی کی مالگزاری میں ہوئی ہو غالباً بہ نسبتی خالصہ اراضی کی مالگزاری کی طرح تقریباً ساڑھے پندرہ[۱] فیصدی ہوگی۔ ذیل کی تفصیل اس دور میں فرد مالگزاری کی حالت کو ظاہر کرتی ہے جو "اضافہ شدہ جمع طوماری" کے نام سے موسوم ہے۔

	روپیے
اصل خالصہ اراضی	۶۳۴۴۲۶۰
اضافہ متعلقۂ اصل خالصہ اراضی	۹۸۶۱۶۲
ملحقات بذریعۂ انتقال و فتح	۱۴۳۵۵۹۳
جاگیری اراضی	۴۳۴۸۸۹۲
میزان مالگزاری بنگال	۱۳۱۱۵۹۰۷

یہ بات قرین قیاس ہے کہ شاہ شجاع کی فرد مالگزاری کسی جدید بندوبست یا تشخیص لگان پر مبنی نہیں تھی بلکہ محض دفتری نظر ثانی یا جانچ پر جس میں وہ تغیرات شامل تھے جو سنہ ۱۵۸۲ء[۲] سے واقع ہوئے تھے۔

مغلوں کا تیسرا بندوبست:۔ مرشد قلی خاں صوبہ دار نے جسے سنہ ۱۷۲۲ء[۳] میں عروج حاصل ہوا بنگال کا تیسرا بندوبست کیا۔ اس بندوبست میں ایک اہم اصلاح نظم و نسق مضمر تھی اور عہد اکبر کی سرکار کی بجائے ایک نئے انتظامی علاقے موسوم بہ چکلہ کی ایجاد عمل میں آئی۔ پرگنوں کو بندوبست

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ زیادہ تر جلکار سے وصول ہوتی تھی۔ محال سے مراد ذریعۂ محصول ہے اور یہ لفظ عموماً جائیداد پر دلالت کرتا ہے۔ سائر سے مراد منقولہ ہے اور دونوں الفاظ مل کر اس محصول کو ظاہر کرتے ہیں جو زمین سے حاصل نہ ہوا ہو اور یہ مرادف ہے اس آمدنی کے جو ملک کی درآمد سے وصول ہو۔

۱۔ رُوداد پنجم صفحہ ۲۶۱

۲۔ ایضاً صفحہ ۲۶۶

۳۔ ایضاً صفحات ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک۔

شاہ شجاع کی چونتیس[۳۴] سرکاروں کی بجائے ازسرِنو تیرہ[۱۳] چکلوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر چکلہ ایک عامل کے زیر انتظام رکھ گیا۔ اس امر کا اظہار دلچسپی کا باعث ہوگا کہ 'چکلہ' اگرچہ انتظامی علاقہ بن گیا تاہم اصطلاح 'سرکار' ہی مستعمل رہی اور آج تک بھی جائیدادوں کے تذکرے میں اکثر استعمال کی جاتی ہے۔ مرشد قلی خاں اصغر نائب ناظم (۱۷۲۸ء) کی ایک سند میں حسب ذیل تحریر پائی جاتی ہے:-

"یہ ہزار چہاردہ متعلقہ پرگنہ بر بازو نصرت شاہی، سرکار بازوہا"۔[۱] یہ بات محقق نہیں ہے لیکن اس کا یقین کرنا درست ہوگا کہ چکلہ مالی علاقہ ہونے کی بہ نسبت زیادہ تر انتظامی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ زمیندار کے ذمے وصولیابی لگان اور ادائے مالگزاری کے فرائض کے علاوہ متعدد انتظامی امور بھی تھے۔ 'چکلہ' بظاہر ضلع سے کچھ ملتا جلتا ہے جسے انگریزی میں کاونٹی (County) کہتے ہیں۔ 'چکلے' کا وجود اکبر کے زمانے میں بھی تھا لیکن ایک انتظامی رقبے کی مانند اس کا نشوونما مرشد قلی خاں کا کام تھا۔ یہ چکلے برطانوی راج کے آغاز پر انتظامی علاقوں کی حیثیت سے قائم رہے اور بعد کو نئی ضلع واری تقسیم کی بنیاد قرار پائے۔ غالباً تقسیم در تقسیم کے لازمی عمل کی بنا پر پرگنوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے سولہ سو ساٹھ[۱۶۶۰] تک پہنچ چکی تھی۔ مالگزاری میں اصل اضافہ جو چونسٹھ[۶۴] سال کی مدت میں ۱۱،۷۲،۲۷۹ روپیہ یا ½۱۳ فیصدی ہوا۔ مرشد قلی خاں کی نظم و نسق میں جزرسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۰،۲۱،۴۱۵ روپیہ مالیت کی اراضی جو سابق میں مختلف اغراض انتظامی کے لیے بطور جاگیر کے مخصوص کی گئی تھی سرکاری خزانے یا خالصے میں منتقل ہوگئی۔ یہ منتقلہ اراضی 'ضبطی' کہلاتی ہے۔ مرشد قلی خاں (جعفر خاں) کی فرد مالگزاری جس کا نام 'جمع کامل طوماری' تھا ذیل کے مطابق تھی۔

	روپیہ
خالصہ اراضی بموجب بندوبستِ شاہ شجاع	۸۷،۶۷،۰۱۵
اضافہ بر اراضی مذکورۂ بالا	۱۱،۷۲،۲۷۹
اراضی جو جاگیر سے خالصے میں منتقل ہوئی	۱۰،۲۱،۴۱۵
جاگیر	۳۳،۲۷،۴۷۷
	۱،۴۲،۸۸،۱۸۶

۱- روداد پنجم صفحہ ۲۶۴

خالصہ اراضی ۱۲۵۶ پرگنوں اور جاگیری اراضی ۴۰۴ پرگنوں پر مشتمل تھی۔ عاملوں کو کام کی کثرت سے بچانے اور ۱۲۵۶ خالصہ پرگنوں سے مالگزاری کی وصولیابی میں سہولت پیدا کرنے کیلیے کل رقبۂ خالصہ بجیس[۲۵] بڑی بڑی تحصیلوں (جن کو اہتمام یعنی زمینداریاں کہتے تھے) صوبہ جاتی قسمتوں اور مذکورہ ربوں (یعنی چھوٹی چھوٹی منتشر جائیدادوں) کی صورت میں ٹھیکے پر دے دیا گیا۔ چکلے کی بجائے یہی اصل مالی علاقے تھے۔ یہ اصلاح بظاہر مالکان اراضی کے حقوق کا لحاظ کیے بغیر جاری کی گئی تھی اور بعد دیگرے ناظموں نے اسے قائم رکھا اور ترقی دی۔

جاگیری اراضی کی تقسیم[لے] حسب ذیل کی گئی:

۱۔ جاگیر سرکار عالی نظم ونسق دیوانی وفوجداری اور اخراجات نظامت کے لیے۔

۲۔ جاگیر بندہ عالی بارگاہ، مصارف دیوانی یعنی انتظام مالگزاری کے لیے

۳۔ جاگیر امیر الامراء، مصارف فوج کے لیے۔

۴۔ جاگیر فوجداری، مغرب اور شمال مغرب کی جانب سرحد کی حفاظت کے لیے۔

۵۔ جاگیر منصب داراں، معمولی مصارف فوج کے لیے۔

۶۔ جاگیر زمینداراں، مشرق اور شمال مشرق کی جانب سرحد کی حفاظت کے لیے۔

۷۔ جاگیر مدد معاش، اوقاف مذہبی کے لیے۔

۸۔ جاگیر سالیانہ داراں، زمینداری کی معمولی اجرت کے لیے۔

۹۔ جاگیر آلتمغا، علماء سے متعلق اوقاف کے لیے۔

۱۰۔ جاگیر روزینہ داراں، معمولی مذہبی نذر ونیاز کے لیے۔

۱۱۔ جاگیر نواڑا، بحری بیڑے کی دیکھ بھال کے لیے۔

۱۲۔ جاگیر احشام عملہ، مشرقی سرحدی فوج کی سربراہی کے لیے۔

لے رود اد نجم صفحات ۲۶۷ سے ۲۷۱ تک اور صفحہ ۲۷۴

لے ایضاً صفحات ۲۷۲ سے ۲۷۳ تک

۱۳- جاگیر کھیدا، ہاتھیوں کی گرفتاری کے مصارف کے لیے۔

ان جاگیروں میں نشان ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۱۱ و ۱۲ اہم ہیں۔

خالصہ و جاگیری اراضی کی مندرجہ بالا تقسیم کا نام گرانٹ نے "جمع طوماری تخصیص" (Detailed Revenue Roll) رکھا ہے۔

مالگزاری کا اضافہ مابعد: - مرشد قلی خاں کا بندوبست مالگزاری برطانوی نظم و نسق کے آغاز سے قبل کا آخری بندوبست ہونے کے لحاظ سے اہم ہے جس کا منشاء یہ تھا کہ زمین کی قوت پیداوار کے تناسب کو اصل اصول قرار دیا جائے۔ شجاع الدین خاں کا بندوبست جہاں تک کہ گرانٹ کے اعداد رہنمائی کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۲۵ء میں اسکے فائز نظامت ہونے پر بعض زمینداریوں کی از سر نو تشخیص لگان کی جانب مائل تھا لیکن اس حالت میں اس کا کوئی مستقل اثر اصل فرد مالگزاری پر نہ پڑا۔ یہ بندوبست علانیہ طور پر گذشتہ دس سال کی حقیقی دھولیابی پر مبنی تھا نہ کہ زمین کی قوت پر، اور یہی پہلا بندوبست ہے جسکی بنیاد زمیندار کی استطاعت ادائے مالگزاری پر رکھی گئی تھی اور کاشتکار خارج از بحث تھا۔ اکبر کے زمانے سے لے کر مرشد قلی خاں کے دور تک جو بندوبست عمل میں آئے اور بعد کو ۱۷۶۳ء تک مالگزاری میں جو اضافے ہوئے انکا باہمی فرق بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس پر گرانٹ اور شور کے اختلاف سے متعلق باب میں بحث کیجائیگی جدید اضافے یا تو بطور زائد محصول کے تھے یا بصورت دیگر سلطنت کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس افزوں مگر مخفی آمدنی کی بازیافت کیلیے عائد کیے گئے تھے جو جاگیرداروں کو وصول ہوتی تھی۔ اس جدید اضافۂ محصول کو حق بہ جانب قرار دینے کیلیے یہ دلیل پیش کی گئی کہ باوجودیکہ زمیندار کاشتکاروں سے آئینی یا غیر آئینی طور پر بڑے بڑے مزید منافع حاصل کرتے رہتے ہیں سلطنت اس قسم کی منفعت سے بالکل محروم ہے۔ یہ نیا محصول زائد "ابواب" کے نام سے مشہور تھا جسے آگے چلکر ابواب، کیفیت، اور توفیر تین عنوانوں میں تقسیم کیا گیا۔ 'ابواب' بالخصوص ایک زائد محصول ہے۔ 'کیفیت' سابقہ تحصیل وصول پر اضافے کو کہتے ہیں اور 'توفیر' پوشیدہ بچت کی بازیافت ہے لیکن ان کی یہ تفریق ٹھیک نہیں معلوم ہوتی یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مرشد قلی خاں پہلا ناظم تھا جس نے فرد مالگزاری کی نظر ثانی کرنیکے علاوہ ابواب کو آمدنی کا ذریعہ قرار دیا۔ ابواب کی تفصیلی فہرستیں اور گرانٹ کی پیش کردہ تین شرحیں مبہم اور بے ربط ہیں۔ اُن کی تفصیل غیر ضروری ہے البتہ نتیجے کو مختصر طور پر شرح سوم سے حسب ذیل پیش کیا جاسکتا ہے:

'ابواب' جو مرشد قلی خاں (جعفر خاں) (۱۷۲۲ء سے ۱۷۲۵ء تک) و شجاع الدین خاں (۱۷۲۵ء سے ۱۷۳۹ء تک) و علی وردی خاں (۱۷۴۰ء سے ۱۷۵۶ء تک) نے جاری کیے	روپیہ ۴۲۲۳۴۶۷
'کیفیت' جسے خاصکر قاسم علی خاں نے جاری کیا (۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۳ء تک)	۴۵۲۳۵۶۳
'توفیر' جاری کردہ قاسم علی خاں (۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۳ء تک) ..	۳۱۶۲۳۵۸
میزان ابواب	[۱] ۱۱۹۰۹۳۸۸

بعض معمولی وضعات کے جائز قرار پانے کے بعد ان اضافہ جات محصول کا انجام یہہ ہوا کہ بنگال کا مطالبۂ مالگزاری جو ۱۷۲۲ء میں ۱۴۲۸۸۱۸۶ روپیے تھا بڑھکر ۱۷۶۳ء میں ۲۵۶۲۴۲۲۳ روپیے تک پہنچ گیا۔

خلاصہ:- اعداد بالا میں ضروری امر جو قابل توجہ ہے مختلف دوروں کے مطالبۂ مالگزاری کا فیصد اضافہ ہے لیکن ان اعداد میں مالگزاری ادا کرنے والے رقبے کے تغیرات حدود کا کما حقہٗ ذکر نہیں ہے۔

۱۵۸۲ء تا ۱۶۵۸ء یا ۷۶ سال: اضافہ ۱۵½ فیصدی
۱۶۵۸ء تا ۱۷۲۲ء یا ۶۴ سال: اضافہ ۱۳¼ فیصدی
۱۷۲۲ء تا ۱۷۵۶ء یا ۳۴ سال: اضافہ ۲۹ فیصدی
۱۷۵۶ء تا ۱۷۶۳ء یا ۷ سال: اضافہ ۴۰ فیصدی

ابتدائی دو دوروں میں اضافہ سالانہ صرف ⅕ فیصدی ہے۔ تیسرے دور میں ⅘ فیصدی اور آخری دور میں تقریباً ۶ فیصدی ہے۔ شرح اضافہ قابل لحاظ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اعداد جس طرح کہ اس باب میں دیے گئے ہیں محض مطالبۂ مالگزاری کو ظاہر کرتے ہیں نہ کہ حقیقی وصول شدہ مالگزاری کو۔

۱؎ روداد پنجم صفحات ۲۷۵ سے ۳۰۹ تک، خصوصاً صفحات ۳۰۱ سے ۳۰۹ تک۔

تیسرا باب

برطانوی انتظام مالگزاری ۱۷۹۳ء تک

عطیۂ دیوانی:۔ اگست ۱۷۶۵ء میں مغل شہنشاہ کو چھبیس[26] لاکھ روپیے سالانہ رقم کے ادا کرنے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام "دیوانی" کی منظوری گویا برطانوی انتظام مالگزاری کی ابتدا ہے۔ یہ عطیہ بردوان، مدناپور و چٹاگانگ کی سابقہ حوالگی اور کلکتے و چوبیس[24] پرگنے[1] میں کمپنی کے حصول حقوق زمینداری کے علاوہ تھا۔ اس عطیے سے کمپنی کو کوئی شاہی اقتدار حاصل نہیں ہوا اور اسے حسب ضابطہ محض بنگال، بہار و اوڑیسہ کی جملہ مالگزاری وصول کرنے کا حق بدیں صراحت دیا گیا کہ بہ چھبیس[26] لاکھ پر جو بچتی ہو وہ بطور زائد آمدنی کے مصارف عہدۂ دیوانی کیلیے محفوظ رکھی جائے۔ نظم و نسق کے جو عام اختیارات بعد کو حاصل ہوئے اس کا باعث بلاواسطہ تو ناظم کی ذات پر کمپنی کا قابو پالینا تھا اور بالواسطہ صرف تحصیل مالگزاری کی اجازت تھی جس سے کمپنی کو تینوں صوبوں میں کامل مالی اقتدار حاصل ہوگیا۔

تقسیم موضوع:۔ انتظام مالگزاری (۱۷۶۵ء سے ۱۷۹۳ء تک) کو چار دوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خصوصیات موجود ہیں۔

۱؎ ملاحظہ ہو باب اول۔

دور اول	۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک	دور تذبذب
دور دوم	۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۱ء تک	دور مرکزیت
دور سوم	۱۷۸۱ء سے ۱۷۸۶ء تک	تکمیل مرکزیت
دور چہارم	۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۳ء تک	لامرکزیت

دورِ اوّل ۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک تذبذب:- ۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک تحصیل مالگزاری بالکلیہ محمد رضا خاں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ مشہور شخص جس کے عادات و اطوار پر گرانٹ نے بڑی عمدگی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے ناظم کی کم سنی و نااہلی کے باعث بنگال، بہار و اوڑیسہ کی نظامت و دیوانی کے متعدد مناصب پر ناظم نجم الدولہ کے فائز نظامت ہونے کے وقت سے اسکے نائب کی حیثیت سے مامور رہ چکا تھا۔ کمپنی کو جب دیوانی عطا ہوئی تو کلائیو نے اسے نائب دیوان یا نائب وزیر مال کے لقب کے ساتھ کمپنی کی جانب سے مالگزاری وصول کرنے کے لیے منتخب کیا۔ یہ انتظام اطمینان بخش نہ تھا اس لیے کہ قدیم مغل عہدہ دار بدستور قائم رہے اور جیسا کہ گرانٹ کا بیان ہے جو بلاشبہ کچھ مبالغہ آمیز ہے کہ کمپنی کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ نائب دیوان اور اس کے زیردست عملے[1] کے پیٹ میں جاتا تھا۔ بہرحال ۱۷۶۹ء میں کمپنی نے اپنے ذاتی نقصانات کے ساتھ ساتھ ان بیجا مطالبات کو بھی محسوس کیا جن کی جانب زمیندار زیادہ ستانی کی غرض سے اپنی رعیت کو مجبور کرنے پر اس طرح مائل ہو گئے تھے جس طرح کہ حکام مال زمینداروں پر دست درازی کرتے تھے۔ چنانچہ برطانوی نگران کار مختلف اضلاع میں مقرر ہوئے "تا کہ شجاع خاں کے زمانے سے لے کر صوبہ جات کے گذشتہ حالات کی تحقیقات عمل میں آئے کیونکہ خوش انتظامی و اعلیٰ حکمرانی کے اس دور میں قدیم حصص ملک میں کوئی تغیرات وقوع پذیر نہیں ہوئے اور جو بدنظمی اس وقت آشکارا ہے وہ اس عہد کے بعد کی ہے"۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ اراضی کی خواہ وہ مالگزاری ادا کرنے والی ہو یا معافی کی "فرد لگان" تیار کریں، دستاویزات حقیت اور بندوبست سے متعلق تمام معاملات کی جانچ کریں۔ یہ نگران کار، مال کی دو مجلسوں کے زیر حکم جو ۱۷۷۰ء میں پٹنے اور مرشد آباد میں قائم ہوئیں عمل پیرا ہوئے۔ ایک بات جو نگران کاروں کی تحقیقات سے ظہور میں آئی مالگزاری وصول کرنے والوں کی بددیانتی و رشوت ستانی تھی۔ مجلس نظار کے احکام کی بنا پر ۱۷۷۲ء کو ایک اعلان جاری ہوا

---

[1] روداد پنجم صفحہ ۳۲۸ و متفرقات ضمیمۂ چہارم۔

جس میں اس امر کا اظہار تھا کہ کمپنی "دیوان کی حیثیت اختیار کرنے" یعنی اپنے خاص محاصل وصول کرنے اور بطور خود مالی انتظام کرنے کا مصمم قصد کر چکی ہے۔ اس اعلان کی رُو سے محمد رضا خاں کے عہدۂ نائبِ دیوان کی موقوفی اور سابق عہدہ داروں کی بجائے مالگزاری کے کلکٹروں کی حیثیت سے نگران کاروں کا تقرر لازم آیا۔ کلکتے میں ایک مجلس مال کا قیام عمل میں آیا۔ دیرینہ بداعمالی کی آلائش سے پاک ہونے کے لیے مفصلات[1] کے سارے قانون گو برطرف کر دیے گئے اور کلکٹر کی امداد کے لیے اس کے صدر مستقر پر ایک ہندوستانی دیوان یا مُتسدّی رکھا گیا۔ تحصیل مالگزاری کا نظم قدیم مسدود ہو چکا تھا لیکن آگے چل کر معلوم ہوگا کہ نظم مذکور کا یہ انسداد ایک بڑی حد تک خلافِ مصلحت تھا کیوں کہ اس میں یہ سوال باقی رہ گیا تھا کہ مالگزاری کا مطالبہ کس بنیاد پر ہونا چاہیے نگران کار فرد لگان کی تیاری کے فریضے میں ناکام ہو چکے تھے اور شاید حالاتِ موجودہ کے تحت ان کی ناکامی سراسر خلاف توقع نہ تھی۔ محمد رضا خاں سے جب مشورہ طلب کیا گیا تو اس نے گذشتہ چار سال کے حسابات کے باہمی مقابلے کی رائے دی لیکن مجلس اعلیٰ ان حسابات کو ناقابل اعتماد ٹھیرانے کی علانیہ وجوہ رکھتی تھی اس لیے یہ قرار پایا کہ سابق نائب دیوان کے مشورے کے خلاف چار جدید الخدمت ارکان کی ایک مجلس قائم کی جائے جو دورہ کرے اور تمام تعلقے زمینداروں کے دعاوی حقوق کا لحاظ کیے بغیر پانچ سال کی مدت کے لیے سب سے زیادہ بولی بولنے والوں کو ٹھیکے پر دے کر مقامی بندوبست کرے۔ یہ انتظام جس میں زمینداروں کو نظر انداز کیا گیا تھا مرشد قلی خاں کے بندوبست سے مشابہ تھا۔ ایسے عارضی پٹے اجارے کے نام سے مشہور تھے اور جو قاعدہ اختیار کیا گیا وہ طریق زمینداری کے بالمقابل طریق اجارہ کہلاتا تھا اس طریقے کا اختیار کرنا تباہ کن تھا نہ صرف یہ کہ تحصیل کا کل سررشتہ موقوف کر دیا گیا بلکہ اب علاقوں کے بندوبست قبول کرنے تک میں ان مالگزاری ادا کرنے والوں کی ہمت پست کر دی گئی جنھیں کاشتکاروں سے لگان وصول کرنے کا پشتہا پشت کا تجربہ حاصل تھا اگرچہ یہ صحیح ہے کہ وہ اکثر جبر سے ایسا کرتے تھے۔ کمپنی کو یہ توقع تھی کہ اس مصلحت سے ان کی جائداد کی صحیح قیمت دریافت

---

[1] مفصل ایک اصطلاح ہے جو کسی ایسے شخص یا شئے کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو صدر مستقر یا دار الحکومت میں نہ ہو۔ یہ انگریزی میں کنٹری (Country) کے مرادف ہے جیسا کہ فقرہ کنٹری کزن (Country Cousin) میں مستعمل ہے (کنٹری کزن سے مراد ایک دیہاتی رشتہ دار ہے جو شہری رسوم و مناظر سے غیر مانوس ہو)۔

کرنے میں آسانی ہو گی مگر اس راہ میں وہ غلطی پر تھی۔ علاقے معاملہ داروں کو اس قدر محصول پر نیلام کیے جاتے تھے کہ جس کا بار قدیم زمینداروں کے خیال میں ان علاقوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ نئے اجارہ داروں کو صرف یہی اُمید باقی تھی کہ کاشتکاروں سے میعادِ اجارہ کے اثناء میں جو کچھ مل سکے حاصل کریں اور علاقوں کو تباہ و برباد حالت میں چھوڑ دیں۔ نتیجہ اکثر ایسی ہی تباہ کن صورت میں ظاہر ہوا۔ جو بولیاں بولی جاتی تھیں وہ اونچی ہوتی تھیں۔ صوبۂ ڈھاکہ کا پنج سالہ بندوبست اڑتیس (۳۸) لاکھ سے زائد کا تھا۔ ۱۷۷۲ء میں ½19 لاکھ تھا۔ اور ۱۷۶۵ء[1] میں (گرانٹ کے اعداد کے مطابق) اڑتیس (۳۸) لاکھ تھا مگر بقایا کا اوسط سالانہ آٹھ لاکھ سے زائد تھا۔ ایک پرگنے میں مالک نے اپنی جائیداد کو بحال رکھنے کے واسطے ایک لاکھ چونتیس (۳۴) ہزار ایک سو نو روپیہ کی بولی دی تھی لیکن دو ہی سال[2] کے اندر اس کے ذمے بقایا کی رقم اس کی سالانہ مالگزاری واجب الادا سے متجاوز ہو گئی اس کا سبب اس زمانے میں بھی اضافۂ محصول سے منسوب کیا گیا۔ کاروبار مالگزاری کے انتظام سے متعلق کمپنی کی پہلی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجربہ کار مگر بددیانت گماشتگان تحصیل معدوم ہو گئے اور ان کی جگہ غیر ملکی اور غیر تربیت یافتہ گماشتوں نے لی جن کا کام ایسی مالگزاری وصول کرنے کا تھا جو اپنی نوعیتِ تشخیص ہی کے باعث لازماً غیر معمولی تھی۔

دورِ دوم ۱۷۷۳ء سے ۱۷۸۱ء تک، مرکزیت: — مجلس اعلیٰ پنج سالہ بندوبست کی شرائط کی پابند تھی۔ لیکن اس امر کا جلد انکشاف ہو گیا کہ گماشتگان تحصیل کام نہیں چلا سکیں گے جیسا کہ واقعات سے ثابت ہوا فی الحقیقت گماشتوں کا اتنا قصور نہ تھا جتنا کہ رقم وصول طلب کا تعین غلط تھا۔ بہرکیف تصفیہ یہ کیا گیا کہ سارے انتظام کو ایک مرکز پر لانے کے لیے کلکتے میں ایک نگران کار مجلس مال قائم کی جائے جس کے تحت چھ صوبہ جاتی مجالس بمقام کلکتہ، مرشدآباد، پٹنہ، ڈھاکہ، بردوان و دیناج پور قائم ہوں۔ کلکٹروں کو برخاست کر دیا گیا اور دیسی عاملوں[3] کی ایک

---

[1] روداد پنجم صفحہ ۳۷۱

[2] یہ اطلاع صوبہ جاتی مجلس مال ڈھاکہ کی کارروائیوں سے ماخوذ ہے۔

[3] 'عامل' کے لفظی معنی گماشتے کے ہیں اور اس سیاق عبارت میں اس کا اطلاق تحصیل مالگزاری کے گماشتے پر ہوتا ہے اس عہدے اور عامل چکلہ میں فرق کیا جانا چاہیے (باب دوم)

جماعت مامور کی گئی تاکہ مالگزاری سابقہ سال کی قرارداد کے مطابق وصول کرنے کی سعی کی جائے۔ کم از کم مالی اعتبار سے اُس کا نتیجہ کچھ بہتر نہیں نکلا۔ مجلس اعلیٰ نے اب محسوس کیا کہ انتظامی کل پرزوں میں اتنی خرابی نہیں جتنی کہ لگان کے طریق تشخیص میں تھی۔ مجلس اعلیٰ کو گویا کہ الہام ہوا اور اُس نے یہ معلوم کیا کہ قلیل المیعاد بندوبست انتظامی یا مالی حیثیت سے کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ ۲۰ مارچ ۱۷۷۵ء کو بارول نے یہ تجویز پیش کی کہ تالیف قلوب کی غرض سے زمینداروں کے ساتھ ایک یا دو پشت کی مدت تک معاہدۂ بندوبست کیا جائے۔ ۲۲ جنوری ۱۷۷۶ء کو فرانسس نے زور کے ساتھ اُس امر پر بحث کی کہ زمینداروں کے ساتھ بہ لحاظ حقیت، دوامی بندوبست[1] کیا جائے۔ خود وارن ہیسٹنگز نے اجارہ داروں کے مقابلے میں زمینداروں کے دعاوی کو تسلیم کیا اور ۲۹ مئی ۱۷۷۶ء کو ایک یادداشت میں یہ رائے ظاہر کی کہ بندوبست کی شرائط مقرر ہونے سے پہلے ملک کی اقتصادی حالت کما حقہ دریافت کرنے کی غرض سے صوبہ جاتی مجلس کی عدالت قائم کی جائے۔

اُس زمانے میں زمیندار کو اپنے علاقے پر دوامی قبضے کا حق اس شرط سے پہنچتا تھا کہ وہ کمپنی کی وقتاً فوقتاً تجویز کردہ مالگزاری ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کرے۔ کسی وقت کی مجوزہ مالگزاری سے انکار کی صورت میں اُس کو اجارہ دار سے جس نے بندوبست قبول کر لیا ہو گزارہ جو مالکانہ یا مشاہرہ کے نام سے مشہور تھا لینے کا استحقاق ہوتا تھا دو باتوں میں سے کسی ایک پر اُس کا حق قائم تھا۔ یا تو وہ اپنے علاقے میں تحصیل مالگزاری کے موروثی حق کے ساتھ مستقل عہدہ دار ہوتا تھا یا اراضی پر حقِ ملکیت رکھتا تھا۔ اجارہ داری کا نظریہ ان مفروضات پر مبنی تھا کہ حکومت کو حق ملکیت حاصل ہے، زمیندار مستقل موروثی عہدہ دار نہیں ہے اور کمپنی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دیوان کی حیثیت سے جس شخص کو منتخب کرے اُسے اجارے پر عارضی طور سے علاقہ جات دے دے۔ اس مسئلے پر گرانٹ اور شور کے اختلاف سے متعلق باب میں بحث کی گئی ہے۔ ۲۴ دسمبر ۱۷۷۶ء کو پنج سالہ بندوبست کی میعاد ختم ہونے سے پہلے مجلس نظمار نے مجلس اعلیٰ کے بحث مباحثے کا یہ جواب دیا کہ "آپ کی زمینوں کو دوامًا یا تاحیات ٹھیکے پر دینے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہم فی الحال بہت معقول وجوہ کی بنا پر مناسب نہیں سمجھتے کہ مذکورۂ بالا طریقوں میں سے کوئی بھی اختیار کیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمارا یہ مشورہ ہے کہ زمینیں آیندہ سال کے لیے مفید ترین شرائط پر دی جائیں

---

[1] فرانسس کی تجویز بندوبست مالگزاری ۱۷۷۶ء۔ ملاحظہ ہو رُوداد پنجم صفحہ ۳۲۷۔

اورسرکاری نیلام کے ذریعے سے مستقبل میں کوئی زمین نہ دی جائے"۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اِس مرتبہ نظما کا جواب صحیح تھا۔ نظما کے احکام کا امتثال وارن ہیسٹنگز کے اس منشاء کے موافق ہوا کہ ملک کی اقتصادی حالت دریافت کی جائے۔ ایک خاص کمیٹی مقرر کی گئی اور اس کے زیر نگرانی ۱۷۷۶ء میں دلیسی امین تمام اضلاع پر متعین کیے گئے تاکہ ہر علاقے کی اقتصادی حالت کی تحقیقات کی جائے اسی بنیاد پر ۱۷۷۷ء اور اس کے بعد کے تین سال کے واسطے بالعموم زمینداروں کے ساتھ سالانہ بندوبست کیے گئے۔ یہ دور معاملات مالگزاری کی تحقیقات پر جو کارندوں سے امتحاناً کرائی گئی ختم ہو جاتا ہے اور عملی حیثیت سے صوبہ جاتی مجلسیں برائے نام باقی رہیں۔ اگرچہ ۱۷۷۷ء سے مالگزاری کے مطالبے میں معتد بہ کمی ہوتی رہی تاہم بقایا کا سلسلہ جاری رہا۔

دورِ سوم ۱۷۸۱ء سے ۱۷۸۶ء تک، تکمیلِ مرکزیت:۔ زبردست اصلاحات کا اس دور میں نفاذ ہوا۔ مجلس اعلیٰ نے بایں خیال کہ اب مقامی معلومات اس کو حاصل ہو گئی ہے کلکتے میں مرکزیت کے طریق تکمیل کا تصفیہ کرلیا۔ مجلس مال کو کامل اقتدارات دیے گئے اور اس کی اعانت کیلیے ایک دیوان بھی رکھا گیا۔ ۹ر فروری ۱۷۸۱ء کو صوبہ جاتی مجلسیں برخاست کر دی گئیں اور مختلف ضلعوں پر کلکٹروں کا تقرر کیا گیا۔ کلکٹروں کے دوبارہ تقرر سے لامرکزیت کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن صورت حال یہ نہیں تھی۔ مالگزاری کے نئے بندوبست میں دخل دینے کا کلکٹر مجاز نہیں تھا۔ اس غرض کے لیے مجلس مال نے خاص خاص عہدہ داروں کو متعین کیا اور یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ خود شور کا تقرر ڈھاکے کے بندوبست پر عمل میں آیا۔ مقامی کلکٹروں پر بہ حیثیت گماشتگانِ تحصیل کے بھی اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ اور زمینداروں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ براہِ راست خالصے میں یا کلکتے کے خزانے میں مالگزاری ادا کریں۔ مفصلات کے قانون گو کلکٹروں کی امداد کے واسطے دوبارہ مامور کیے گئے لیکن ان کو صدر[1] قانون گویوں کے زیر نگرانی رکھا گیا۔ صدر قانون گو خود مجلس مال کے تابع حکم تھے۔ نئے کلکٹر محض برائے نام تھے اور ان کے تقررات میں مجلس اعلیٰ نے جو بے اعتمادی ظاہر کی اس کا نتیجہ بجز حوصلہ شکنی کے اور کچھ نہ تھا۔ ۱۷۸۱ء کا بندوبست خاصکر زمینداروں کے ساتھ کیا گیا جو مختلف اضلاع میں مختلف مدت کے لیے تھا مگر اس کی میعاد تین سال سے زائد نہیں تھی۔ اس طریقے سے گذشتہ سالانہ بندوبست کے مقابلے میں بڑا اضافہ ہوا

---

[1] "صدر"، "مفصل" کا ضد ہے اور صدر مستقر کے عہدہ داروں اور دیگر مقاصد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جس کی مقدار ڈھاکے میں ۴۰،۵۸۶ روپیے ہوئی۔ بقایا کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۳ء سے ۱۷۸۶ء تک کے سالانہ بندوبست کے معاملات مجلس (مال) کے متعین کردہ خاص عہدہ داروں کے ذریعے عمل میں لائے گئے اور ان سے ۱۷۸۷ء کے اعداد میں بتدریج اضافہ ظاہر ہوا۔ اس جدید طریقے کے نقائص فوراً نمایاں ہونے لگے اور ۱۷۸۹ء میں شور نے اپنی رائے ظاہر کی کہ اضلاع کی حقیقی حالت بہت کم معلوم ہوئی ہے اور اب محاصل ۱۷۷۲ء کی بہ نسبت کم سمجھے جاتے ہیں طریق مذکور اصولاً غلط اور عمدہ اغراض کے منافی ہے۔

خلاصہ:۔ ۱۷۶۵ء سے ۱۷۸۶ء تک مجلس اعلیٰ کے انتظام میں رد و بدل ہوتا رہا۔ شروع ہی میں فرسودہ، کمزور اور قبیح طریقہ جو زوال پذیر حکومت معتمد اپنے پیچھے چھوڑ گئی تھی قائم رکھا سمجھا جانے لگا تھا۔ ۱۷۸۱ء کی اصلاحات میں بھی کامیابی کی توقع محض قدیم طرز کے قانون گویوں پر منحصر تھی جو مقامی حکومت کی امداد کے واسطے دوبارہ مامور کیے گئے تھے۔ قانون گویوں کے عہدہ کی تنظیم جدید یا اس زمانے میں ان کی قائم شدہ قدر و قیمت کی تحقیقات کے متعلق کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ مقامی معلومات حاصل کرنے کی دونوں کوششیں پہلے یورپین نگران کاروں کے اور بعد کو دیسی امینوں کے ذریعے سے ناکام ثابت ہونے کے باعث مجلس اعلیٰ کو اس باب میں اپنی تمام سعی ترک کر دینی پڑی اور اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک مرکزی حکومت ملک کی رشوت ستانیوں سے الگ رہ کر تقریباً بلا اعانت دیگرے ایک غیر معروف و قدیم طریقے کو سمجھا سکے گی۔ جس طرح مجلس نظماء نے ہندوستان میں اپنے عہدہ داروں سے ٹھیک طور پر کام نہیں لیا[1] اسی طرح مجلس اعلیٰ نے اپنے مقامی کارکنوں کے ساتھ برا عمل کیا اور ان پر بھروسا نہیں کیا۔ ناواقفیت

---

[1] مجلس نظماء کے ہندوستان میں اپنے عہدہ داروں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق بہترین سند لانگ کے انتخابات نشان (۴۰۲) میں موجود ہے یہ مشہور مراسلہ دسمبر ۱۷۵۹ء میں لکھا گیا اور اس پر مجلس نظماء کی اس دائمی عادت کے خلاف کہ وہ اپنے عہدہ داروں سے صحیح طریقے پر کام نہیں لیا کرتی تھی، ملازمان کمپنی نے بطور احتجاج دستخط کیے تھے۔ مجلس نظماء نے اس کے جواب میں بہت سے دستخط کنندوں کو برطرف کیا جن میں عہدہ داران کمپنی کے قابل ترین افراد میں سے ایک رچرڈ بیچر بھی شامل تھا جو مشہور مجلس منتخبہ کا رکن تھا۔ آخر کار اس کو معافی دی گئی اور وہ دوبارہ مامور کیا گیا اور پھر ۱۷۷۰ء میں معزول کیا گیا کیوں کہ اس نے مجلس اعلیٰ کے خلاف مجلس منتخبہ کی حمایت کی تھی۔ اپنی دوسری معزولی کے وقت وہ بنگال کی صوبہ داری پر نامزد ہو چکا تھا۔

اور بے اعتمادی یکجا جمع ہو جانے سے انتظامی امور میں کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

چوتھا باب

۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۰ء تک کا انتظامِ مالگزاری

دورِ چہارم۔ لامرکزیت

دوامی بندوبست کی ابتدا:۔ ۱۷۸۴ء میں ایوان ہائے پارلیمنٹ نے "ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کے بہتر انضباط اور اہتمام کے لیے ایک قانون" نافذ کیا جس کا منشا یہ تھا کہ "ایسے مستقل قواعد مقرر اور نافذ کیے جائیں جن کی رُو سے راجاؤں، زمینداروں، پالیگارو [1] ں، تعلقہ داروں [2] اور دیگر دیسی کاشتکاروں کے خراج، لگان اور خدمات آیندہ سے ادا ہوا کریں"۔ لارڈ کارنوالس اس جدید قانون کے احکام کی تعمیل کرانے کے لیے روانہ کیا گیا لیکن اس کے پہنچنے سے قبل ہی یہ قانون نافذ ہو چکا تھا۔ ۱۷۸۶ء میں ایک نیا طریقِ انتظام رُونما ہوا جس کا خاکہ معلوم ہوتا ہے کہ شور کا تیار کیا ہوا تھا یا کم از کم اس کا

سنہ ۲۴۔ جارج سوم، باب ۲۵۔

[1] پالیگار۔ جنوبی ہند کے فوجی افسر کا نام جو بنگال میں نہیں پایا جاتا۔

[2] تعلقہ دار سے بنگال بہار و اوڑیسہ میں ایک چھوٹا مالک اراضی مراد ہے۔ اودھ میں یہ لفظ بڑے مالک اراضی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بنگال کے لفظ زمیندار کے مماثل ہے۔

فراہم کردہ تھا۔

سنہ ۱۷۸۶ء کی اہم اصلاحات:- اس انتظام کا مقصد کامل لامرکزیت تھا۔ اس میں تمام صوبہ جات کو ایسے چھوٹے چھوٹے اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک، ایک کلکٹر کے تحت رکھا گیا۔ کلکٹر خود بندوبست کرتا اور اپنے ضلع کی مالگزاری وصول کرتا تھا۔ مالگزاری کی کمیٹی نے اپنے لیے صرف عام منظوری اور نگرانی کے اختیارات رکھ لیے۔ دیسی دیوان برخاست کر دیے گئے۔ اور قانون گو کامل تنظیم جدید کے بعد پھر مقرر کیے گئے۔ ان اصلاحات کی اسکیم، اپریل سنہ ۱۷۸۶ء کو شائع ہوئی اور اسی تاریخ جیمس گرانٹ اس خاص مقصد سے سررشتہ دار مقرر کیا گیا کہ قانون گویوں کے محکمے کو از سر نو ترتیب دے اور اس طرح زمینداروں کے احیائے عظیم کے لیے راستہ تیار کرے اور زمیندار کی حیثیت کے متعلق گرانٹ کی رائے کا اندازہ کرتے ہوئے یہ ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانے میں سررشتہ دار کا عہدہ محافظ دفتر کے مماثل تھا اور یہ عہدہ ایک ایسے زمانے میں بہت اہم تھا جب کہ قدیم اسناد جن کا وجود قدیم اداروں کے سمجھنے کے لیے ضروری تھا، غیر معروف اور بالکل پراگندگی کی حالت میں تھے۔

اضلاع کی تشکیل:- صوبے کی اضلاع میں تقسیم سارے نظامِ اصلاحات کی بنیاد ہے۔ نگران کاروں، صوبہ جاتی مجلسوں اور قدیم تر کلکٹروں نے اپنے مشتبہ اختیارات مسلسل کئی مالی حلقوں پرگنوں اور زمینداریوں وغیرہ پر استعمال کیے تھے۔ اور یہ سب اپنی ترقی کے دوران میں منتشر اور پراگندہ ہو گئے تھے۔ مرشد آباد کا کلکٹر سنہ ۱۷۸۰ء کے قریب تر زمانے میں وسط ڈھاکہ کے چند علاقوں پر حکومت کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ یہ علاقے اس زمانے میں براہِ دریا ۷۰ میل کے فاصلے پر تھے[1]۔ نئے اضلاع جو مملکتی رقبے تھے تعداد میں پینتیس ۳۵ تھے اور ان میں سے ہر ایک کی مالگزاری تقریباً آٹھ لاکھ تھی۔ لیکن بعد کو شور کی ایک تحریک مورخہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۷۸۷ء کے مطابق ان کی تعداد گھٹا کر تیئیس ۲۳ کر دی گئی۔ اضلاع کو زیادہ منضبط اور متحد کرنے کا عمل سنہ ۱۷۹۳ء تک جاری رہا لیکن شور کا یہ نظام کہ ہر ضلع متحد اور ایک ایسے کلکٹر کے با اثر اس زیر اہتمام ہو جو مجلس مال کی علم نگرانی کے تحت اس کے کل انتظام و حکومت کا ذمہ دار ہو، تمام انتظامات مابعد کی بنیاد رہا ہے[2]۔

---

[1] یہ فاصلہ میجر رینل کے مشہور نقشۂ بنگال (مطبوعہ سنہ ۱۷۸۱ء) میں دیا ہوا ہے۔

[2] یہ امر قابل توجہ ہے کہ کلکٹروں کو جج اور مجسٹریٹ کے اختیارات بھی دیے گئے تھے۔ لیکن اس کی ترمیم سنہ ۱۷۹۰ء میں ہوئی جب کہ نظامِ عدالت میں اصلاح کی گئی۔

اضلاع کو مملکتی رقبے قرار دینا درحقیقت اکبر کے طریق "سرکار" کا احیاء تھا۔

کلکٹر اور اس کے نائب:۔ کلکٹر جو ہر ضلع کا حاکم ہوتا تھا اب ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا تھا۔ زمینداری کی نظر متناسب تشخیص مالگزاری کے لیئے اسی پر پڑتی تھی اور کمیٹی مالگزاری بھی مشخص مالگزاری کی وصول یابی کی اسی سے توقع رکھتی تھی۔ اس طرح ایک قوی مقامی انتظام پیدا ہو گیا تھا۔ مجلس اعلیٰ نے اس کا احساس کر لیا تھا کہ بنگال، بہار و اوڑیسہ کی مالگزاری کے معاملات اس قدر اہم مسئلے بن گئے تھے کہ ایک مختصر مرکزی جماعت ان کی تفصیلات کی طرف کافی توجہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی مان لیا گیا تھا کہ ۱۷۸۱ء میں قانون گو کی برطرفی جو مفصل یا ضلع کا کارکن ہوا کرتا تھا ایک غلطی تھی۔ اس لیے پھر یہ عہدہ بایں خیال قائم کردیا گیا کہ اسے زمینداری کے اثرات سے محفوظ رکھا جائے اور وہ کلکٹر کے لیے اطلاع دہی و اندراج کے دفتر کا کام دے۔ قانون گو کی اس کے بعد کی حالت اور اس کا آخر میں ناکام ثابت ہونا ایک جداگانہ قصہ ہے۔

مجلس مال:۔ ۱۲؍جون ۱۷۸۶ء کو مالگزاری کی کمیٹی برخاست کردی گئی اور اس کی بجائے مجلس مال قائم ہوئی۔ اپنے سابقہ غیر محدود و غیر موثق فرائض ہدایات سے علیحدہ ہو کر وہ اب ایک عام نگرانی کی مجلس بن گئی۔ بندوبست مالگزاری کے فرض سے بھی سبکدوش ہو گئی اور اب مجلس اعلیٰ کے اختیارات کی ایک حد تک متابعت میں، کلکٹروں کے مشخص بندوبست کو منظور کرنے کا فرض عائد ہوا۔

اصلاحات کی اہمیت:۔ ۱۷۸۶ء کی اصلاحات نے وہ بنیاد قائم کی جس پر بعد کو دوامی بندوبست کا نفاذ عمل میں آیا اور اگر دوامی بندوبست کو کوئی کامیابی ہوئی تو اس کا باعث وہی نظام مالگزاری تھا جو اس وقت رائج تھا۔ ان اصلاحات کا بانی شور تھا اور شور اور کارنوالس کے اختلاف کی بحث کے وقت یہ یاد رکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بجز مسئلہ دوامیت کے دہ سالہ اور دوامی بندوبست کے حقیقی امور شور کی روداد پر مبنی ہیں۔

مجلس نظما کی ہدایات:۔ ۱۲؍ستمبر ۱۷۸۶ء کو لارڈ کارنوالس مجلس نظما کی ہدایات مورخہ ۱۲؍اپریل ۱۷۸۶ء کے ساتھ کلکتہ پہنچا۔ مجلس نظما کا خیال تھا کہ ۱۷۸۱ء کے قانون تنظیم کا منشا کامل طور سے اس وقت پورا ہو سکے گا جب کہ تشخیص مالگزاری اور سابقہ سنین کی حقیقی تحصیل پر نظر ثانی کر کے ایک مستقل مالگزاری مقرر کردی جائے۔ اور یہ بندوبست ابتداءً دس سال کے واسطے کیا جائے۔" اس لیے کہ ایک معین مدت بہ نسبت مبہم دوامیت کے زیادہ مرغوب ہوگی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجلس نظما اس خیال میں تھی کہ جو تحقیقات ۱۷۶۵ء کے بعد عمل میں آئی وہ ایک جدید بندوبست کی کافی بنیاد ہوگی نیز

کارنوالس نے جلد اس خیال کی غلطی محسوس کرلی اور فوراً شور کا مجوزہ طریقہ مزید تحقیقات کے لیے جاری کردیا۔ سنہ ۱۷۸۷ء اور سنہ ۱۷۸۸ء میں مالگزاری کا سالانہ بندوبست کلکٹروں نے کیا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ اس تحقیقات میں بھی مشغول تھے جس کی ہدایت گورنر جنرل نے کی تھی۔ سنہ ۱۷۸۹ء کے اختتام اور سنہ ۱۷۹۰ء کے آغاز پر بہار اور بنگال کے دہ سالہ بندوبست کے لیے قواعد نافذ ہوئے۔ جن مباحثوں کا نتیجہ یہ قواعد تھے اُن کا ذکر آیندہ ابواب میں ہوگا۔

بازگشت[1]:۔ ارتقائے نظام مالگزاری کی بحث میں تین امور کا ذکر نہیں کیا گیا یعنی بازگشت اراضی معافی، بازگشت ہاٹ، بازار و گنج[2] اور بازگشت محصول سائر جو آبکاری چنگی اور تجارتی محصول کے مماثل تھا۔ اراضی معافی کی بحث بہت اہم ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ انیسویں صدی کے وسط تک جاری رہا اس پر معقول بحث ناممکن ہے بقیہ دو بازگشتوں کی تکمیل سنہ ۱۷۹۰ء تک ہو چکی تھی لیکن ان کا چونکہ ہمارے موضوع سے بحیثیت مجموعی ایک ضمنی تعلق ہے اس لیے یہ ترک کردی گئی ہیں تاکہ نظام مالگزاری کے ارتقا کے بیان میں کوئی پیچیدگی نہ پیدا ہو۔

باقی مسئلہ:۔ موضوع بحث کا اب تک تاریخی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس امر کو سمجھنے کے لیے کہ سنہ ۱۷۸۹ء اور سنہ ۱۷۹۳ء کے درمیان کیا پیش آیا اُن مباحث کا ذکر ضروری ہے جن کی ابتدا زمیندار کی حیثیت سے ہوئی اور انجام سنہ ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کے اعلان پر ہوا۔ اس غرض کے لیے سنہ ۱۷۸۶ء کے واقعات کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

---

[1] لفظ "بازگشت" اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے یا تو ایسی اراضی وغیرہ کی بابت تشخیص مالگزاری مراد ہے جو اب تک ادائے مالگزاری سے مستثنیٰ تھی یا ایسی مالگزاری کا سرکاری خزانے میں منتقل ہونا جو کسی خاص غرض کے لیے مخصوص تھی۔

[2] ہاٹ، بازار اور گنج مختلف اقسام کے بازارات ہیں۔

پانچواں باب

گرانٹ اور شور کا اختلاف۔ گرانٹ کی بحث

ابتدائی اختلاف۔۔۔ قبل اس کے کہ اس اختلاف عظیم کا ذکر کیا جائے ایک دوسری اہم بحث کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو گرانٹ کے رسالہ "سیاسی بندوبست شمالی سرکار" شائع شدہ ۲۰ دسمبر ۱۷۸۴ء (ضمیمۂ سیزدہم رُوداد پنجم) کا موضوع ہے۔ اس مختصر رسالے میں گرانٹ نے یہہ بتانے کی کوشش کی کہ زمیندار ایک عارضی عہدہ دار ہے اور اراضی کا حق ملکیت قطعاً سلطنت کو حاصل ہے اس توضیح کو ۱۷۸۶ء میں مالگزاری کی کمیٹی نے باوجود نفاذ قانون تنظیم (۱۷۹۳ء) کے تسلیم کرلیا۔ زمیندار کی حیثیت ایک عارضی عہدہ دار کی قرار دی گئی اور کمیٹی نے بقایائے مالگزاری کے معاوضے میں فروختِ اراضی کی ممانعت کی ہدایات جاری کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ "وہ ہماری رائے میں حکومت کی مِلک ہے"[1]۔ لیکن بعد کو اسی سال نئی مجلس مال نے برخاست شدہ کمیٹی کے طرز عمل کو منسوخ کردیا[2]۔ اور ایک رُوداد مورخہ ۲ اپریل ۱۷۸۸ء میں شور نے گرانٹ کی رائے کی سخت تردید کی۔ اس نے لکھا کہ "مالگزاری بادشاہ کی اور اراضی زمیندار کی مِلک ہے"۔

---

[1] مالگواری کی کمیٹی کا جاری کردہ مراسلہ مورخہ ۳۰ مارچ ۱۷۸۶ء۔

[2] مجلس مال کا جاری کردہ مراسلہ مورخہ ۵ جولائی ۱۷۸۶ء۔

خاص مسئلہ:۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتداءً گرانٹ کا نظریہ صحیح تھا۔ منو اور آئین اکبری دونوں کے قوانین اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ اراضی بادشاہ کی مِلک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۶۵ء تک یعنی بندوبست دوامی کے قائم اور زمینداروں کے حقوق معین ہو جانے کے بہتر سال بعد بھی، زمینداروں سے متعلق ضابطۂ بندوبستِ دوامی (ضابطۂ اول ۱۷۹۳ء) کے الفاظ "حقیقی مالکان اراضی" کے باوجود، عدالت العالیہ کلکتہ کے ارکان اجلاس کامل نے بہ غلبۂ آراء زمینداروں کے قطعی حقوق اراضی سے انکار کر دیا (مقدمۂ عظیم بابت مالگزاری)۔ بہرحال اس مسئلے کی بحث یہاں غیر اہم اور محض علمی ہوگی۔ گرانٹ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ خواہ مالک اراضی کی حیثیت سے خواہ ایک ایسے عہدہ دار کی حیثیت سے جو مالگواری جمع اور ادا کرتا تھا زمیندار کو کوئی دوامی حق تھا ہی نہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ مرشد قلی خاں کے طرز عمل اور پنجسالہ بندوبست کو پیش کر سکتا تھا۔ یہاں اس کی صریحاً غلطی تھی۔ مغلیہ دور میں تمام عہدے موروثی اور اس لحاظ سے مستقل ہوتے چلے جا رہے تھے اور بنگال میں زمینداری کے ارتقاء کی تاریخ یہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ زمینداری صرف فریب یا قوت کے ذریعے منتقل ہو سکتی تھی۔ اور قانون گو کا عہدہ بھی رفتہ رفتہ موروثی ہو گیا تھا۔ میں نے ۱۷۲۷ء کی یعنی مرشد قلی خاں کے انتقال کے فوراً بعد کی جبکہ زمینداروں کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا[1] ایک سند دیکھی جس میں بے دخل شدہ زمیندار کے اپنی جائداد سے روزینہ پانے کے حق کو صریحاً تسلیم کیا گیا ہے۔ اس سے یقیناً ایک ایسی حیثیت کا پتہ چلتا ہے جو عارضی اور حسب مرضی قابل انتقال ہونے کی حیثیت سے بالاتر ہے۔ برخلاف اس کے شور کا تاریخی بناء پر یہ استدلال غلط معلوم ہوتا ہے کہ اراضی کے حقوق مالکانہ زمیندار کو حاصل تھے۔ کوئی امر بنگال کی ابتدائی تاریخ مالگزاری میں یا ہندوؤں اور مسلمانوں کی قانونی کتب میں ایسا نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ بادشاہ نے کبھی اپنے کو حق ملکیت سے محروم کیا ہو یا اس کو محروم کیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو جو تیئیس (۲۴) گاؤں کا عطیہ دیا گیا تھا (یہ ایک ایسا عطیہ تھا جو کامل زمیندارانہ حقوق عطا کرتا تھا) اس میں بھی یہ مخصوص طور پر درج کیا گیا تھا کہ کمپنی کو صرف "بلادِ مستدعیہ کی مالگزاری لینے کا حق ہوگا"۔ ان الفاظ سے شہنشاہ کے لیے مالکانہ حقوق محفوظ رکھنے کا منشا پایا جاتا ہے۔

بنائے اختلاف:۔ گرانٹ اور شور کے مابین کی اس ابتدائی بحث نے بندوبست کی اسکیم کے لیے بہت کچھ راستہ صاف کر دیا تھا۔ ۱۷۷۲ء سے ۱۷۷۷ء تک کا پنجسالہ بندوبست

---

[1] ایسٹ انڈیا ریکارڈز، جلد نشان ۵۱۳۔

طریق اجارہ کو قطعی طور پر ناکارہ ثابت کر چکا تھا۔ بارول، فرانسس اور وارن ہیسٹنگز نے اپنے اپنے طور پر زمینداری کے بندوبست کی موافقت میں سبق حاصل کر لیا تھا اور ان کی آرا مجلس نظماء کے احکام مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۷۷۶ء سے منتقل ہو چکی تھیں۔ صرف ایک طریق متبادل یہ تھا کہ حکومت براہ راست رعیت یا کاشتکار سے معاملہ کرے۔ لیکن جیسا کہ بعد کو بتایا جائیگا یہ عمل اٹھارویں صدی کے اواخر میں عملی سیاست کی حدود میں شامل نہیں تھا۔ بس یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب گرانٹ نے اپنے دو مشہور رسالے لکھے زمینداروں کے ساتھ بندوبست کا تصفیہ پہلے ہی سے ہو چکا تھا اور بحیثیت سررشتہ دار (وہ خدمت جس پر اس کا تقرر ۲ر اپریل ۱۷۸۶ء کو ہوا تھا) اس کا اہم فرض طریق زمینداری کو کامیاب بنانا تھا اور اس کے رسالوں کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیے تھا کہ جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ ہر طرح سے کمپنی کی اغراض کے لیے مفید ثابت ہو۔ یہ صحیح ہے کہ کچھ فقرے ان میں ایسے پائے جاتے ہیں جن سے طریق زمینداری کی صرف مذمت کا مفہوم نکل سکتا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ قواعد کی ٹھیک پابندی نہ کرنے کے خلاف بطور تنبیہ لکھے گئے ہیں تاکہ اس طریقے کی عام خرابیوں کی اصلاح ہو جائے اور ان فقروں کی فوری استعمال کا باعث زیادہ تر گرانٹ کی بد اسلوبی تحریر ہے اور یہ بد اسلوبی شور کی شستہ تحریر اور مختصر طرز استدلال کے مقابلے میں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ گرانٹ اصل میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ بنگال کی تشخیص مالگزاری بہت کم ہوئی تھی اور شور یہ بتانا چاہتا تھا کہ حالات کے اعتبار سے وہ اسی قدر تھی جس قدر کہ ہو سکتی تھی۔

گرانٹ کے مرتبہ رسائل:- ”شرح مالیہ بنگال“ شائع شدہ ۲۷ر اپریل ۱۷۸۶ء میں گرانٹ نے بنگال کے ارتقائے مالگزاری کی تاریخ اکبر کے زمانے سے بیان کی ہے یعنی وہ تاریخ جو اس کتاب کے باب دوم میں درج ہے۔ رسالہ ”محاصل بنگال پر تاریخی اور مقابلتی نظر“ میں جو ۱۸ر فروری ۱۷۸۸ء کو شائع ہوا، بنگال کے ہر مالی حصے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ذیلی علاقوں کے جو وقتاً فوقتاً وجود پذیر ہوئے مفصل اور صحیح اعداد لگان دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ موخر الذکر رسالے کا اصل استدلال اس امر کے اثبات کی طرف ہے کہ محمد رضا خاں کی حکومت کی ابتدا سے کمپنی کی مالگزاری میں بڑی خورد برد ہوئی۔ اور مقدم الذکر رسالے کا اصل استدلال، اگر مغلیہ حکومت کے گذشتہ نصف صدی کے اصول کو نہیں تو کم از کم لگان کی رقم کو درست ثابت کرنے کی طرف تھا۔ ان دونوں رسالوں کی دلائل باہم بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں اس لیے ان کا ذکر یکجا ہی کر دیا گیا ہے۔

گرانٹ کی دلائل: گرانٹ نے اس طریق مالگزاری پر ایک شدید حملے سے ابتدا کی ہے جو ۱۷۶۵ء سے جاری تھا۔ نظم و نسق فریب کی وجہ سے جو عہدہ داران کمپنی کو کلیتہً ناواقف رکھنے کے لیے کیے جاتے تھے ناکام رہا تھا[1]۔ یہہ پہلے ہی بتادیا گیا ہے کہ ۱۷۶۵ء اور ۱۷۸۶ء کے مابین کمپنی نے کئی مختلف طریقے اختیار کیے تھے لیکن گرانٹ نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی کوشش نہیں کی ہے۔ اس کا استدلال یہہ ہے کہ گو دورِ مغلیہ کا پورا لگان وصول کیا جاتا تھا لیکن اس کا صرف ایک قلیل حصہ کمپنی کو پہنچتا تھا۔ ۱۷۶۵ء کے بعد کے بیس سال میں اس کا بیان ہے کہ غبن کی مقدار دس کروڑ روپیے[2] (ایک کرور پونڈ[3]) یا سالانہ پچاس لاکھ روپیے (۵ لاکھ پونڈ) کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ وہ یہہ الزام حسب ذیل تین قیاسات پر قائم کرتا ہے۔

(ا) جو اعداد اس نے مغلیہ تشخیص لگان کے متعلق جمع کیے تھے وہ صحیح تھے۔

(ب) مغلوں کی تشخیص مالگزاری اور اس کی وصول یابی میں مطابقت تھی۔

(ج) برطانوی نظم و نسق میں مغلیہ عہدِ حکومت کی مشخص مالگزاری باوجود مابعد کی ذیلی تشخیصوں کے حقیقتاً پوری وصول ہوتی تھی۔

یہہ قیاسات گرانٹ کی دلائل کی بنیاد ہیں۔

مغلوں کے زمانے کا مشخص لگان: گرانٹ کا بیان ہے کہ اس کے اعداد ان بیس فارسی حسابی جلدوں پر مبنی ہیں جو "ذاتی خرچ کی قلیل قسم کے بل بوتے" حاصل کی گئی تھیں[4]۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کاغذات سرکاری اسناد میں شامل نہ تھے مگر اس پر زور دیتا ہے کہ وہ ۱۷۲۲ء اور مابعد کے حسابات مالگزاری کی ایسی نقول ہیں جو قاسم علیخاں کے زمانے میں گم شدہ یا تلف شدہ مشہور کردی گئی تھیں[5]۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ صدر قانون گو کے کارکنوں نے سابق میں یہی کاغذات ۱۷۷۶ء میں "ایک بڑے انگریز عہدہ دار" کے پاس پیش کیے تھے (جس سے غالباً اس کا اشارہ فلپ فرانسس کی جانب ہے[6])۔ یہہ بات قرین قیاس ہے کہ بعض اس قسم کے کاغذات اس زمانے میں موجود تھے۔

---

۱ رودادِ پنجم صفحات ۲۴۷ سے ۲۵۰ تک

۲ رودادِ پنجم صفحات ۴۱۴ سے ۴۱۶ تک میں اس کے حسابات کی تفصیل دی گئی ہے۔ ۳ روپیے کی قیمت دو شلنگ سمجھی گئی ہے گو حقیقتاً اس زمانہ میں اس سے بہت زیادہ تھی۔ ۴ رودادِ پنجم صفحہ ۲۵۲ ۵ رودادِ پنجم صفحہ ۲۳۰ ۶ رودادِ پنجم صفحہ ۲۸۰

لیکن یہ بالکل بعید از فہم ہے کہ پیچیدہ اعداد کا عقدہ جن کا تجزیہ گرانٹ نے بہت خوبی کے ساتھ ہر صوبے کے چھوٹے سے چھوٹے مالی حصّے کی حد تک کر دکھایا ہے، بجز تفصیلی حسابات کے کسی اور چیز کے ذریعے حل ہو سکتا تھا۔ برخلاف اس کے تعجب ہے کہ گرانٹ نے یہہ ناقابل اعتماد کتب حسابات اپنے اعداد کی صحت کے ثبوت میں پیش نہیں کیں خواہ ان کے حصول میں سرکاری رقم ہی کیوں نہ استعمال کی گئی ہو۔ جس پوشیدگی اور حکمت کے ساتھ ان کاغذات کا حوالہ دیا جاتا ہے اس سے بھی ان کاغذات کی اصلیت کے متعلق شبہ واقع ہوتا ہے۔ خواہ وہ اصلی ہوں یا نہوں یہہ امر باقی رہجاتا ہے کہ گرانٹ نے کسی نہ کسی طریقے سے ان کاغذات تک رسائی حاصل کی جن میں سابق مغلیہ مشخص لگان کی تفصیل درج تھی اور یہ واقعہ کہ اعداد، شور اور زمانۂ حال کے نقادوں کو بہت زیادہ معلوم ہوئے ان کی صحت کی تصدیق کی طرف مائل ہے کیونکہ یہ بعید از قیاس ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب کہ مطالبۂ مالگزاری بڑھتا جارہا تھا دیسی اشخاص نے ایسے جعلی کاغذات بنائے ہوں جن سے سابق میں زیادہ تشخیص مالگزاری ثابت ہوتی ہو اور یہہ امر اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہوجاتا ہے کہ اگر اعداد خود گرانٹ کی ایجاد ہوتے تو وہ اس قدر غلطیوں اور بے ربطیوں سے کیوں مملو ہوتے خصوصاً جبکہ بے ربطیاں ایسی ہوں جو مختلف پیچیدہ حسابات کی کتب کی مطابقت میں تو ممکن ہوں لیکن خود گرانٹ کی ایجاد کی صورت میں بالکل خلاف قیاس ہوں۔ جیسا کہ شور[1] نے ظاہر کیا ہے گرانٹ کے اعداد جس زمانے کے متعلق حقیقت میں ناقص معلوم ہوتے ہیں وہ زمانہ عطیۂ دیوانی کے عین ماقبل کا اور عہد قاسم علیخاں کے بعد کا ہے۔ لیکن خود گرانٹ کو یہ تسلیم ہے کہ مذکورہ کاغذات کے متعلق جن تک اس کو رسائی حاصل ہوئی تھی یہہ متصور ہوتا تھا کہ وہ قاسم علی خاں کے زمانے ہی میں تلف کر دیے گئے تھے۔ پس ہم اس نتیجے کے اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ ان سنین کے متعلق گرانٹ کے اعداد ایسے مفروضوں سے زیادہ باوقعت نہ تھے جو اس کے نظریوں کو ثابت کرنے کے لیے لازمی تھے۔

مغلیہ دور کی تحصیل مالگزاری:۔ بہر حال گرانٹ کی بحث کا سب سے کمزور پہلو اس امر کے اظہار کی کوشش ہے کہ مغلیہ دور میں جو لگان مشخص ہوا تھا وہ عملی طور پر قابل وصول تھا۔ اس نے صرف مرشد قلی خاں اور شجاع الدین خاں کے زمانے کے اعداد ان رقوم کی واقعی مقدار سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے جو اس زمانے میں دہلی منتقل ہوتی تھیں[2]۔ علی وردی خاں اور اس کے جانشینوں کے

---

[1] رُوداد پنجم صفحہ ۱۷۶ و مابعد۔ [2] رُوداد پنجم صفحات ۲۸۰ سے ۲۸۱ تک۔

دور ترک کر دیے گئے ہیں۔ اس صورت حال کی توضیح کے لیے مختلف زمانوں کی مالگزاریاں ذیل میں دکھائی جاتی ہیں جن سے جاگیر کی مالگزاری خارج کر دی گئی ہے جو مخصوص اغراض کے لیے ہوتی تھی اور اس لیے شاہی خزانے میں داخل نہ ہوتی تھی۔

		روپیے
مرشد قلی خاں	مالگزاری خالصہ	۱۰۴۷۳۷۰۷
	ابواب	۲۵۸۸۵۷
	جملہ	۱۰۴۳۲۵۶۴
شجاع الدین خاں	مالگزاری حسب بالا	۱۰۴۳۲۵۶۴
	جدید ابواب	۱۹۱۴۰۹۵
	جملہ	۱۲۳۴۶۶۵۹
قاسم علیخاں	مالگزاری حسب بالا	۱۲۳۴۶۶۵۹
	جدید ابواب وغیرہ	۹۹۳۶۴۳۶
	جملہ	۲۲۲۸۳۰۹۵

گرانٹ کا بیان ہے کہ مجموعی اقساط جو دہلی کو مرشد قلی خاں کے زمانے میں بھیجی گئیں ۴۰۶ .. ۱۵ ۱۶ ۱ روپیے یا اندازاً ۱۰۴۰۰۰۰۰ روپیے سالانہ کی حد تک ہوئیں اور شجاع الدینخاں کے زمانے میں ۱۱۳۱۴۰۳۳۹ روپیے یا اندازاً ۱۰۸۰۰۰۰۰ روپیے سالانہ ہوئیں اگر ان محاصل کو منہا کر دیا جائے جو مالگزاری میں سے نہ تھے تو ۱۰۵۰۰۰۰۰ روپیے سالانہ ہوئیں۔ لیکن اس موخر الذکر رقم میں اوڑیسہ کی خالصہ مالگزاری شامل نہیں ہے جو تقریباً ۷۰۰۰۰۰ روپیے سالانہ تھی۔ مرشد قلی خاں کی اقساط میں سالانہ ۳½ لاکھ سے زیادہ کی کمی ہوئی تھی اور شجاع الدین خاں کی

اقساط میں سالانہ کمی اٹھارہ[۱] لاکھ روپیہ کی تھی۔ گرانٹ اُس کمی کی توجیہ صرف اس مفروضے سے کرسکتا ہے کہ ناظم اِن رقوم کو غبن کرجاتے تھے۔ اس کے لیے وہ کوئی ثبوت نہیں پیش کرتا۔ لیکن یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اقساط کی مقدار بلا شمول ابواب "اصل جمع" کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ وہ زائد ابواب جو ۱۷۳۹ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان عائد کیے گئے اور جن کی مقدار آخر میں سالانہ رقم ستانوے[۹۷] لاکھ سے بڑھ گئی تھی، کبھی کامل طور پر جمع ہوئے یا دہلی بھیجے گئے۔ گرانٹ کا سکوت اس خصوص میں اہم ہے۔ وہ آخر کار یہ بیان کرتا ہے کہ محمد رضا خاں نے نائب دیوان کی حیثیت سے ۲۴۰۰۰۰۰ روپیہ غبن کرلیے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ کچھ غبن واقع ہوئی ہو لیکن محمد رضا خاں کی تائید میں یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ ۱۷۷۲ء میں اس پر وارن ہسٹنگز نے تغلب کا الزام لگایا تھا اور وہ اس سے بری ہوا۔[۱] اور یہ کہ ۱۷۸۰ء میں وہ جگت سیٹھ ساہو کا تین[۳] لاکھ کا قرضدار[۲] ابھی تھا ایک خلاف قیاس بات ہے جبکہ اسکے تغلب کا عمل وسیع پیمانے پر ہوا تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ گرانٹ اپنے اس استدلال کے ثابت کرنے سے قاصر رہا کہ مغلوں کے زمانے کا مشخص لگان حقیقۃً عملی طور پر کبھی وصول ہوا تھا۔

مُغلیہ مُشَخَّص لگَان کا فرضی تَسلسل:۔ گرانٹ نے اپنی اس دلیل کے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ دیوانی کی منظوری کے بعد کے کمتر تشخیصوں کے باوجود بھی واقعی تغلب کی مقدار اوسطاً پچاس لاکھ سالانہ تھی اور یہ کہ تحصیل مالگزاری درحقیقت مغلیہ مشخص لگان کی بنیاد پر ہوتی رہی۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اُس زمانے میں کمپنی کے ملازمین زیادہ تر دولت کمانے کی طرف متوجہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دولت تجارت کے ذریعے کمائی گئی۔ رچرڈ بارول (Richard Barwell) پر ڈھاکے میں اور ولیم میک پیس تھیکرے (William Makepeace Thackeray) پر ڈھاکے اور سلہٹ میں اور فرانسس گرانڈ (Francis Grand) پر ترہٹ میں ان سب پر باری باری سے مجلس نظماء کا عتاب اس وجہ سے نازل ہوا کہ انہوں نے اپنے معاملات تجارت میں حدود مناسب سے تجاوز کیا تھا۔ لیکن میں باور کرتا ہوں کہ کوئی شہادت ایسی موجود نہیں ہے کہ کمپنی کے کسی ملازم نے مالگزاری ادا نہ کی

۱؎ ملاحظہ ہو مسل مقدمہ جو تاریخی محافظ خانہ بنگال میں ہے۔ ۲؎ ملاحظہ ہو کلکتہ گزٹ ۱۸۰۰ء۔

ذریعے کوئی دولت حاصل کی ہو۔ بندوبست کے طریقے انفرادی سازش کا موقع نہ دیتے تھے پنجسالہ بندوبست خود مالگزاری کی کمیٹی مقامی طور پر کرتی تھی۔ ۱۷۸۶ء تک کلکٹر کو اپنے ضلع کے بندوبست پر کوئی اختیار یا اُس میں کوئی دخل حاصل نہ تھا۔ اور یہ فرض مالگزاری کی کمیٹی سے متعلق تھا۔ پنجسالہ بندوبست کی مالگزاری کا مطالبہ اِس قدر زیادہ تھا کہ تحصیل وصول کے وقت کسی فاضل رقم کا حصول ناممکن ہوتا تھا اور بقایا کی جانچ کمیٹی اِس سختی کے ساتھ کرتی تھی کہ اس میں عملہ تحصیل کے لیے بالائی آمدنی کا نکل سکنا خلاف قیاس تھا۔

مُشخّص لگان کا جواز۔ گرانٹ کے رسالوں کا سب سے واضح پہلو وہ معیّن امتیاز ہے جو اُس نے حقیقی مالگزاری وصول شدہ یعنی اصل جمع اور زائد محاصل جیسے ابواب کیفیت و توفیر کے درمیان کیا ہے۔ اور یہ سمجھنا غلطی ہے کہ گرانٹ موخر الذکر زائد محاصل کے طریقوں کو پسند کرتا تھا۔ اکبر اور سلطان شجاع کے ابتدائی تخمینہ جات لگان، کاشت اور پیداوار زمین پر مبنی تھے۔ گرانٹ اس اصول تشخیص مالگزاری کا بڑا زبردست موید ہے اور یہ ایک ایسا امر واقعہ ہے جو اکثر نظر سے اوجھل ہو جایا کرتا ہے۔ اُس کا استدلال ہے کہ سلطنت پیداوار زمین کی ربع قیمت کی مستحق ہوتی ہے۔[1] اور اُس ربع کا عُشر زمینداروں کو اُن کے جائز منافع اور مصارف تحصیل وصول کی تکمیل کے لیے ملنا چاہیے گرانٹ حسبہٗ ان اصول کی مذمّت کرتا ہے جو مرشد قلی خاں کے زمانے سے استعمال کیے جاتے رہے لیکن اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ مزید محاصل کی مقدار اُس رقم کی حد تک بھی نہیں پہنچی تھی جس کی کمپنی فی الحقیقت مستحق تھی۔ اُس نے ان اصول کی مذمّت کا اظہار بالکل کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ جب بندوبست مجموعی حیثیت سے زمینداروں کے ساتھ کیے جاتے تھے تب ہی "یہ کہا جاسکتا تھا کہ سب سے پہلی مرتبہ دستور ہند کی خلاف ورزی کی گئی"۔ اُن ابواب کو جو مرشد قلی خاں نے اختیارات زمینداری کے ذریعے عائد کیے تھے وہ سخت خلاف قاعدہ اور ظالمانہ بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "میر قاسم[2] معلوم ہوتا ہے کہ مالی معلومات کی ابجد سے بھی ناواقف تھا۔"[3] گرانٹ نے اس امر کو کامل طور پر

---

[1] رُوداد پنجم صفحہ ۳۰۹ ۔

[2] قاسم علیخاں ۔

[3] رُوداد پنجم صفحہ ۲۸۷ ۔

محسوس کر لیا تھا کہ زمینداروں پر ابواب کا مشخص کرنا معمولی حالات میں غیر متناسب تقسیم کا باعث ہوگا اور غالباً کاشت کار پر بے اندازہ تقسیم کا بار بھی ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اس کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ ابواب مذکورہ شاید ان ابتدائی اور جائز مشخص رقوم سے بہت کم ہوتے تھے جن کی مقدار خام پیداوار زمین کے ربع حصے تک قرار پائی تھی۔[1]

ثبوت مبنی بر تجربہ:- اس نے اس کو دو طریقوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اولاً بذریعۂ تجربۂ ماسبق اور ثانیاً بذریعۂ حساب اعداد و شمار۔ اپنے رسالہ محاصل بنگال پر تاریخی اور مقابلتی نظر میں وہ لکھتا ہے کہ "ملک میں انہیں (یعنی ابواب کو) برداشت کرنے کی قابلیت تجربیاتی طریقے سے زائد محاصل کے بتدریج جمع ہو جانے کی صورت میں ثابت ہو چکی ہے جن پر زمیندار بطیب خاطر رضامند ہو گئے تھے بہ نسبت اس کے کہ وہ باقاعدہ ہست و بود کی تحقیقات کے ذریعے اپنے ان غیر معین کثیر منافعوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے جن کی حد تحقیقات مذکور کے تحت بروئے دستور دسویں حصے تک قرار پاتی۔[2] لفظ 'تجربیاتی' بذریعۂ تجربہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور لفظ 'بطیب خاطر' کے استعمال کی تشریح بہت مشکل ہے۔ مشخص لگان کی مقدار کو بجا ثابت کرنے کے لیے کسی دوسری جگہ وہ لکھتا ہے کہ "ہم لہذا یہاں ہمیں اسی قدر ملحوظ رکھنے پر قناعت کرنی چاہیے کہ اس ملک کی زمینوں پر جمع شدہ مشخص لگان کی ضرورت کو ہر اعتبار سے یہ سمجھا جائے کہ وہ رعایا پر اس قسم کے مالی مطالبات کے عائد کرنے کا اس حد تک استحقاق دیتی ہے جس حد تک یہ مطالبات کسی زمانۂ سابق میں سلطنت کو وصول ہوتے رہے ہوں اس وقت وصول ہو رہے ہوں یا وصول ہو سکتے ہوں۔[3]" سابق الذکر فقرے میں اس مفروضے پر ضرورت سے زیادہ استدلال کیا گیا ہے کہ زائد محاصل فی الواقع ادا کیے گئے تھے اور یہ کہ زمینداروں کو اس معاملے میں کچھ نہ کچھ اختیار حاصل تھا۔ موخر الذکر فقرے کا طرز بیان اس قدر الجھا ہوا ہے کہ وہ بہ مشکل سمجھ میں آسکتا ہے لیکن سیاق عبارت سے اس کی یہ توضیح ہوتی ہے کہ گرانٹ کی رائے میں کسی ملک کی ترقی اس امر کا جواز پیدا کر دیتی ہے کہ اسی مناسبت سے اس کے عام محاصل میں بھی

---

[1] روداد پنجم صفحہ ۲۷۵ –
[2] ایضاً صفحہ ۴۳۰ –
[3] ایضاً صفحہ ۲۷۵ –

زیادتی کر دی جائے اور خود اُس فقرے کا اشارہ دوامی بندوبستِ مالگزاری کے تعین کی غلطی کی طرف بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تجربیاتی ثبوت قائل کرنے والا نہیں ہے۔

لگان کا اندازہ بلحاظ اعداد و شمار: — اعدادی اندازہ بہت زیادہ قابلِ وقعت معلوم ہوتا ہے[1]۔ وہ اُس کے صحیح طریق تشخیص کے متضمن مفہوم پر مبنی ہے یعنی یہ کہ کاشت کار کو اپنی زمین کی خام پیداوار کا ربع حصہ بطور لگان کے ادا کرنا چاہیے۔ یہ نظریہ ممکن ہے کہ اقتصادی نظر سے معقول نہ ہو مگر ہندوستان میں اس کی ایک عمدہ تاریخی بنیاد ہے۔ گرانٹ نے بنگال کے کُل رقبے کا اندازہ تخمینی صحت کے ساتھ ۹۰۰۰۰ مربع میل کیا ہے۔ اس میں سے اس نے $\frac{1}{5}$ کو جنگل اور پہاڑی پر اور $\frac{1}{5}$ کو دریاؤں، سڑکوں اور شہروں پر مبنی قرار دیا ہے اور $\frac{2}{5}$ کو سرسبز چراگاہِ عام جو محصول سے مستثنیٰ ہے، بیان کیا ہے صرف $\frac{1}{5}$ (یعنی ۱۸۰۰۰ مربع میل) زیر کاشت تھا۔ یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ لارڈ کارنوالس نے زمانۂ مابعد میں جبکہ تحقیقات ختم ہو چکی تھی محصور بہ صحرا مگر قابلِ کاشت رقبے کا اندازہ مجموعی رقبے کے $\frac{1}{4}$ سے زیادہ کا کیا ہے[2]۔ گرانٹ نے ایک بیگہ زمین (انداز $\frac{1}{3}$ ایکڑ) کی خام پیداوار کی قیمت تخمیناً چھ روپیے قرار دی ہے۔ لیکن یہ مان لینے کے بعد بھی کہ اس وقت چاول کا بھاؤ روپیے کے دو من کا تھا گرانٹ کا اندازہ کسی قدر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال اُس کے اعداد کے لحاظ سے خام پیداوار کے ربع حصے کا شمار کیا جائے تو بنگال کا مجموعی لگان ۵ ۲۲،۲۰۰۰ روپیے ہوگا۔ اور مالگزاری، بعد منہائی $\frac{1}{10}$ حصۂ زمینداراں ۴۰،۴۴۸۰۰ روپیے ہوگی۔ اگر گرانٹ فی بیگہ ایک روپیہ لگان کا اندازہ کرنے پر قناعت کرتا تو ۲ ۱۳ ۶۳ ۲۰۰ روپیے کی مالگزاری کو حق بجانب ثابت کر سکتا تھا یعنی مغلوں کی انتہائی مشخص رقم پر ۵،۳۸،۹۰۰ روپیے کا اضافہ ہوتا اور اُس لحاظ سے وہ مفروضہ رقبۂ زیر کاشت کو ۱۴،۶۰۰ مربع میل کی حد تک کم کر سکتا تھا یعنی مجموعی رقبۂ بنگال کے $\frac{1}{6}$ سے بھی کم اور پھر بھی مغلیہ سلطنت کی انتہائی مشخص رقم کو درست بتا سکتا تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گرانٹ اُس امر کی ضرورت کو تسلیم کرتا تھا کہ تمام ایسی اراضی ضبط کر لی جائے جو ناجائز طور پر مالگزاری یا لگان سے معاف تھی تاکہ وہ اپنی مجموعی مقدارِ رقم کی تکمیل کر سکے۔ اور دوامی بندوبست کے

---

[1] رُوداد پنجم صفحہ ۳۲۰۔

[2] ایضاً صفحہ ۳،۴۔

اعداد کا باہمی مقابلہ کرتے وقت یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ اِس قسم کی ضبطیاں کئی برس بعد تک بھی ہونے پائی تھیں۔ اگرچہ گرانٹ پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے تاہم میں یقین کرتا ہوں کہ اس نے مغلیہ دور کی اس انتہائی تشخیص کو جس کا ذکر اس نے کیا ہے کامل طور پر حق بجانب ثابت کر دکھایا ہے۔ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے مالگزاری کے اعداد اس مفروضے پر درست ثابت کیے جا سکتے تھے کہ صرف ۱۴۰۷۶۰ مربع میل اراضی زیر کاشت تھی اور اس کی تشخیص فی بگہ ایک روپیہ لگان کے حساب سے کی گئی تھی۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ ۱۸۰۲ء میں ڈھاکے کے کلکٹر نے اپنے ضلع کی زیر کاشت اراضی کے رقبے کا اندازہ مجموعی رقبے کا ۳/۴ کیا اور یہ رائے ظاہر کی کہ دوامی بندوبست کے بعد سے کاشت میں کچھ تھوڑی سی ترقی ہوئی ہے۔ اس زمانے میں ضلع ڈھاکہ میں دو وسیع صحرائی رقبے شامل تھے سندربن کا جنوب میں اور صحرائے مادھوپور کا شمال میں۔ اور غالباً اس ضلع کا اوسط جنگل بھی اسی قدر تھا جتنا کہ بنگال کے کسی اور ضلع میں ہوگا بہ استثنائے اضلاعِ سرحدی۔ لہٰذا ۱/۶ کی مقدار حسبِ مناسب حد کے اندر تصور کی جا سکتی ہے۔

گرانٹ کی تحریکات:۔ پس گرانٹ نے سفارش کی کہ اراضی دیوانی کا بندوبست ۱۷۶۵ء کی مجموعی رقمِ محاصل کے لحاظ سے جو اس نے بتائی تھی ہونا چاہیے یعنی مغلیہ دور کی انتہائی تشخیص کے لحاظ سے۔ اور اس نے بیان کیا کہ "اراضی مفوضہ" کا بندوبست ایک باقاعدہ ہست و بود یعنی تفصیلی پیمائش کے بعد ہونا چاہیے۔ اس امتیاز کی وجہ بالکل واضح ہوگی اگر یہ یاد کیا جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملکی علاقوں کا تفویض ہونا ۱۷۵۶ء میں شروع ہوا اور اسی سال سے یعنی قاسم علیخاں کے فائز بنیابت ہونے کے سال سے تشخیص لگان میں انتہائی اضافے کیے گئے۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۳ء تک کے زمانے میں اراضی مفوضہ کی مالگزاری میں صرف ۹ فیصدی کا اضافہ ہوا اور اس کے مقابلے میں اراضی دیوانی کی مالگزاری میں ۳۲ فیصدی کی بیشی ہوئی۔ گرانٹ کے اس نظریے کے لحاظ سے کہ اضافۂ لگان اگرچہ اصول اور اس کے لوازم کے اعتبار سے درست نہیں تاہم مقدار کے لحاظ سے حق بجانب تھا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اراضی مفوضہ کی تشخیص کم کی گئی تھی اور گرانٹ اس کے سوا اور کوئی طریقہ تجویز نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی دوبارہ پیمائش اور تشخیص ہو۔ لیکن جیسا کہ شور نے دکھایا ہے اس وقت کمپنی کی حالت ایسی نہ تھی اور نہ حکام انتظامی اس قدر کافی تجربہ کار اور مستعد تھے کہ اس قسم کے پیچیدہ کام کو اپنے ہاتھ میں لے سکتے۔

گرانٹ کی تحریکات کا ناقابل عمل ہونا:۔ پیش نظر بندوبست کے لیے ۱۷۶۵ء کے مشخص لگان کو بنیاد قرار دینے کا جو مشورہ گرانٹ نے دیا اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے ابتدائی استدلال کو بھول گیا یا یہ نہ سمجھ سکا کہ اس نے ایک ناقابل عمل منطقی تحریک پیش کردی ہے۔ گرانٹ کا نظریہ اس اصول پر مبنی ہے کہ پیداوار اراضی کی نسبت سے مالگزاری مشخص ہونی چاہیے اور وہ ہر زمینداری کی بذریعۂ ابواب مجموعی مغلیہ تشخیص لگان کے اُس طریق مابعد کی سخت مذمت کرتا ہے جو بہ اعتبار تقسیم علاقوں میں یا ہر علاقے کے اندر کاشتکاروں کے حق میں لازماً غیر منصفانہ تھا۔ تو پھر وہ ۱۷۶۵ء کے لگان کی منصفانہ تقسیم کے لیے کیا طریقہ پیش کرتا ہے؟ اس بارے میں اُس نے کوئی تجویز نہیں پیش کی خود اسی کے استدلال کے لحاظ سے یہ تقسیم تفصیلی ہست وبود کے ذریعے ممکن تھی۔ اور اگر یہ طریقہ (ہست وبود) ضروری تھا تو ۱۷۶۵ء کے اعداد کو معیار قرار دینا ضروری کیوں ہو؟ کیا یہ قابل ترجیح نہو گا کہ حقیقی جائیداد کا پتہ چلایا جائے اور ہر کاشتکار پر ربع حصّے کے اصول کے مطابق لگان مقرر کیا جائے؟ لیکن یہ طریقہ جیسا کہ پہلے بتادیا گیا ہے اُس وقت ناقابل عمل تھا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ گرانٹ نے ثابت کردیا کہ کامل طور پر مغلیہ مشخص لگان کا عائد کرنا خلاف انصاف نہو گا تب بھی وہ یہ ثابت کرنے سے قاصر رہا کہ اس لگان کا منصفانہ انتظام اور تقسیم ہو سکتی تھی لیکن اُس کے استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے، گو وہ اُس نتیجے پر خود نہیں پہنچا، کہ اُس زمانے میں نظم ونسق مالگزاری کے متعلق کمپنی کی معلومات اس قدر کافی نہ تھیں کہ دوامی بندوبست مالگزاری کا عمل میں آنا جائز قرار پاتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسی نتیجہ پر گرانٹ کا مخالف شور پہنچتا ہے باوجود اُس کے کہ اس نے اپنے استدلال کی بنیاد جُدا امور پر رکھی تھی۔

چھٹا باب

گرانٹ اور شور کا اختلاف۔ شور کی بحث

شور کی دلائل:۔ جان شور نے ۱۸ر جون ۱۷۸۹ء کو گرانٹ کے رسالوں کا ایک یادگاری یادداشت میں جواب دیا[1]۔ یہ یادداشت "زمیندار اور کاشت کار کی حیثیت کے متعلق جیسی کہ وہ اُس وقت سمجھی جاتی تھی ایک مکمل بیان ہے گو خود شور نے سب سے پہلے اُس زمانے کے نظم ونسق کی ناکافی معلومات کا اعتراف کیا ہے۔ مذکورہ یادداشت دہ سالہ بندوبست کی مفصل تجاویز پر ختم ہوتی ہے اس بندوبست کی بنیاد سنین ماسبق کی مالگزاری پر رکھنا مقصود تھا۔ مختصر یہ کہ شور، گرانٹ کی اُس تجویز سے اختلاف کرتا ہے کہ دور مغلیہ کی انتہائی تشخیص کو معیار قرار دیا جائے۔ خام پیداوار کے ربع حصے کے اصول کو بھی وہ ناقابل عمل قرار دے کر ترک کر دیتا ہے اور برطانوی حکومت کے جو بیس[24] سال کے تجربے کو قبول کرتا ہے لیکن اُس تجربے کو وہ چند مستثنیات کے ساتھ قبول کرتا ہے جیسا کہ کارنوالس کے ساتھ اس کے مباحثے میں ظاہر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ شور نے اپنی دلائل کی بنیاد خود اپنے الفاظ میں اُس عملی تجربے پر رکھی ہے جو مالگزاری کی تحصیل و انتظام میں اُسے حاصل ہوا اور جس کے حصول کا ادعا مسٹر گرانٹ نے نہیں

---

[1] روداد پنجم صفحات ۱۶۹ سے ۲۳۸ تک۔

کیا ہے[1]۔ ان دونوں اشخاص کے مابین یہ فرق بہت اہم ہے۔ گرانٹ نے قدیم کاغذات اور کتب حسابات کی گہری واقفیت کے بعد اور بغیر کسی عملی تجربے کے بجز اُس کے جو اس کو سنہ ۱۷۸۷ء میں ڈھاکہ کے بندوبست سے غیر سرکاری تعلق کی بدولت حاصل ہوا ہو اپنے نتائج کا مقابلہ ان واقعات کے ساتھ کرنے کی کوشش نہیں کی جو تجربے پر مبنی تھے۔ برخلاف اس کے شور نے تمام نظری اندازوں کو غالباً لحاظ مناسب کے بغیر پس پشت ڈال دیا اور اپنا استدلال کلیتہً تجربے کے واقعات پر مبنی کیا لیکن اُس کے ساتھ ایک اہم بات یہ ہے کہ اُس تجربے کے نامکمل ہونے کا خود اُس کو اعتراف ہے۔

مغلیہ مشخّص لگان:۔ شور نے ابتداء اُس امر کے اظہار سے کی ہے کہ اُس وقت بلحاظ خیال آرائی دو گروہ تھے۔ ایک فلپ فرانسس کی قیادت میں یہ ظاہر کرتا تھا کہ سنہ ۱۷۶۵ء میں بنگال پر بہت زیادہ تشخیص مالگزاری عائد کی گئی تھی اور دوسرا گرانٹ کی متابعت میں اُس پر زور دیتا تھا کہ بنگال اُس سے زیادہ مالگزاری ادا کرنے کے قابل ہے[2]۔ شور کی بحث کچھ زیادہ منصفانہ نہیں ہے۔ فرانسس نے اپنی رائے کا اظہار پنج سالہ بندوبست کے دوران میں کیا تھا جبکہ مطلوبہ مالگزاری برطانوی حکومت کے تمام دوروں کی مالگزاری سے زیادہ تھی اور گرانٹ نے اپنی رائے اُس وقت ظاہر کی تھی جبکہ سنہ ۱۷۶۹ء اور سنہ ۱۷۷۰ء کے امساک باراں نے سرکاری مالگزاری پر اہم اثر ڈالا تھا۔ سنہ ۱۷۶۵ء میں صوبہ ڈھاکہ کی مالگزاری اڑتیس[3] لاکھ سے زائد ہوئی تھی اور یہ رقم مغلیہ دور کی انتہائی تشخیص کے تقریباً مساوی تھی لیکن سنہ ۱۷۸۰ء میں اسی رقبے کی مشخص رقم کی مقدار گھٹ کر تقریباً انتیس لاکھ ہو گئی تھی۔ مناسب ہوتا کہ شور اُن مختلف حالات کو ملحوظ رکھتا جن میں فرانسس اور گرانٹ نے اپنی آرار کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد شور نے اکبر کے زمانے سے سنہ ۱۷۶۵ء تک کی مالگزاری کا تجزیہ کیا ہے۔ سنہ ۱۵۸۲ء سے سنہ ۱۷۲۲ء تک مطالبۂ مالگزاری میں ۲۹۸۱۴۲ روپیے کا اضافہ ہوا تھا

---

[1] رُوداد پنجم صفحہ ۱۸۵، فصل ۱۵۲۔
[2] ایضاً صفحہ ۲۷۰۔
[3] ایضاً صفحہ ۱۷۰، فصل ۹۔
[4] سنہ ۱۷۶۲ء سے سنہ ۱۷۶۶ء تک۔

۱۷۲۲ء سے ۱۷۶۵ء تک ۱۶۲۰۹۸۹۱ روپیے کا مزید اضافہ ہوگیا تھا[1]۔ مقدم الذکر دور میں سالانہ اضافے کا اوسط ۲۷۳ء۲ روپیے تھا اور موخرالذکر دور میں یہ بڑھ کر ۲۸۳۴۳۹ روپیے ہوگیا تھا۔ یہ مان لینا پڑے گا کہ اضافہ مذکور غیر معمولی تھا لیکن شور نے اپنی بحث کی تائید میں معقول دلائل پیش نہیں کی ہیں یہ پہلے ہی بتا دیا جاچکا ہے کہ سترھویں صدی میں بنگال کی تحصیل مالگزاری نہایت غیر تشفی بخش تھی اور اسی وجہ سے مرشد قلی خاں کو دیوان مقرر کیا گیا تھا۔ سترھویں صدی کے ناظم کا انہماک زیادہ تر فتح اور وسعتِ سلطنت کی طرف تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ناظمہ کی فوجی کارروائی اور دیوان کی نا اہلی دونوں باتیں مالگزاری کی مناسب تحصیل یا نظر ثانی کی مانع تھیں تاہم مرشد قلی خاں کے دور کے پہلے اکیس سال میں خفیف سا اضافہ تشخیص میں ہوا تھا۔ گرانٹ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مرشد قلی خاں نے تقریباً ۲۴۰۰۰۰۰ روپیے کا غبن کیا تھا اور اپنی اس رائے کی تائید میں یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کی وفات پر تقریباً ۶۱ لاکھ روپیے اس کی جائداد کو فروخت کر کے دہلی روانہ کیے گئے[2]۔ شور علانیہ اور نا مناسب طور پر اس توجیہ سے انکار کر دیتا ہے اور یہ رائے پیش کرتا ہے کہ مرشد قلی خاں کے عادات و اطوار کا لحاظ کرتے ہوئے یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ وہ بنگال کے جملہ وسائل آمدنی دریافت کرنے سے قاصر رہا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ شور، مرشد قلی خاں سے اس قدر نفرت کرتا تھا کہ وہ اس کی ان صفات سے بھی منکر ہے جو فی الواقع اس ماہر مالیات میں موجود تھیں۔ بہرحال شور یقیناً اس امر کے ثابت کرنے میں ناکام رہا کہ مرشد قلی خاں کی تشخیص لگان بہت زیادہ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے بعد کو یہ تسلیم کیا ہے کہ علی وردی خاں کی وفات تک تشخیص خلاف قاعدہ نہ تھی اور غالباً اس میں وہ زائد محاصل بھی داخل نہ تھے جو زمینداروں نے رعایا پر عائد کر رکھے تھے[3]۔

مغلیہ تشخیصِ لگان کا اصول :- ۱۷۵۶ء اور ۱۷۶۵ء کے درمیانی دور کے متعلق شور نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ مغلیہ لگان کی مقدارِ رقم ناقابلِ وصول تھی اور اسی وجہ سے غالباً

---

[1] روداد پنجم صفحات ۱۷۰ سے ۱۷۱ تک۔

[2] ایضاً صفحات ۲۸۱ و ۱۷۱ ۔ فصل ۱۹۔

[3] ایضاً صفحہ ۱۷۳ ۔ فصل ۴۴ ۔

بہت زیادہ خیال کی جاتی تھی۔ وہ سرکاری حسابات کے ذریعے سے یہ دکھاتا ہے کہ ۱۷۶۲ء میں مالگزاری کی رقم بقایا [۱] اسّی لاکھ کی حد تک پہنچ گئی تھی اور سنین مابعد کے متعلق وہ تفصیلی اعداد (اعدادِ لگان جو گرانٹ کے دیے ہوئے اعداد سے بہت مختلف تھے) یہ بتانے کے لیے پیش کرتا ہے کہ مالگزاری کا کس قدر قلیل حصّہ وصول ہوا کرتا تھا:

سنہ	ناظم	مشخّص لگان	واصل	باقی
		روپیے	روپیے	روپیے
۱۷۶۲ء و ۱۷۶۳ء	قاسم علیخاں	۲۴۱۰۰۰۰۰	۶۵۰۰۰۰۰	۱۷۶۰۰۰۰۰
۱۷۶۳ء و ۱۷۶۴ء	نند کمار بنرجی	۱۷۷۰۰۰۰۰	۷۷۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰۰
۱۷۶۴ء و ۱۷۶۵ء	نند کمار بنرجی	۱۷۷۰۰۰۰۰	۸۲۰۰۰۰۰	۹۵۰۰۰۰۰
۱۷۶۵ء و ۱۷۶۶ء	محمد رضا خاں	۱۶۰۰۰۰۰۰	۱۴۷۰۰۰۰۰	[۲] ۱۳۰۰۰۰۰

لیکن وہ تسلیم کرتا ہے کہ بقایا کا ایک حصّہ نند کمار نبرجی (نن کمار) اور محمد رضا خاں کے تغلب کی وجہ سے تھا اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ زمانہ تغیّرات اور انقلابات کا تھا جو عمدہ انتظامِ مالگزاری پر منتج نہیں ہوسکتا تھا شور نے جو گرانٹ کا مقابلہ اس زور کے ساتھ کیا ہے وہ مشخص رقمِ لگان کے موضوع سے متعلق نہیں ہے بلکہ اصول تشخیص کے متعلق ہے شور کا بیان بالکل صاف ہے۔ اکبر کی تشخیصِ لگان ان منافعوں پر مبنی تھی جو کاشت سے حاصل کیے جاتے تھے اور ایک خاص عملہ نگرانی اس امر کے لیے مقرر تھا کہ معیّن شدہ شروح میں زیادتی نہ ہونے پائے۔[۳] بریں ہم زمیندار اول نے کاشت کاروں سے مزید رقوم حاصل کرنے کے مواقع نکال لیے اور جیسے جیسے نظامِ حکومت کمزور ہوتا گیا یہ رقوم، لگان کے ساتھ شریک ہوتی گئیں اور صریح گو غیر آئینی سہی زیادتی کا باعث ہوگئیں۔[۴] مرشد قلی خاں کے زمانے سے حکومت کا یہ مقصد رہا کہ ان اضافہ شدہ لگانوں پر مالگزاری کو مبنی کیا جائے جو یقیناً مزید غیر آئینی اضافوں کا باعث ہوتی کہ لگان کی

۱۔ رُوداد پنجم صفحہ ۱۷۴۔ فصل ۴۶ و ۴۷۔

۲۔ مظہرہ اعداد، سالم اعداد ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رُوداد پنجم صفحہ ۱۷۰۔ فصل ۶۸۔

۳۔ رُوداد پنجم صفحہ ۱۷۰، فصل ۱۱۔ صفحہ ۱۷۲، فصل ۳۰ و ۳۱۔

۴۔ ایضاً صفحہ ۱۷۲، فصل ۳۲ و مابعد۔

بنیاد جو پیداوار زمین کے تناسب پر رکھی گئی تھی بالکل فراموش کردی گئی۔ قاسم علی خاں کا یہ مقصد رہا کہ اس کل مقدار کا پتہ چلایا جائے جو کاشت کار زمیندار کو دیتا تھا اور اس طرح کل رقم سلطنت کے حق میں جمع کی جائے۔[1] ناظموں کے عائد کردہ ابواب انھیں ابواب کے مماثل تھے جو زمینداروں نے کاشت کاروں پر عائد کیے تھے اور جو غیر آئینی تھے۔ اس کے بعد شور نے یہ بتایا ہے کہ وہ ابواب جو مالگزاری پر لگائے جاتے تھے ان ابواب سے جو کاشت کار کے لگان پر عائد ہوتے تھے مختلف تھے کیونکہ لگان خصوصیت کے ساتھ ہر کاشت کار پر عائد ہوتا تھا اور مالگزاری بغیر کسی معین تقسیم کے عام طور پر مشخص کی جاتی تھی۔

گرانٹ اور شور کے نقطۂ نظر میں خاص فرق: — شور کا نتیجہ استدلال یہ تھا کہ یہ ابواب غیر آئینی تھے اور اس لیے ظالمانہ بھی تھے کیونکہ ان کی وجہ سے کوئی واجبی معیار لگان قائم نہ رہ سکا گرانٹ بھی آمدنی ابواب کے عدم جواز پر جو ناظم حاصل کیا کرتے تھے اسی طرح زور دیتا ہے لیکن وہ یہ تسلیم نہیں کرتا کہ ابواب مذکور، اضافۂ شرح پر اتنا ہی زیادہ منحصر تھے جتنا کہ کاشت کی وسعت اور سکّے کی قیمت کی کمی بیشی پر جو ملک میں تجارت کی وجہ سے چاندی کی زیادہ درآمد کے باعث واقع ہوئی تھی۔ اصول سے دونوں کو یکساں اختلاف ہے تاہم گرانٹ مشخص رقم کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر شور اسے بھی مطعون قرار دیتا ہے بدقسمتی سے نہ گرانٹ اور نہ شور (اور نہ حقیقتہً کوئی موخر تر نقاد) اکبر کی مقرر کردہ شرح لگان اور ان شروح لگان کے مقابلے کے لیے جو اٹھارویں صدی کے اختتام پر نافذ تھیں کوئی تفصیلی معلومات رکھتا تھا لیکن اس دور کی تاریخ مالگزاری شور کے اس مفروضے کی تائید نہیں کرتی کہ شرح لگان بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ قابل کاشت اراضی کی نسبت سے کاشتکاروں کی آبادی اس قدر کم تھی کہ معمولاً زمیندار بہت مشکل کے ساتھ کاشتکار کو کاشت کے لیے اپنی زمین کی طرف راغب کرسکتا تھا لہٰذا کاشت جاری رکھنے کے لیے شرح لگان اعتدال سے قائم کرنی پڑی ہوگی۔

شور کا تخمینہ متعلقۂ پیداوارِ خام: — اس موضوع پر شور ملک کے ذرائع آمدنی کی بابت

---

[1] روداد پنجسم صفحہ ۳، ۱، فصل ۴۵ ۔

گرانٹ کے نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا اور اگر اراضی لاخراج کی قیمت شامل کرلی جائے اور زمینداری کے اخراجات منہا ہوجائیں تو خام پیداوار ۸۵۱۲،۸۲۶ روپیے کی وہ شمار کرتا ہے۔ اس رقم کے ایک چوتھائی حصّے پر مالگزاری کا تخمینہ لگایا جائے تو گرانٹ کے تخمینے کی رقم ۵۲۲،۲۰۰۰ روپیے کے بالمقابل بنگال کی مالگزاری کی میزان ۲۱۳۰۰۰۰۰ روپیے ہوتی ہے[1] تاہم شور کا تخمینہ معروضہ مشخص مالگزاری کی بنیاد پر بنایا گیا ہے جس سے وہ خام پیداوار کی قیمت اخذ کرتا ہے واقعی وہ گویا گھوڑے کے آگے گاڑی رکھتا ہے اور اس کا تخمینہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ لیکن شور پہلے ہی ظاہر کرچکا ہے کہ وہ کسی تشخیص کو نظری اندازوں یا قدیم مغلیہ تشخیصوں کے ذریعے بجا ثابت کرنا نہیں چاہتا کیونکہ ان پر ناقابل وصول اور غیر آئینی ہونیکے باعث وہ لعن طعن کرتا ہے یہ بیان شور کے اعتراضات کو مکمل کردیتا ہے۔ وہ اس کا ذکر کرچکا ہے کہ گرانٹ کے اعداد کو تسلیم کرنے سے معذور رہا ہے اور اگر تسلیم کربھی لیے تو ان اعداد کی بناء پر مطالبۂ مالگزاری کا تصفیہ خاطر خواہ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال وہ اس بات کے ظاہر کرنے میں ناکام رہا کہ گرانٹ کے خاص اصول کی رُو سے یہ اعداد انتہائی چھان بین کے بعد ہی کارآمد ہوسکتے ہیں پھر بھی یہ بیان کرنا گرانٹ کے حق میں ناانصافی ہوگی کہ اس کے خلاف شور کی دلائل عام طور پر قابل یقین ہیں۔

منصفانہ بندوبست کرنے میں مشکلات:۔ جب شور اپنی خاص تجویز کا اظہار شروع کرتا ہے تو عملی منتظم اور خیالی شخص کے درمیان فوراً فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔ شور اُن آفات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دیوانی کی منظوری کے وقت سے بنگال پر نازل ہوئی تھیں مثلاً ۱۷۷۰ء کا خوفناک قحط جس نے آبادی کے ایک تہائی[2] حصّے کو برباد کردیا تھا اور ۱۷۸۴ء و ۱۷۸۸ء کے بڑے بڑے قحط جو نسبتہً کم مصیبت خیز تھے۔ ۱۷۷۰ء میں آبادی کے گھٹ جانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ بنگال کی قابل وصول مالگزاری میں لازماً کمی اور زراعت میں بہت بڑی تخفیف واقع ہوجاتی۔ یہ باتیں اوّل تو مالگزاری اور دوم میعادِ بندوبست کے تعیّن کے لیے غور وخوض کی

۱؎ رُوداد نجیم صفحات ۱۸۰ سے ۱۸۱ تک۔ فصل ۱۰۹۔

۲؎ رُوداد نجیم صفحہ ۱۸۲۔ فصل ۱۲۴۔

محتاج ہیں۔ شور پھر یہ کہتا ہے کہ اگر صحیح بندوبست مطلوب ہو تو یہ ضروری ہے کہ حسب ذیل دو امور کے متعلق مفصل معلومات حاصل کی جائے۔[1]

(i) خام پیداوار کے بالمقابل حقیقی اداشدہ لگان کا تناسب۔

(ii) حقیقی تحصیل اور تادیہ جو زمینداروں اور کاشت کاروں کی طرف سے عمل میں آیا۔

شور تسلیم کرتا ہے کہ اس وقت کے انتظام مالگزاری کی حالت کو دیکھتے ہوئے ایسی معلومات کا بہم پہنچانا غیر ممکن تھا۔ جو مساعی سنہ ۱۷۶۹ء میں نگران کاروں نے اور سنہ ۱۷۷۰ء میں امینوں نے کیں وہ سب ناکام ہو چکی تھیں۔ سنہ ۱۷۷۲ء میں مجلس دورہ کی کوشش بھی مصیبت انگیز ثابت ہوئی تھی جو سب سے بڑی بولی بولنے والوں کے ساتھ عارضی بندوبست کے ذریعے سے ہر ایک علاقے کی انتہائی قیمت دریافت کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۷۸۶ء و سنہ ۱۷۸۷ء کی تحصیلِ مالگزاری، قاسم علی خاں اور اس کے بعد کے زمانے سے نسبتہً بڑھ گئی تھی۔ سنہ ۱۷۸۷ء میں ہر کلکٹر کو ہدایات موصول ہوئیں کہ وہ اپنے زیرِ نگرانی رقبوں کے ذرائع آمدنی کے متعلق کامل طور پر تفتیش کرے۔ شور نے دیوانی سے قبل کے اعدادِ لگان کی بہ نسبت کلکٹروں کی رپورٹوں پر زیادہ اعتماد کیا۔ شور کو امید تھی کہ اس بنیاد پر ایک واجبی شرحِ لگان مقرر ہو سکے گی۔

کن لوگوں کے ساتھ بندوبست کیا جانا چاہیے: — اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ تین طریقے ہیں جن کے ذریعے بندوبست کیا جا سکتا ہے۔[2] پہلا یہ کہ کمپنی براہِ راست کاشت کاروں سے لگان وصول کرے۔ دوسرا یہ کہ کمپنی کے انتخاب کردہ اشخاص کو عارضی طور سے علاقے ٹھیکے پر دے دیے جائیں اور تیسرا طریقہ یہ کہ زمینداروں کو جن کے ساتھ بندوبست کیا جائے مالکانہ حقوق دیے جائیں۔ پہلے طریقے کو شور نے ان وجوہ کی بنا پر نامنظور کر دیا کہ (۱) اس میں کلکٹروں کے علم، تجربے اور قوتِ عمل کو بیشتر ہی سے فرض کر لیا گیا ہے حالانکہ یہ اوصاف شاذ ہی ان میں پائے جاتے یا جمع ہو سکتے ہیں۔[3] (۲) یہ کہ حکومت اپنی مالگزاری مخصوص ذمہ داریوں کے ذریعے سے

---

[1] روداد پنجم صفحہ ۱۸۳۔ فصل ۱۴۳۔

[2] ایضاً صفحات ۱۸۵ سے ۱۸۹ تک۔ فصل ۱۵۴ تا ۱۹۸۔

[3] ایضاً صفحہ ۱۸۵۔ فصل ۱۵۸۔

وصول نہ کر سکے گی اور (۳) یہ کہ خاص تحصیل وصول، کا طریقہ سابق میں برابر ناکامیاب ثابت ہوتا رہا ہے اور آیندہ بھی مجلس مال کے لیے خاطر خواہ اقتدار کو کام میں لانا ناممکن ہو جائے گا۔ دوسرے طریقے یعنی طریق اجارہ کو نہایت مختصر طور پر یوں رد کر دیا گیا کہ ایک غیر مستقل اجارہ دار اپنے علاقے کی آیندہ ترقی کا کبھی خیال نہیں کرے گا۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ چونکہ یہ طریقہ عموماً قابل مذمت سمجھا گیا ہے اس لیے ضرورت نہیں کہ ان دقتوں کی تفصیل بیان کی جائے جو تسلیم کر لی گئی ہیں[1]۔ شور زمینداروں کے ساتھ بندوبست کی حمایت میں فیصلہ کرتا ہے۔ وہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ زمینداروں کو مالکان اراضی کی حیثیت سے آئینی حقوق حاصل ہیں اور یہ کہ وہ امن قائم رکھنے اور ظلم و تعدی کو روکنے میں عہدہ داروں کی مانند کام کرتے ہیں۔ یہ وہ فرائض ہیں جو زمانۂ ماضی میں ان پر لازم ہو گئے تھے۔ شور زمینداری کی نگرانی اسے متعلق برائیوں کی طرف سے غافل نہ تھا۔ وہ انہیں تفصیل سے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ برائیاں زیادہ تر ان کی غیر معین حیثیت اور ان کے سابقہ برتاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے تھیں۔ نظم و نسق بنگال کی پیچیدگیوں کے باعث کمپنی اپنے خاص عہدہ داروں کے ذریعے کاشتکاروں سے لگان وصول کرنے کا کام اپنے ذمے نہیں لے سکتی تھی اور اس کا واحد بدل، طریق زمینداری تھا تاہم اس نے کاشتکاروں کے مفاد کی حفاظت کے لیے قانون سازی کی شدید ضرورت کو تسلیم کر لیا خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ قانون گو کا قانونی دباؤ باقی نہ رہا تھا۔

میعادِ بندوبست: مجلس نظماء نے حکم دیا تھا کہ دوامی بندوبست کیا جائے لیکن یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ابتداءً قلیل ترمدت کے لیے بندوبست کا عمل میں آنا مناسب ہوگا۔ اس بارے میں شور دوامی بندوبست کے خلاف بڑی مضبوط دلائل پیش کرتا ہے اور دس سال کی مدت کے لیے بندوبست کی سفارش کرتا ہے[2]۔ اس کی دلیل کلیتہً محدود تجربے پر مبنی ہیں۔ وہ پوری بحث میں یہی کہتا رہا ہے کہ بندوبست کی بنیاد اس فوری تجربے پر ہونی چاہیے جو حاصل ہوا ہے لیکن وہ اپنی بحث کو ہمیشہ اس حقیقتِ امر کے ذریعے سے کمزور کر دیتا ہے کہ تجربہ نامکمل تھا۔ یہ ضرورت

---

[1] روداد پنجسم صفحہ ۱۸۶ - فصل ۱۴۴ -

[2] شور کے نتائج کے لیے ملاحظہ ہو روداد پنجسم صفحات ۲۲۳ سے ۲۳۰ تک۔

مقدم تھی کہ ہر ایک گاؤں اور ہر ایک پرگنے کی حقیقی وسعت کو ظاہر کیا جائے اور یہ کام دہ سالہ بندوبست کی صورت میں زمینداروں کو اس بات پر مجبور کر کے انجام دیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے علاقوں کے اندر دیہاتوں کی تفصیل وار فہرستیں رکھیں جن میں حدود، رقبہ اور مالیت دکھائی گئی ہوتا کہ ان کو بندوبست کے سلسلے میں جانچا جا سکے۔ اس بنیاد پر صحیح شرح لگان مقرر کی جا سکتی تھی اور کاشتکاروں کی محافظت کے لیے واضح ضوابط مرتب ہو سکتے تھے تاہم یہ بات صاف طور سے نہیں ظاہر ہوتی کہ شور مستقبل کے دوامی بندوبست مالگزاری کے خلاف دلائل لا رہا ہے بلکہ اس کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہ سالہ بندوبست کا تجربہ، دراز تر مدت تک کے لیے بندوبست کرنے کی غیر معقولیت کو ظاہر کر دیگا وہ اپنی یادداشت کو ان تجاویز کے ساتھ ختم کرتا ہے جو اس کے مجوزہ بندوبست کے خاکے کو عملی صورت میں لانے کے لیے کی گئی تھیں۔

خلاصہ:۔ شور کی یادداشت اس زمانے کی مالی حالت کا زبردست انکشاف ہے یہ سچ ہے کہ وہ گرانٹ کی دلائل کا ایسی تشریح کے ساتھ جواب دینے میں ناکام رہا جو ان کو باطل کرنے کے لیے ضروری تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دلائل کی بہت سی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ شور، گرانٹ کے دیوانی سے قبل کے اعداد سے فطرتاً ڈرتا تھا اور اس کا خوف بلا وجہ نہیں تھا۔ لیکن وہ مستحکم تر بنیاد پر قائم ہو جاتا اگر ان اعداد کو بطور معیار لینے سے انکار کر دیتا اور صرف برطانوی نظم ونسق[1] کے چوبیس سال کے تجربے پر نیلام بندوبست کے لیے اصرار کرتا۔ اس کے مجوزہ بندوبست کی صرف اسی تجربے پر بنیاد ڈالی گئی۔ علاوہ بریں ایسے طریقے پر اس کی تشکیل کی گئی کہ اس کے ذریعے سے وہ نقائص جو آئندہ تجربے سے ظاہر ہوں دور کیے جا سکیں اس نے مطالبۂ مالگزاری کی بنیاد قریبی سنین ماسبق کی تحصیل وصول پر رکھی اور یہ بتایا کہ ۱۷۸۶ء و ۱۷۸۷ء کی تحصیل وصول قاسم علی خاں کے زمانے سے ہر سابق سال کے مقابلے میں بڑھ گئی تھی۔ اس سے ابتدائی مطالبے کی ایک عمدہ بنیاد قائم ہوتی۔ اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تعین مالگزاری کے لیے تفصیلی تحقیقات غیر ممکن ہے اور یہ ثابت کرنا ایک معمولی سی بات ہوگی کہ گرانٹ کی تجاویز ایسی تحقیقات کو لازمی کر دیں گی۔ اس کی اسکیم معقول اور قابل عمل تھی اور یہ

---

[1] روداد پنجم صفحہ ۲۱۲ ۔ فصل ۴۶۸ و مابعد۔

لارڈ کارنوالس کے ساتھ اس کے اختلاف مابعد کی بنا بن گئی۔ اس کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ اسکیم جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے نظم و نسق کے اُس ترمیم شدہ قاعدے کے بموجب بنائی گئی تھی جسے شور نے مرتب کیا تھا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ قاعدہ نسبتۃً چھوٹے چھوٹے اضلاع منفصلہ کی تشکیل پر مشتمل تھا جو اعلیٰ انتظام کے قابل تھے اور ہر ضلع کے اندر کلکٹر کو تمام انتظامی اختیارات دیے گئے تھے جنہیں مجلس مال کی صرف عام نگرانی کے تحت رکھا گیا تھا۔ محض یہ اسکیم تھی جس نے شور کے اعتماد مبنی بر تجربہ کو صحیح کر دکھایا اور نیز اُس توقع کو بجا ثابت کیا کہ دہ سالہ بندوبست سے اُس تجربہ کی وسعت اور قدر و قیمت میں بہت کچھ اضافہ ہو جائے گا۔

ساتواں باب

شور اور کارنوالس کا اختلاف

افراد:۔ ۱۲ ستمبر ۱۷۸۶ء کو لارڈ کارنوالس بنگال و بہار کے دوامی بندوبست کی تکمیل کے لیے خاص ہدایات کے ساتھ ہندوستان وارد ہوا تھا۔ کارنوالس بہ حیثیت ایک سیاست داں کے انگلستان میں کسی بلند مرتبے تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور اس کی شہرت تمام تر اس سیاسی و فوجی قابلیت پر محدود تھی جو اس سے امریکہ کے معرکوں میں ظاہر ہوئی تھی۔ وہ بہت بڑا دیانت دار اور وفادار شخص تھا لیکن اس میں کوئی نمایاں مادۂ جدت نہ تھا۔ بلاشبہ وہ اس یقین پر گورنر جنرل کی جگہ کے لیے منتخب ہوا تھا کہ جو احکام وہ اپنے ساتھ لے جائے گا انہیں سوچ سمجھ کر اور کامیابی کے ساتھ بجالائے گا اور ان پر کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن اس نے یہ خدمت اپنی مرضی کے خلاف اور دلی رنج کے ساتھ قبول کی تھی۔ شور جو صدر مجلس کی رکنیت پر ۲۱ جنوری ۱۷۸۷ء کو مقرر ہوا اور دسمبر ۱۷۸۹ء کے اختتام تک کارنوالس کا مشیر خاص رہا ۱۷۶۹ء سے بنگال کی انتظامی جماعت کا رکن رہ چکا تھا اس نے مرشدآباد اور راج شاہی میں ضلع واری نظم و نسق کا تجربہ حاصل کیا اور ۱۷۷۵ء میں وہ اپنی چوبیس ۲۴ سال کی عمر کے زمانے میں کلکتے کی مجلس مال کا رکن بن گیا اور اس کے بعد بہت ہی جلد مالگزاری کی کمیٹی کا صدر ہو گیا۔ وہ ایک خاموش اور روشن دماغ منتظم

تھا جسے ۱۷۶۹ء سے نظم ونسق کی تمام صورتوں کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ وہ ایک راست باز اور دیانت دار شخص تھا جو غربت کی حالت میں بسر کرتا رہا درانحالیکہ اس کے ساتھی عہدہ دار برادران قوم دولت جمع کر رہے تھے۔ کارنوالس صرف ایک اہم بات یعنی مسئلۂ دوامیت پر شور سے اختلاف رکھتا تھا اور جیسا کہ آیندہ معلوم ہو گا یہ محض کارنوالس کے احساس انتظامی اور احکام مفوضہ کی بجا آوری کا عزم بالجزم ہی تھا جس نے اس کو شور کے تجربے پر مسابقت کی ترغیب دلائی۔

شور کی پہلی یادداشت مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۷۸۹ء:- شور کی یادداشت مورخہ ۱۸ جون ۱۷۸۹ء خاص طور سے بنگال کی طرف منسوب تھی۔ اسی سال ۱۸ ستمبر کو ایک اور یادداشت اس نے جاری کی جو صوبۂ بہار کے بندوبست سے متعلق تھی[1]۔ بہار کے حالات، بنگال سے بہت ہی مختلف تھے۔ دیوانی کی منظوری کے وقت سے اور اس سے قبل بھی سالہا سال سے بنگال کے بیشتر حصے میں زمیندار اپنے علاقوں کے انتظام میں براہِ راست کوئی دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ علاقے ٹھیکے پر دے دیے جاتے تھے اور زمینداروں کو دو اماً مالگزاری پر ایک رقم لینے کی اجازت دیدی گئی تھی جو عموماً دس فیصدی ہوتی تھی تاکہ وہ اس طرح علاقوں میں اپنا عمل دخل ظاہر کرسکیں جبکہ براہِ راست ان کی مداخلت نہ ہو رہی ہو۔ یہ حصّہ مالکانہ کے نام سے مشہور رہتا۔ یہ اجازت گویا زمیندار کے علاقے میں اس کے استمراری حق کا مسلمہ ثبوت تھا لیکن بہار کا طریق اجارہ ہر علاقے کے ذرائع آمدنی کی تحقیق میں قابل لحاظ اہمیت رکھتا تھا۔ بندوبست نہ صرف اجارے کے ذریعے سے ہمیشہ سب سے زیادہ بولی بولنے والوں کے ساتھ کیے جاتے تھے بلکہ تخمینۂ پیداوار کی بنیاد پر بھی عمل میں آتے تھے۔ کاشت کاروں کے ساتھ بندوبست کو ضبط میں لانے کے لیئے طریق قانون گو بہار میں برقرار رکھا گیا تھا اور اس طرح واجب الادا لگان کا حساب پاک صاف رہتا تھا۔ ان حالات کے تحت یہ ممکن تھا کہ بنگال کی بہ نسبت بہار کا بندوبست زیادہ صحیح طور پر عمل میں آسکے موخر الذکر صوبے میں شور نے سنین ماسبق کی مالگزاری کی بنیاد پر بندوبست کی حمایت کی تھی اور سابق الذکر میں حقیقی اثاثے کی بناء پر تشخیص لگان کی سفارش کی تھی۔ صرف مالکان اراضی کی ایک بہت بڑی تعداد سے مالگزاری کی تحصیل مشکل تھی۔ لیکن یہ دشواری تحصیلداروں کے تقرر سے

---

[1] روداد بجنسہ صفحات ۱۵۴ سے ۴۰۲ تک۔

رفع ہوسکتی تھی[1]۔ تجاویز میں جو بندوبست سے متعلق پیش کی گئی تھیں صرف ایک بات پر شور نے سختی سے اعتراض کیا یعنی دہ سالہ میعاد منقضی ہونے پر مجوزہ بندوبست کو دوامی کر دینے کا قصد[2]۔ اس کا استدلال اس کی سابق یادداشت کے مندرج اعتراضات سے پختہ ہو گیا۔ اس نے بیان کیا کہ دس سال کی مدت زمینداروں کو اپنے علاقوں کی ترقی کی جانب متوجہ کرنے کے لائق بنانے کیلیے بخوبی کافی ہوگی۔ دوسری طرف وہ ڈرتا تھا کہ دوامی بندوبست سے بعض خرابیاں جڑ پکڑتی جائیں گی جو بصورت دیگر دہ سالہ میعاد کے اختتام پر دور ہوسکتی ہیں۔ اس نے لکھا کہ ان لوگوں کے لیے جن کی گزراوقات سالانہ ذرائع آمدنی پر ہورہی ہے دس سال کی مدت ایک ایسی مدت ہے جو بلحاظ تخمینہ تقریباً دوامیت کے لگ بھگ ہے[3]۔ آگے چل کر اس نے لکھا ہے کہ دوامیت کا سوال صرف مجلس نظماء حل کر سکے گی اور اگر اس مجلس نے بندوبست کو "دوامی" قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر زمیندار کس اعتماد پر برقرار رہ سکیں گے؟ وہ کہتا ہے کہ "مجھے یقین نہیں کہ یہ تجویز اس قابلیت سے عمل میں لائی جائے گی کہ دوامیت کے بارے میں توثیق کی سفارش موزوں ثابت ہو جائے[4]۔

کارنوالس کی یادداشت مورخہ ۱۸؍ستمبر ۱۷۸۹ء:۔ کارنوالس نے اسی تاریخ کی یادداشت میں جواب دیا[5]۔ اس نے شور کی دلائل کے متعلق تین خاص وجوہ کی بنا پر اعتراض کیا۔ اوّل مجلس نظماء کے سیاسی مسلک پر، دوم صرف دہ سالہ بندوبست کے افادے پر، سوم تجربے کے مسئلے پر۔ اس نے اس امر کا اظہار کیا کہ مجلس نظماء نے بندوبست کو دوامی کر دینے کا مصمم قصد کیا ہے بشرطیکہ اس کے ملازمین اس اعتماد میں جو انہیں سونپا گیا ہے فریب سے کام نہ لیں۔ یہ ہے فی الحقیقت

---

[1] شور کا یہ اعتراض اس فیصلے سے قبل ہوا تھا جس کی رو سے تعلقداروں کو علیحدہ شرائط طے کرنے کی اجازت ملی تھی۔ ان تعلقداروں کے مستثنیٰ ہونے پر بنگال کے مشرقی حصوں میں تعلقوں کی تعداد بہار کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

[2] رُوداد پنجم صفحات ۴۵۸ سے ۴۵۹ تک۔

[3] ایضاً صفحہ ۴۵۸، فصل ۶۹۔

[4] ایضاً صفحہ ۴۵۹، فصل ۷۲۔

[5] ایضاً صفحات ۴۷۲ سے ۴۷۵ تک۔

کارنوالس کے سیاسی مسلک کا اصل اصول۔ وہ ہندوستان کو خاص ہدایات کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ ان ہدایات کی ہر ممکن طریق پر لفظ بہ لفظ تعمیل ضروری تھی۔ آخر کار کارنوالس اپنی ذمہ داری میں پکا ثابت ہوا لیکن شور کے ساتھ اس کی ساری بحث و تمحیص میں یہ ناممکن ہے کہ شور کی دلائل کی مضبوطی اور کارنوالس کے جوابات کی کمزوری دیکھنے میں ہمیں ناکامی ہو۔ کارنوالس نے جرأت کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی کہ دہ سالہ پٹہ اجارے کے مساوی ہوگا اور بنگال کے وسیع جنگل کی صفائی کا یقین دلانے کے لیے (جس کے کل رقبے کا اندازہ اس نے ⅓ حصہ کیا ہے) یہ مدت ناکافی ہوگی اگر زمینداروں کو ختم میعاد پر زائد لگان کے عائد ہونے کا خوف لگا رہے۔ بہر صورت دلیل معقول نہیں ہے طریق اجارہ کا بڑا نقص پٹے کی میعاد سے متعلق نہیں تھا بلکہ اس امر واقعہ میں پایا جاتا تھا کہ طریق مذکور کے ذریعے سے جائداد قلیل مدت کے لیے ایک ایسے شخص کی نگرانی میں رکھی جاتی جسے براہ راست اس میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی اور جس کی حقیقی دلچسپی ختم مدت کے ساتھ ختم ہو جاتی۔ اس کی غرض تو یہ ہوتی کہ میعاد مقررہ کے دوران میں جو کچھ بھی ممکن ہو سکے جائداد سے حاصل کر کے اسے تباہ و ویران چھوڑ دیا جائے۔ شور کی تجویز کہ مالکان اراضی کے لیے میعاد بندوبست کو دس سال تک محدود کر دیا جائے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ختم میعاد پر بندوبست پھر مالکان اراضی کے ساتھ کیا جائے جو ایسی تشخیص لگان اور اس قسم کی شرائط پر مبنی ہو جن کی ضرورت دہ سالہ تجربے کی رو سے ثابت ہوتی ہو۔ کارنوالس نے شور کی دلائل کے اس ضروری پہلو پر بحث کرنے کی کوشش نہیں کی۔ گذشتہ تجربے کے موضوع پر کارنوالس نے یہ سوال کیا کہ کونسا تجربہ ہے جس کی ابتک ضرورت ہے اور آیندہ کونسا تجربہ دس سال میں حاصل کیا جائے گا۔ اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ سنہ ۱۷۶۵ء سے تجربات کیے جا رہے ہیں لیکن وہ ضروری معلومات کے حصول میں سنہ ۱۷۶۹ء، سنہ ۱۷۷۲ء اور سنہ ۱۷۷۷ء کے تجربات کی بالکلیہ ناکامی کو نہ سمجھ سکا۔ سنہ ۱۷۸۲ء میں بھی ڈھاکے کے اصلی بندوبست کی تکمیل کے بعد ہی شور نے بیان کیا تھا کہ اضلاع کی حقیقی حالت کا علم کم ہے اور سنہ ۱۷۷۴ء کی بہ نسبت محاصل کم سمجھے جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حقیقی تجربہ صرف سنہ ۱۷۸۷ء سے کیا جا رہا تھا اور جب کارنوالس یہ بحث کرتا ہے کہ عہدہ داروں کی جلد جلد تبدیلی کے باعث دہ سالہ مدت سے گو اس میں حالات کا زیادہ تر علم حاصل ہونے کا امکان ہو یقیناً تشخیص لگان کے تجربے میں اضافہ نہ ہوگا تو کوئی شخص اس استدلال کو سنجیدگی کے ساتھ قبول نہیں کر سکتا۔ گیارہ سال بعد کے بھی امور مالگزاری کی معلومات پر ایک کلکٹر کے خیالات کو بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ لکھتا ہے "مختصر یہ کہ

کوئی چیز اس طریقے سے زیادہ اصولی نہیں ہو سکتی جس کے ذریعے سے مالکان اراضی تحصیل مالگزاری کا کام انجام دیتے ہیں لیکن جب کلکٹر کو مفصل کے کاروبار کی بابت کسی حساب کتاب کی ضرورت ہوتی ہے تو ان تجاویز کے باعث جو اسے فریب دینے کے لیے پیش کی جاتی ہیں ہر شے تاریکی اور ابتری سے گھری ہوئی نظر آتی ہے"[1] اس میں کچھ شک نہیں کہ کاروبار کی یہ حالت اس حقیقت پر زیادہ تر موقوف تھی کہ بندوبست کے "دوامی ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا اور تجربے کی حدبندی جس کے متعلق شور نے ۱۷۸۹ء میں بہت کچھ تاسف کا اظہار کیا تھا بندوبست کی طرح مستقل رہی

کارنوالس اور طریق زمینداری

:- یہ بات عام طور پر فرض کر لی گئی ہے کہ کارنوالس قدیم زمینداروں کے خاندانوں کا زبردست حامی تھا۔ اور دوامی بندوبست کا منشا یہ تھا کہ ان کو وہی رتبہ دیا جائے جو انگلستان کے زمینداروں کو حاصل ہے۔ اس نظریے کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ "حکومت کے لیے یہ امر لاحاصل ہے کہ کون شخص زمین پر قابض ہے بشرطیکہ وہ زمین کی کاشت کرتا ہو' رعایا کی حفاظت اور سرکاری مالگزاری ادا کرتا ہو"[2] واجب الادا مالگزاری کے عدم تادیہ کی صورت میں جو سزا شور نے تجویز کی تھی اور جس سے کارنوالس نے اتفاق کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ باقیدار علاقے کی فوری فروخت عمل میں آئے اور اس یادداشت میں کارنوالس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ صرف دانشمند زمیندار ہی ایسے لوگ ہوں گے جو فائدہ حاصل کریں گے اور بیوقوف زمیندار خسارہ اٹھانے کے علاوہ اپنی اراضی بھی کھو دیں گے جن کی جگہ زمینداروں کی زیادہ خوش حال جماعت لے لے گی[3]۔ کارنوالس چاہتا تھا کہ زمیندار بہترین افراد ہوں۔ اس کی خواہش یہ نہ تھی کہ کسی ایسی جماعت کا وجود قائم کر دیا جائے جس کے دعاوی محض مفروض حقوق تاریخی پر مبنی ہوں۔

شور کی دوسری یادداشت مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۷۸۹ء

:- اسی تاریخ کو شور نے کارنوالس کی یادداشت کا جواب دیا[4]۔ اس نے کارنوالس کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ دہ سالہ میعاد قوت اعتماد کو دوامی بندوبست کی

---

[1] مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ ۱۰ مارچ سنہ ۱۸۰۱ء۔

[2] روداد پنجم صفحہ ۴۳۔

[3] روداد پنجم۔

[4] روداد پنجم صفحات ۴۵ سے ۴۷ تک۔

بہ نسبت کچھ زیادہ ہی معرض خطر میں ڈال دے گی۔ ہر حالت میں اعتماد، وقت اور تجربے کے ذریعے سے ہی پیدا ہوگا۔ اس نے اپنا خیال راسخ ظاہر کیا کہ زمیندار دہ سالہ کی بجائے دوامی بندوبست کی صورت میں زیادہ تر مالگزاری نہیں پیش کر سکتے اور یہ بات تجاویز میں درجۂ اعتماد کو جانچنے کے لیے کافی ہے۔ کارنوالس کا تصور یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوامی بندوبست ترقی زراعت کے یقین دلانے کا واحد ذریعہ ہوگا۔ شور نے یہ بتایا کہ ۱۷۷۰ء کے قحط کے زمانے سے اب تک لگان کی تبدیلیوں اور دیگر مصیبتوں کے باوجود زراعت میں برابر فروغ ہوتا رہا۔ اسی طرح دہ سالہ بندوبست، توسیع زراعت میں خلل انداز ہونے کی بجائے مزید ترقی اور حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا لیکن حکومت کا اگر یہ ارادہ ہو کہ وہ جنگل کی تیز رفتار صفائی اور کاشت کا یقین دلا دے تو کیا یہ امر قابل ترجیح نہ ہوگا کہ مشہور قابلیت کے لوگوں کے حق میں پٹے لکھ دیے جائیں بجائے اس کے کہ ناکاروں کو قانونی طور پر کاشت سے رفتہ رفتہ بے دخل کر دیا جائے۔ اس نے ایسے پٹوں کے لیے محدود شرائط تجویز بھی کر دیں۔ مزید براں شور نے یہ دکھایا کہ دوامی بندوبست سے بدکردار مگر ہوشیار زمینداروں کی صورت میں خرابیاں قائم رہیں گی تو کیا یہ زیادہ دانشمندانہ روش نہ ہوگی کہ ان خرابیوں کے مقابلے میں ضوابط کے نتائج پر غور کیا جائے قبل اس کے کہ حکومت کو ان کی بنیادیں مضبوط کرنے پر مجبور کیا جائے۔

بہار کا دہ سالہ بندوبست:— بہر حال شور ایک کمزور لڑائی لڑ رہا تھا اور اسی زمانے میں دہ سالہ بندوبستِ بہار کے قواعد جاری ہوئے جن میں اس بندوبست کو دوامی کر دینے کی تجویز بھی شامل تھی۔ اس امر کا تذکرہ باعث دلچسپی ہے کہ شور کی پہلی یادداشت (۱۸ر جون) کے اجرا سے بھی قبل اسی سال کی ۱۲ر مئی کو کلکتہ گزٹ میں ایک مضمون نقل ہو چکا تھا جس میں یہ درج تھا کہ بہار کے دوامی بندوبست کا تصفیہ ہو گیا ہے اس مضمون میں دفتری رازوں کا ایسا نمایاں انکشاف ہوا تھا کہ وہ مفروضہ کہ کارنوالس نے اس حکمتِ عملی پر جو مجلسِ نظما نے اس کے تفویض کی تھی تجربے کی سخت مخالفت کے باوجود زور کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا مصمم قصد کیا ہے تقریباً عقیدہ بن جاتا ہے

شور کی یادداشت مورخہ ۲۱ر دسمبر ۱۷۸۹ء:— بندوبست بنگال کے لیے قواعد کا نفاذ ابھی تک باقی تھا اور ۲۱ر دسمبر ۱۷۸۹ء کو شور نے اپنی روانگی انگلستان سے جب کہ وہ کارنوالس کے جانشین کی حیثیت سے واپس آنے والا تھا چند روز پہلے ایک اور اعتراضی یادداشت

کمی۔[1] اس کا اہم اعتراض یہ تھا کہ دوامی بندوبست، لگان کی غیر منصفانہ تقسیم پر منتج ہوگا۔ عدم پیمائش کی حالت میں بندوبست کا غیر معیّن حدود اور غیر یقینی رقبوں اور منافعوں کی بنیاد پر قائم ہونا ناگزیر ہے۔ بنگال میں زمین کی قدر و قیمت معلوم ہونے کے لیے بجز مالکان اراضی کے تختہ جات کے کچھ بھی نہیں رہا تھا اور نہ اس وقت کچھ موجود تھا۔ دہ سالہ بندوبست حقیقت میں ترقی اور تجربے کا زمانہ ہوگا اور کم از کم بیس[2] یا تیس[3] سال حالات بندوبست کے منظم و یکساں ہونے کے لیے درکار ہوں گے نہ کہ افزوں تر لگان حاصل کرنے کے لیے۔ اس نے اپنی رائے ظاہر کی کہ دس سال کے اختتام پر مالگزاری جتنی کہ وہ ابتدا میں تھی اس سے بھی کم ہو جائے گی اور بیان کیا کہ حکومت کو یہ حق محفوظ رکھنا چاہیے کہ وہ کم از کم لگان کی ایک واجبی تقسیم مکرّر کے ذریعے سے اُس نقصان کی تلافی کر سکے۔ اس یادداشت کے اپنے دیگر استدلال میں شور نے یہ کہا کہ اگر زمیندار کے ساتھ کارنوالس کے منشا کے مطابق ہلک اراضی کی طرح سلوک کیا جائے تو زمینداروں اور کاشت کاروں کے درمیانی تعلقات میں حکومت کی مداخلت مناسب نہ ہوگی۔ کاشت کار کی معلومات بہت محدود تھی۔ مجوزہ ضوابط ہر حالت میں صرف خود کاشت رعیت کی نگہبانی کریں گے۔ (خود کاشت رعیت سے مُراد وہ کاشتکار ہے جو مستقلاً اس گاؤں میں رہتا ہے جہاں اُس کی اراضی واقع ہے) پاہی کاشت رعیت کی وسیع تر جماعت کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں اور نہ ہم اس جماعت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ (پاہی کاشت اس کاشتکار کو کہتے ہیں جس کی کوئی مستقل جائے سکونت نہیں ہوتی) اُس نے یہ سوال کیا کہ کیا جدید اصول بتدریج نفاذ پذیر نہ ہوں گے؟

کارنوالس کی یادداشت مورخہ ۳ فروری سنہ ۱۷۹۰ء:

شور کی روانگی کے بعد ہی کارنوالس نے ایک یادداشت مورخہ ۳ فروری سنہ ۱۷۹۰ء میں جواب دیا[2] اس نے شور کی اُس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ مالگزاری گھٹنے لگے گی۔ اُس کا خیال تھا کہ زمینداروں کا منافع اس سرعت سے بڑھ جائے گا (اس بارے میں وہ غلطی پر تھا) کہ خشک سالی اور قحط کے اثرات کے مقابلے میں بھی سرکاری مالگزاری پورے طور پر محفوظ رہیگی۔ مالک کی اپنی اراضی کو حسب منشا بیع کرنے کی صلاحیت

---

[1] رُوداد پنجم صفحات ۴۱۱ سے ۴۰۳ تک۔

[2] ایضاً صفحات ۴۴۳ سے ۴۹۳ تک۔

اس کی حیثیت کو مستحکم کر دے گی اور نیلام یا رہن کرنے کی قوت، حکومت کے مفاد کی حفاظت کرے گی
بڑے زمینداروں کا عدم وجود (اس کے خیال میں صرف چندہی بڑے زمیندار' نالایقوں کے طبقے
میں شمار ہو سکتے تھے) ملک کے لیے حقیقی فائدے کا باعث ہوگا۔ رہ گیا تجربہ تو اس کے لیے سابق
تین سال میں مفصل تحقیقات ہو چکی تھی اور اُسے کوئی شک نہ تھا کہ آیا کسی قسم کی توسیع میعاد کا نتیجہ زمیندار
اور اسامی کے باہمی تعلقات کا گہرا علم ہوگا کہ نہیں۔ وہ پھر اس تحقیقات کا حوالہ دیتا ہے جو ۱۷۶۹ء
میں کی گئی لیکن اس استدلال کو باطل ثابت کرتا ہے جس کا شور نے سابق میں مکمل جواب دے دیا تھا
جو تاریخی واقعات کی اغلاط پر مبنی تھا۔ آگے چل کر اُس نے یہ صحیح بیان کیا کہ حکومت کو زمینداروں
اور اسامیوں کے باہمی تعلقات میں مداخلت کا اختیار محفوظ رکھنا چاہیے۔ اُس سے بھی بڑھ کر
یہ کہا کہ اگر حکومت مداخلت نہ کرے تو طبعی اقتصادی قوانین اپنا عمل کریں گے۔ رعیت اپنی
اراضی چھوڑ دے گی اور زمیندار نقصان اٹھائیں گے۔ بالیقین اصولِ غیر مداخلت کا یہ ایک انتہائی
اطلاق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ کارنوالس نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ کاشتکار ایک
انسان ہے نہ کہ محض ایک اقتصادی ہیولیٰ۔ اٹھارویں صدی میں بنگال کے کاشتکار زندگی بسر نہیں
کر سکتے تھے جبکہ اقتصادی قوانین بروئے عمل تھے۔

دوامی بندوبست:۔ کارنوالس کی آخری یادداشت، شور کی دلائل کا مسکت جواب
نہیں ہے۔ اختلاف کے آغاز سے شور مزید تجربے کی ضرورت پر توجہ دلا رہا تھا اس نے دہ سالہ
بندوبست کی تائید میں پُر زور دلائل پیش کی تھیں اور مقامی تجربے کے تمام فوائد کے باوجود ان
صوبہ جات میں جہاں کے حالات سمجھنے سے ماہر ترین اشخاص بھی (ان میں شور کو ممتاز جگہ
حاصل تھی) اُس وقت تک قاصر رہے ہیں ایک زیر تجربہ و غیر آزمودہ اسکیم کو دواماً قائم کرنے
میں نامناسب عجلت کے خلاف تحریری احتجاج کیا تھا۔ دوامی بندوبست کے متعلق شور کا
اندیشہ جس حد تک درست تھا اُسے آیندہ کے بیس سال کی تاریخ نے ثابت کر دیا۔ ۱۰ ر فروری ۱۷۹۰ء
کو بنگال کے دہ سالہ بندوبست کے لیے قواعد جاری ہو گئے اور ۲۲ر مارچ ۱۷۹۳ء کو مجلس نظماء کے
احکام مرسلہ ۱۹ ر ستمبر ۱۷۹۲ء کی رُو سے بنگال و بہار کے دہ سالہ بندوبست کے "دوامی" ہونے کا
اعلان کیا گیا۔

آٹھواں باب

دوامی بندوبست کے نتائج

دوامی بندوبست کا مقصد :۔ دوامی بندوبست کارنوالس کی دوسری اصلاحات پر اس قدر چھا گیا کہ مشکل سے یقین کیا جاتا ہے کہ کارنوالس کے مجموعۂ قوانین نے بنگال میں تمام برطانوی نظم و نسق مابعد کی بنیاد قائم کی اور یہ کہ دوامی بندوبست ان اصلاحات کا صرف ایک چھوٹا سا جزو تھا۔ بہر حال مؤرخ نے گاہ گاہ کوشش کر کے دوامی بندوبست کے حقیقی نتائج کی تشریح کی ہے۔ آخری نتائج یہ بیان کیے گئے ہیں: اوّل زمینداروں کی ایک ایسی جماعت کا وجود میں آنا جس کی اغراض دراصل اراضی کی سلامتی سے وابستہ ہیں دوم بنگال کی حقیقی خوش حالی میں ترقی کا ہونا۔ یہ بیان یقیناً جزوی طور پر صحیح ہے لیکن یہ چونکہ موجودہ سیاسی و معاشی مباحث کا موضوع بن جاتا ہے اس لیے اس باب میں اس کی بحث بے محل ہوگی۔ رُوداد پنجم[1] کے حصۂ سوم میں دوامی بندوبست کے فوری نتائج کا بہ حیثیت مجموعی ایک عمدہ اور معقول بیان ہے لیکن اس بیان میں زمیندار کی عام حیثیت، اپنے اسامیوں کے ساتھ اس کے موثر تعلقات اور سرکاری مالگزاری کی وصولیابی کے سوا دیگر مسائل میں پڑنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ یہ بیان اگرچہ بہ پیش آمدہ اہم مشکلات کو

---

[1] رُوداد پنجم صفحات ۳۵ سے ۱۲ تک۔

ظاہر کرتا ہے تاہم اس کا تعلق خاصکر اُن تجاویز کی واجبیت سے ہے جو اس قسم کی مشکلات کے حل کرنے یا ان سے بچنے کے لیے اختیار کی گئیں لیکن دوامی بندوبست کے مقاصد کا دائرہ اہمیت زیادہ کشادہ تھا اور اس کے فوری نتائج اُن دلائل کی بہ نسبت وسیع تر نوعیت کے تھے جو رُوداد پنجم میں مذکور ہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ۱۷۶۵ء سے ۱۷۹۳ء تک کا زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارتقاء کا ایک نہایت اہم زمانہ ہے اُس ارتقاء کو ۱۷۸۴ء[1] کے قانون تنظیم میں اور ۱۷۹۳ء[2] کی سند شاہی میں تسلیم کیا گیا تھا لیکن اس پر فی الواقع قانون سازی کا اثر اُس وقت تک نہیں پڑا جب تک کہ ۱۸۱۳ء[3] کا قانون نفاذ پذیر نہ ہوا جس کے بعد ہی مجلس منتخبہ کی غور پرداخت شروع ہوئی تھی۔ پلاسی کی جنگ اور دیوانی کی منظوری مابعد سے اگرچہ قانوناً نہیں لیکن حقیقۃً بنگال میں کمپنی کی اعلیٰ ترین قوت قائم ہو چکی تھی۔ اس وقت سے نظم ونسق کی اہمیت کے باعث کمپنی کی قدیم تجارتی نوعیت زیادہ قابل قدر ہونے لگتی ہے۔ گماشتے کی جگہ کلکٹر لیتا ہے۔ کوٹھیوں کے جماعتی طریق تجارت پر انفرادی تجارت کی آزادی غالب آجاتی ہے۔ کمپنی کے منتظمین تجارت کرنے سے قانوناً روکے جاتے ہیں لیکن ہندوستان میں کمپنی کی اس انتظامی ترقی کے باوجود وطنی مجلس نظماء کی خاص غرض اب بھی ایک مناسب حصے کے ادا ہونے پر مرکوز تھی۔ کمپنی کی براہِ راست تجارت کی قدر وقیمت گھٹتے ہی یہ امور بھی لازمی ہو گئے کہ سب سے پہلے نظم ونسق کی مالی کامیابی کا یقین دلایا جائے دوسرے نظم ونسق کو مکمل کیا جائے اور تیسرے ملک کے نشوونما اور اس کی مادی دولت کے اضافہ مابعد کو پیش نظر رکھتے ہوئے عام طور پر بنگال کی تجارت میں بتدریج ترقی دی جائے۔ یہ تینوں امور لاتفریق ایک دوسرے سے باہم وابستہ تھے۔

تجویز (بندوبست دوامی) کے فوری مقاصد کی ترتیب:۔ امور بالا کے نتائج پر دوامی بندوبست کا قصد کیا گیا تھا اور اسی روشنی میں ضروری ہے کہ بندوبست مذکور کو ایک انتظامی اصلاح کی حیثیت سے جانچا جائے۔ کس حد تک اس طرح کے نتائج دوسرے طریقوں سے

---

[1] ۲۴۔ جارج سوم، باب ۲۵۔

[2] ۳۳۔ جارج سوم، باب ۵۲۔

[3] ۵۳۔ جارج سوم، باب ۱۵۵۔

بہم پہنچائے جاسکے اور کس قدر نظم ونسق میں عام مالی کامیابی حاصل ہوئی یہ وہ موضوع ہیں جو ہماری موجودہ غرض سے بہت بالاتر ہیں لیکن دوامی بندوبست کے فوری مقاصد کی یعنی اُن مقاصد کی جن کا منشاء مطلوبہ نتائج کے حصول میں اعانت کا تھا حسبِ ذیل ترتیب ہوسکتی ہے :

۱۔ مالگزاری ادا کرنے والی ایجنسی کو مستقل بنیاد پر قائم کرنا اور ادائے مالگزاری میں تعجیل وتیقّن کا ہونا۔

۲۔ اقل شرح مالگزاری کا یقین دلانا۔

۳۔ نظم ونسق کی دوسری شاخوں کے لیے عہدہ داروں کو آزادی دے دینا۔

۴۔ وسعتِ زراعت کو ترقی دینا۔

۱۔ مالگزاری ادا کرنے والی ایجنسی زمینداروں اور آزاد تعلقداروں پر مشتمل تھی۔ دوامی بندوبست پر آزاد تعلقداروں (یا کم تر درجے کے مالکان اراضی) کی رائیں محصلہ شہادت سے نہیں جانچی جاسکتی تھیں۔ بعض صورتوں میں ان کی جائیداد پر لگان نہایت واجبی تھا اور بعضوں میں بہت بھاری۔ متعدد صورتوں میں ایسی اراضی کے لیے جس کا کوئی وجود نہ تھا یا جو دوسرے علاقوں میں شامل تھی باہمی عہدوپیمان باندھے گئے تھے۔ اس قسم کی مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں۔ اس حقیقت امر کا ذکر باقی ہے کہ بہ صورت عدم پیمائش یا رجسٹروں کی غیر موجودگی میں اور اندرونی پیچیدگی اور قانون گو کے عہدے کی منسوخی مابعد کے باعث کلکٹر کے لیے یہ غیر ممکن تھا کہ ان چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کے مرتبہ حسابی نقشوں کو جانچے یا ان پر انتقادی نظر ڈالے۔ بنگال میں جہاں تشخیص لگان، سنینِ سابق کی تحصیل وصول پر مبنی تھی کلکٹروں کی خاص مساعی مقدارِ لگان کو اس کی تحقیق و تقسیم کے بغیر برقرار رکھنے کی جانب مبذول تھیں۔ یہ ایک ایسی تخفیفات تھی جو بنیادی علاقوں سے بے شمار تعلقوں کی علیحدگی پر نظر کرتے ہوئے ناممکن تھی۔ بہار میں جہاں تشخیص لگان کی بنیاد پیداوار زمین پر رکھی گئی تھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا قانون گو کے حسابات بڑی زمینداریوں اور موجودہ متفرق چھوٹی چھوٹی جائیدادوں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے کافی طور پر باقاعدہ تھے کہ نہیں۔ بہرصورت اس میں کوئی شک نہیں کہ چھوٹے چھوٹے تعلقوں کا بندوبست ناقابلِ اطمینان تھا اور کاروبار کی اس غیر اطمینانی حالت کی بڑی وجہ مالگزاری کی نامناسب تقسیم تھی۔ ڈھاکے کے کلکٹر نے دوامی بندوبست کے نو[۹] سال بعد لکھا کہ "اس ضلع کے علاقوں کی

---

۹ مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ ۰ر جون ۱۸۰۲ء۔

تشخیص لگان میں فی الحال کسی طرح بھی مساوات نہیں رکھی گئی ہے اور میرے پاس یہ گمان کرنے کی وجہ موجود ہے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں مالکان اراضی اپنی جمع[1] میں تخفیف حاصل کرنے کے خیال سے اور اُس طرح اپنے پڑوسیوں کے ساتھ یکسانی پیدا کرنے کے لیے بہت زیادہ فریب دہی کی طرف مائل ہو گئے ہیں بہ نسبت اس صورت حال کے جو ضلع کے تمام علاقوں میں سرکاری شرح لگان مساوی طور پر عائد ہونے کے وقت غالبًا پیش آئی"۔ ایک ایسے بندوبست پر جو محض تجربے پر مبنی ہو اور اُس نوعیت کے بندوبست کے لیے جس تجربے کے ناکافی ہونے کا شور اعتراف کر چکا ہے لارڈ کارنوالس کے اصرار کی اب زیادہ مکمل مذمت کا اور مطالبات مالگزاری کی منصفانہ تقسیم سے متعلق گرانٹ کی اپیل کی زیادہ موثر واجبیت کا قیاس کرنا مشکل ہے۔ بہرحال تقسیم مالگزاری کا مسئلہ اس امر کا اندازہ لگانے میں خاص اہمیت رکھتا ہے کہ کس حد تک اقل شرح مالگزاری متعین ہوئی۔

زمینداروں پر اثرات:— ہم عصر عہدہ داروں کی مراسلت سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے زمیندار اُس تجویز (بندوبست دوامی) کے بہت سختی کے ساتھ مخالف تھے لیکن یہ مخالفت دوامیت کی ناپسندیدگی پر مبنی نہیں تھی۔ دراصل لفظ 'دوامی' کا مفہوم جیسا کہ شور نے سابق میں پیش گوئی کی تھی صاف طور پر نہیں سمجھا گیا اور تجویز مذکور کی مخالفت پہلے پہل اُس وقت کی گئی جبکہ بندوبست دس سال کی مدت کے لیے کیا جا رہا تھا۔ اہم امور جن پر اعتراض ہوا مشخص مالگزاری کی رقم اور وہ ذرائع تھے جو نفاذِ تادیہ کے لیے اختیار کیے گئے تھے۔ زمیندار کے متعلق یہ فوری خیال سامنے آیا کہ وہ مالگزاری ادا کرنے کے قابل ہے اور یہ مالگزاری اُس کے اسامیوں سے لگان کے وصول ہونے کی دقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت بھاری تھی۔ اس کے سر پر نیلام کی کلہاڑی گھمائی جاتی تھی جو وار کے ساتھ ہی اُسے تباہ کرنے کے لیے تیار رہتی جبکہ اقل ترین جزو بقایا بھی نکل آتا۔ یہی قانونِ نیلام تھا جس نے دوامی بندوبست کو غیر ہردلعزیز بنا دیا۔ یہ سچ ہے کہ علاقے عجلت کے ساتھ سنہ ۱۷۹۶ء میں بقایائے مالگزاری کے سلسلے میں فروخت کر دیے گئے تھے لیکن تحصیل وصول کا عام طریقہ یہ تھا کہ یا تو مالک اراضی کو (یا بالعموم اس کے نمائندہ کو)

---

[1] 'جمع' سے مالگزاری مراد ہے۔

قید کر دیا جاتا تھا یا باقی دار علاقے کا عارضی پٹہ دوسروں کو دے دیا جاتا تھا۔ بہرحال یہ طریقے زمیندار کو مسلسل تحصیل لگان سے باز رکھنے میں شاذ ہی کامیاب ثابت ہوئے۔ بقایائے مالگزاری کی تحصیل، سابق میں ایک طولانی کارروائی کے ذریعے سے ہوتی تھی جو اکثر ناکام رہی۔ اب یہ کارروائی بیقفن، خودرائی اور شتابکاری کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ادائے مالگزاری میں زمیندار کو دو خطروں کا سامنا ہوا اول قحط و خشک سالی کا دوم سرکش رعایا کا۔ زمینداروں کی خوش قسمتی سے اٹھارویں صدی کے اختتامی سنین میں بڑی زرخیزی کی فصلیں تھیں لیکن دوسرا خطرہ، شدید تھا۔ ۱۷۹۵ء[1] میں ڈھاکے کے کلکٹر نے لکھا کہ "نہایت غور و فکر کے ساتھ میں اس قدر بڑا تختہ (برائے نیلام) بھیجنے پر مجبور ہوا ہوں کیونکہ مجھے کامل اعتماد ہے کہ بقایا، زمینداروں کی کسی بدنظمی سے نہیں نکلی ہے بلکہ اس کا باعث زبردست تعلقداروں کی مقدمہ بازی ہے جو ادائے مالگزاری سے بچنے کے لیے عدالت دیوانی میں مقدمے دائر کرتے ہیں"۔ ۱۷۹۷ء میں ان علاقوں کو جن کی مالگزاری ۸۵،۳۵۵ روپیے یا مالگزاری ضلع کے دو تہائی حصے سے زیادہ تھی ڈھاکے میں نیلام کرنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۷۹۹ء میں ضلع کی بقایائے مالگزاری ۱۲۱۰۴۰ روپیے تھی اور ۱۸۰۱ء میں ۲۰۸۲۶۶ روپیے اور ۱۸۰۰ء میں نیلام شدنی علاقوں کی مالگزاری ۱۴۸۴۹۲۴ روپیے تھی۔ علاوہ بریں یہ صورت حالات ضلع ڈھاکہ کے لیے مخصوص نہ تھی۔ ۱۷۹۷ء میں سارے دوامی بندوبست یافتہ رقبے میں ایسے علاقوں کو جن کی مالگزاری ۲۹۰۰۰۰ روپیے یا جملہ مالگزاری کی گیارہ فی صدی تھی نیلام کرنے کا حکم دیا گیا اور ان میں نصف سے زیادہ علاقے حقیقتہً فروخت کر دیے گئے۔ سال مابعد میں نیلاموں کی اصل رقم ان علاقوں کے برابر ہوئی جو جملہ مالگزاری کا فی صدی نواں حصہ ادا کرتے تھے لیکن آمدنی نیلام سے رقم بقایا کی تکمیل نہ ہو سکی۔ یہ کمی حکومت کے صریح نقصان کا باعث ہوئی۔[2]

نیلام میں مشکلات :- معلوم ہوتا ہے کہ نیلام کی کارروائی کے نتائج سراسیمگی کا سبب بن گئے اور اکثر نیلامی علاقوں کے لیے خریداروں کا ملنا ناممکن تھا۔ ۱۷۹۹ء میں ڈھاکے کے متعدد نیلام شدنی علاقوں کے لیے ایک بولی بھی نہ آئی۔

۱۔ مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ، اگست ۱۷۹۵ء۔ ۲۔ رُوداد پنجم صفحہ ۵۶۔

۱۷۹۹ء اور ۱۸۱۰ء کے درمیانی سنین میں حکومت بولی بولنے والوں کے موجود نہ ہونے سے سارے ضلع کے دو نہایت زرخیز پرگنے لے لینے پر مجبور ہو گئی۔ کلکٹر[1] نے لکھا کہ "زمیندار یہ جان کر باقی دار بنتے ہیں کہ کوئی خریدار (ان کے علاقوں پر) قابض نہیں ہو سکتا"۔ یہ صحیح ہے کہ دیگر اسباب بھی اپنا عمل کر رہے تھے جن کے باعث اس سراسیمگی میں تیزی کے ساتھ اور الجھن پیدا ہو گئی لیکن یہ فوری و مستقل نیلام کا قانون ہی تھا جس نے ان اسباب کو خوب نمایاں کر دیا۔

انتظامی اصلاح کی مساعی :- پس یہاں تک دوامی بندوبست کے فوری نتائج، مالگزاری ادا کرنے والی ایجنسی کو ایک مستقل بنیاد پر قائم کرنے کی بجائے اس ایجنسی کی بیخ کنی کر رہے تھے اور بندوبست مذکور بظاہر ایک اعلیٰ ایجنسی کی تشکیل میں ناکام نظر آرہا تھا جو لارڈ کارنوالس کی رائے میں واقعات کی قدرتی رفتار کے ساتھ ساتھ ادنیٰ زمینداروں کو تباہ و برباد کر دیتی۔ بقایائے مالگزاری ۱۷۹۹ء سے نظم و نسق کے ہر زمانے کی بہ نسبت زیادہ تھی۔ طریق بندوبست کی انقلاب آفریں نوعیت کا خیال کرتے ہوئے شاید یہ نتیجہ خلاف توقع نہ ہونا چاہیے۔ اس عقدے کو نظم و نسق کے ذریعے سے اس طرح حل کیا گیا کہ عدالتوں کی تعداد بڑھائی گئی اور ان کا معیار کاربلند کر دیا گیا اور ایک ضابطہ جو کاشتکاروں میں اب بھی دہشت خیز ہفتم[2] کے نام سے مشہور ہے نافذ کیا گیا جس کی رو سے زمینداروں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ اپنے اسامیوں کی جائیداد کو لگان کی وصولیابی کے لیے قرق کر لیں تاہم ان اصلاحات سے اصل عقدہ حل نہ ہو سکا اور اس لیے تحصیل وصول میں بہت تھوڑی ترقی ظاہر ہوئی ۱۸۰۱ء[3] میں ایک کلکٹر نے لکھا کہ "قرقی شاذ ہی کامیابی کے ساتھ انجام پاتی ہے اگر اس غرض کے لیے معدودے چند لوگ متعین ہوں تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور اگر لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہو تو مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اسامی ان کے خلاف محکمۂ کوتوالی میں شکایتیں کرتے ہیں اور باقی دار تمام قیمتی مال و اسباب عموماً اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں چھپا دیتے ہیں۔ کوتوالی تادیبے کے بغیر

---

1. مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ ۱۰ فروری ۱۷۹۹ء۔

2. ضابطہ ہفتم ۱۷۹۹ء۔

3. مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۰۱ء۔

گرفتاری عمل میں نہیں لاتی اور سرسری نالشوں میں صرفِ کثیر کے علاوہ تاخیر بھی ہوتی ہے" بہرکیف قوانینِ نیلام کے خلاف شورش جاری رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ نظم و نسق پر عام انتشار کا اس حد تک اثر پڑا کہ سنہ ۱۸۱۲ء میں یہ تجویز کی گئی کہ ایک مجموعی بھاری رقم ادا ہو کر جملہ مالگزاری کی بیباقی ہو جائے۔ غالباً طبعی طور پر یہ تجویز بالآخر متروک ہو گئی۔

فوری ناکامی کا اصلی سبب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوامی بندوبست کے نفاذ کے بعد جو پریشانی رونما ہوئی اس کی خاص وجہ مالکان اراضی کی سرکشی تھی جو قوانین نیلام کی تنسیخ چاہتے تھے۔ اس شورش نے حکومت کو تو کچھ تھوڑا سا نقصان پہنچایا مگر غیر منقولہ جائیداد کے مالکوں کی ایک بڑی تعداد کو بالکل برباد کر دیا۔ دوامی بندوبست کے اعلان کو جب پندرہ سال گزر چکے تو ضوابط نے بآسانی اپنا عمل شروع کیا۔ مالگزاری سرعت کے ساتھ وصول کی گئی اور نیلام کا عام رجحان غیر ضروری ہو گیا۔ یہ کسی جدید قانون سازی کا نتیجہ نہ تھا اور نہ اس کا باعث جیسا کہ رُوداد بنجم میں مذکور ہے وہ صحیح تجاویز تھیں جو حکومت نے اختیار کی تھیں۔ اس زمانے کے سرکاری کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون ضبطی کا کچھ اثر نہ تھا اور یہ کہ کاشتکاروں کی سرکشی کو معمولاً زمینداروں کی سختی کے عذر کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ضوابط کے سہل تر طریقے پر عمل پذیر ہونے کا سبب خاصکر شورش کا تدریجی ازالہ تھا اور نیز اس کا باعث اس امر واقعہ سے زمینداروں کی تسلی تھی کہ قانون نیلام معرض التوا میں آگیا۔ ایک جماعت کی حیثیت سے زمینداروں کو آخری فوائد اس طور پر حاصل ہوئے کہ ان کا منافع جو دوامی بندوبست کے وقت مالگزاری کا 1/10 یا 1/11 حصہ شمار ہوا انقلاب بڑھ کر تخمیناً 9/10 حصے کے اعلیٰ تناسب تک پہنچ گیا۔

۲۔ **اقل شرح مالگزاری کا یقین دلانا**: اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دوامی بندوبست نے اقل شرح مالگزاری کی وصول یابی کا یقین دلایا لیکن یقیناً مالگزاری اس مالگزاری سے کم تھی جو سنہ ۱۷۹۳ء میں دواماً مقرر ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۱۲ء[1] میں ڈھاکے کے کلکٹر نے لکھا کہ "میں نہیں سمجھتا کہ کس طرح کسی پیش شدہ تعدادوں کی تحصیل وصول کا اوسط لے کر ایک واجبی لگان دوامی طور پر مقرر ہو سکتا ہے اور مجھے اس کا بہت زیادہ خوف ہے کہ حکومت دہ سالہ بندوبست کے اختتام

---

[1] مجلس مال کے نام کلکٹر ڈھاکہ کا مراسلہ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۸۱۲ء۔

مقررہ لگان کے دوامی ہونے کا اعلان کر کے آخر میں لازماً بہت بڑا خسارہ اٹھائے گی"۔ وہ اسباب جو مالگزاری میں اُس کمی کا باعث ہوئے پہلے ہی بتائے جا چکے ہیں اور یہاں اُن کے صرف ایک مختصر بیان کی ضرورت ہے:

(ا) جب کوئی علاقہ بقایائے مالگزاری کی وجہ سے فروخت ہوتا تھا اور قیمت فروخت رقم بقایا سے کم ہوتی تو حکومت کو مالگزاری کا عارضی نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔

(ب) جب بقایائے مالگزاری سے متعلق کسی علاقے کے نیلام میں کوئی بولی نہ آتی تھی تو حکومت علاقے کو معمولاً اُس سے کم مالگزاری پر اٹھا دیتی تھی۔ یہ عمل مالگزاری میں مستقل تخفیف کا باعث ہوتا تھا۔

(ج) بعض صورتیں ایسی تھیں کہ بندوبست تو کر دیا جاتا تھا لیکن بقایا نکلنے پر علاقے کی اراضی کا پتہ نہ چل سکتا تھا اور مجموعی مالگزاری میں کمی ہو جاتی تھی۔

(د) جب ایک علاقے کا کوئی حصہ دریابرد ہو جاتا تھا تو بالعموم اس علاقے کی مالگزاری میں مستقل تخفیف روا رکھی جاتی تھی۔ اس وقت اس جدید اراضی کی جو دریاؤں کے پیٹھوں میں پیدا ہو جاتی تھی تشخیص لگان کے لیے کوئی آلات موجود نہ تھے۔

ایسے کوئی اعداد نہیں ہیں جن سے ہر عنوان کے تحت حکومت کے واقعی نقصان کو دکھانا ممکن ہو سکے۔ ڈھاکہ میں بندوبست کے ابتدائی تین سال میں کمی کی مقدار تقریباً بیس ہزار روپیہ یا مطالبۂ مالگزاری کی ۱٫۶۶ فی صدی تھی لیکن یہ غیر اغلب ہے کہ یہ بلند اوسط سارے بنگال میں برقرار رہا ہو۔ اُس کمی کی خاص وجہ بلاشبہ وہ خرابی تھی جس سے گرانٹ خوف زدہ ہو چکا تھا یعنی مالگزاری کی غیر منصفانہ تقسیم:

مالگزاری کا اضافہ مابعد:— بہرکیف ۱۸۱۹ء سے نظم و نسق کا زور اس درجہ بڑھ گیا کہ یہ ممکن معلوم ہوا کہ اُس اراضی مالگزاری کی جو غیر آئینی طور پر مالگزاری سے معاف تھی اور نیز اس اراضی کی جو دوامی بندوبست کے نفاذ کے بعد دریاؤں کے پیٹھوں میں پیدا ہو گئی تھی تشخیص کے ذریعے مالگزاری میں اضافہ کرنے کی غرض سے قانون وضع کیا جائے۔[1]

---

[1] ضابطۂ دوم ۱۸۱۹ء۔

مالگزاری میں مزید اضافہ اس فیصلے کی بنا پر حاصل ہوا کہ ان علاقوں میں جنہیں حکومت نے بقایائے مالگزاری سے متعلق نیلاموں میں خرید لیا ہے کاشتکاروں سے براہ راست واسطہ رہے اور اس طرح حکومت ان نقصانوں سے محفوظ رہے جو دلالوں کے منافعوں کے باعث ہوا کرتے ہیں۔ اس تجاویز کا نتیجہ آخر کار یہ نکلا کہ دوامی بندوبست یافتہ خطہ جات کی مالگزاری میں بڑا اضافہ ہوگیا۔

۳۔ نظم و نسق کی دوسری شاخوں کے لیے عہدہ داروں کو آزادی دے دینا۔ اس مدعا کے حصول کے لیے کئی سال درکار تھے۔ دوامی بندوبست کے اعلان کے بعد بیس سال سے زائد مدت تک کلکٹر کا وقت (جو واحد اہم انتظامی عہدہ دار تھا) باقی دار زمینداروں کے نام اطلاعیں جاری کرنے، علاقوں کے نیلام اور کاربند نیلام کرنے اور حکومت کے خرید کردہ علاقوں کا انتظام ٹھیک کرنے ان کے انتظام کے لیے خاطر خواہ بندوبست کی کوشش کرنے میں صرف ہوتا تھا۔ یہ گویا بہتر کار یا غیر بندوبست یافتہ علاقے تھے جو ضروری پیمائش و بندوبست و تحقیقات حقیقت کی لازمی تحقیقات کے بغیر چھوڑ دیے گئے تھے۔ کاشتکاروں کے حقوق کو مناسب طور پر مکمل کرنے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ [illegible] میں قانون گو کا عہدہ بالکل برخاست ہوچکا تھا لیکن [illegible] میں یہ ضروری معلوم ہوا کہ اس دفتر کی بحالی پر غور کیا جائے تاکہ اس کمی کی کچھ تلافی ہوجائے جو کلکٹر اپنے زیر نگرانی علاقوں کی معلومات میں رکھتا ہے۔[1] [illegible] میں یہ دفتر بنگال میں پھر قائم کیا گیا جس کے نتائج درد انگیز ثابت ہوئے۔ پھر زمینداروں کی سرکشی از سر نو تازہ ہوگئی جس سے ان کے علاقوں کی مالیت اور عام حالات کے متعلق جدید تحقیقات رک گئی اور اس موقع پر تو ان کی سرکشی برابر جاری رہی۔ انتظام مالگزاری کا بار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ [illegible] میں یہ ضروری ہوگیا کہ کلکٹر کو اس کے فرائض کے کچھ حصے سے نجات دلانے کے لیے کمشنران مالگزاری کا تقرر کیا جائے۔[2] [illegible] میں پہلے پہل ڈپٹی کلکٹر مقامی نظم و نسق میں کلکٹروں کی امداد کی غرض سے مقرر کیے گئے۔ یہاں تک دوامی بندوبست طرز مالگزاری کو آسان کرنے کی بجائے حکومت کو انتظام مالگزاری کی گراں پیچیدہ صورت میں مبتلا رکھا تھا۔

۴۔ وسعت زراعت کو ترقی دینا۔ [illegible] میں حکومت یہ معلوم کرنے کے لیے تحقیقات

۱۔ ضابطہ اول [illegible]۔

۲۔ ضابطہ نہم [illegible]۔

عمل میں لائی کہ دوامی بندوبست کے آغاز سے زراعت میں کس قدر فروغ ہوا۔ ڈھاکے میں دہ سالہ مدت کی ترقی کا اندازہ سوا چھ فی صدی کیا گیا۔ یہ وہ اوسط تھا جو دوامی بندوبست یافتہ خطے کے عظیم تر حصے پر منطبق ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ترقی غیر معمولی زرعی خوش حالی کے زمانے میں واقع ہوئی تھی۔ سر جان شور نے سابق میں اندازہ لگایا تھا کہ زراعت میں بلحاظ تناسب زیادہ تر ترقی اٹھارہ سال کی اس مدت میں ہوئی تھی جس کے بعد ۱۷۷۰ء کا قحطِ عظیم نمودار ہوا تھا اس میں شبہ نہیں کہ ۱۷۹۳ء کے زمانۂ مابعد میں توسیع زراعت کلیتہً قدرتی اسباب پر منحصر تھی مثلاً آبادی کا طبعی اضافہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دوامی بندوبست کے وضع کرنے والوں نے امن و امان اور عمدہ حکومت کے زمانے میں زراعت کی وسعت پر قدرتی اسباب کے اثرات کو سنجیدگی کے ساتھ ملحوظ نہیں رکھا۔ سابق نظم و نسق کے بالمقابل ایسے عہدِ زرّین کا تخم بلا شبہ کارنوالس کے مجموعۂ قوانین نے بویا تھا لیکن اس طرح کے نتائج کو اس ضابطے سے منسوب کرنا غلطی ہے جس نے بندوبست کی جڑیں مضبوط کر دیں۔ اس زمانے کے واقعات میں اور نہ انتظامِ زمینداری کی تاریخ مابعد میں کوئی چیز ایسی موجود ہے جو یہ ظاہر کرے کہ توسیع زراعت کسی طریق پر بھی زمینداروں کی مساعی پر منحصر تھی یا یہ بتلائے کہ اسی نوع کے نتائج بندوبست کی جداگانہ صورت کے تحت نہیں حاصل کیے جا سکتے۔ دوسری طرف یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جب ایک مرتبہ ادائے مالگزاری سرکاری کا بالیقین کامل ہو جاتا تھا تو اراضی اور مالگزاری سے متعلق قانون سازی کا خاص مقصد یہ رہا ہے کہ کاشتکار کی حیثیت مستحکم کی جائے اور اسے زمیندار کی دراز دستی اور ظلم و تعدّی سے بچایا جائے۔ دوامی بندوبست نے بطور خود زراعت کی حالت پر کوئی فوری اثر نہیں ڈالا۔

ماحصل :۔۔۔ رُوداد پنجسم میں جہاں بندوبست دوامی کے مابعد کے انتظام مالگزاری میں کئی نقائص بتائے گئے ہیں وہاں یہ نتیجہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ تجویز (بندوبست دوامی) کامیاب رہی اور یہ کہ حکومت نے ان معمولی نقائص کو جو اکثر انقلاب آفریں نوعیت کی تمام اہم قانون سازی میں پائے جاتے ہیں دور کرنے میں حتیٰ الامکان کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ جہاں یہ ممکن ہے کہ نتیجے کے آخری حصے سے اتفاق کیا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ حکومتِ بنگال نے بہ حیثیت مجموعی ایک نہایت مشکل مسئلے کو نمایاں کامیابی کے ساتھ حل کیا تھا وہاں یہ

مان لینا غیر ممکن ہے کہ ۱۸۱۲ء میں جبکہ رُوداد مجلس شائع ہوئی تھی یہ فیصلہ کرنے کی کافی وجوہ موجود تھیں کہ دوامی بندوبست حکومت، زمیندار یا کاشتکار تین متعلقہ جماعتوں میں سے کسی کے لیے مفید ثابت ہوا تھا۔ یہ سچ ہے کہ بندوبست نے بظاہر مرکزی حکومت کو جنوبی ہند میں لڑائیوں سے نجات دلادی ہو مگر یہ آزادی نقد بھاری قیمت پر اندرونی انتظامی پیچیدگیوں کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ یہ آزادی صحیح یا غلط طور پر زمینداروں کی اُن جماعتوں کے صَرف سے حاصل ہوئی تھی جن کا اُس زمانے میں وجود تھا اور کاشتکاروں کے صَرف سے اس کا حصول بلاشبہ غلط ہے۔ حکومت کی حاصل کردہ آزادی محض عارضی تھی۔ زمینداروں کی جماعتوں کی تباہی گویا آیندہ نسلوں کے لیے مستقل ترکہ تھی اور کاشتکاروں کی حیثیت تو آج تک ایک نہایت مشکل ولاینحل مسئلۂ انتظامی بن کر رہ گئی ہے۔

تلخیصِ واقعات

دربارہ ارتقائے انتظام مالگزاری برطانوی

متعلقہ بنگال، بہار و اوڑیسہ

اوڑیسہ میں انگریزوں کا پہلا داخلہ	سنہ ۱۶۳۲ء
خلیج (بنگال) سے ایک علیحدہ تجارتی علاقے کی تخلیق	سنہ ۱۶۸۱ء
کلکتے، ستانوتی اور گوبندپور کے پٹے کی منظوری	سنہ ۱۶۹۸ء
کلکتے کے قرب و جوار میں اڑتیس[۳۸] گاؤں کا لاحاصل پٹہ	سنہ ۱۷۱۷ء
کلکتے پر سراج الدولہ کا قبضہ	سنہ ۱۷۵۶ء
سراج الدولہ سے معاہدہ اور سنہ ۱۷۱۷ء کے پٹوں کی توثیق	۹ر فروری سنہ ۱۷۵۷ء
پلاسی کی جنگ اور اس کے بعد ہی ناظم کی حیثیت سے میر جعفر کی سربلندی	۲۹ر جون سنہ ۱۷۵۷ء
میر جعفر سے معاہدہ اور چوبیس[۲۴] پرگنے کی تفویض	۲۰ر دسمبر سنہ ۱۷۵۷ء
دیوان کی طرف سے تفویض بالا کی توثیق	سنہ ۱۷۵۸ء
قاسم علیخاں سے معاہدہ اور اضلاع بردوان، مدناپور، چٹاگانگ کی تفویض	۲۷ر ستمبر سنہ ۱۷۶۰ء
میر جعفر سے معاہدہ اور تفویض اضلاع بالا کی توثیق	۶ر جولائی سنہ ۱۷۶۳ء

سنہ ۱۷۶۴ء	میجر ہکٹر منرو کی فتح بہ مقام بکسر
۱۲؍اگست سنہ ۱۷۶۵ء	دیوانی کا عطیہ، سابقہ تفویضات کی توثیق اور بہ حیثیت نائب دیوان محمد رضا خاں کا تقرر
سنہ ۱۷۶۹ء	نگران کاروں کا تقرر
سنہ ۱۷۷۰ء	پٹنے اور مرشد آباد میں مجالس مال کا قیام
۱۱؍مئی سنہ ۱۷۷۲ء	فرائض دیوان کی بابت کمپنی کی ذاتی ذمہ داری، نائب دیوان کے عہدے کی موقوفی اور کلکٹروں کا تقرر
سنہ ۱۷۷۲ء	مجلس دورہ کا تقرر اور پنج سالہ بندوبست کا آغاز
سنہ ۱۷۷۳ء	کلکٹروں کی برطرفی اور نگران کار مجلسِ مال و صوبجاتی مجالسِ مال کا قیام
سنہ ۱۷۷۶ء	امینوں کی تعیناتی
۸؍فروری سنہ ۱۷۸۱ء	نگران کار مجلس اور صوبہ جاتی مجالس کی برخاست، کمیٹی مالگزاری کا قیام اور کلکٹروں کا دوبارہ تقرر
سنہ ۱۷۸۴ء	قانون تنظیم کا نفاذ
۳۰؍دسمبر سنہ ۱۷۸۴ء	گرانٹ کے رسالہ "سیاسی بندوبست شمالی سرکار" کی اشاعت
۷؍اپریل سنہ ۱۷۸۶ء	نظم و نسق کی اصلاح یافتہ اسکیم اور بہ حیثیتِ سررشتہ دار مال گرانٹ کا تقرر
۲۷؍اپریل سنہ ۱۷۸۶ء	گرانٹ کی "شرح مالیہ بنگال" کی اشاعت
۱۲؍جون سنہ ۱۷۸۶ء	کمیٹی مالگزاری کی برخاست اور مجلس مال کا قیام
۱۲؍ستمبر سنہ ۱۷۸۶ء	ہندوستان میں لارڈ کارنوالس کی آمد
۲۱؍جنوری سنہ ۱۷۸۷ء	صدر مجلس کی رکنیت پر شور کا تقرر
۲۸؍فروری سنہ ۱۷۸۸ء	گرانٹ کے رسالہ "محاصل بنگال پر تاریخی اور مقابلتی نظر" کی اشاعت
۱۸؍جون سنہ ۱۷۸۹ء	شور کی پہلی یاد داشت

شور کی پہلی اور دوسری یادداشت اور لارڈ کارنوالس کی پہلی یادداشت	۱۸ ستمبر ۱۷۸۹ء
دہسالہ بندوبست بہار کے لیے ضوابط کا اجرا	۱۰ ستمبر ۱۷۸۹ء
شور کی چوتھی یادداشت	۲۱ دسمبر ۱۷۸۹ء
لارڈ کارنوالس کی آخری یادداشت	۳ فروری ۱۷۹۰ء
دہسالہ بندوبست بنگال کے لیے ضوابط کا اجرا	۱۰ فروری ۱۷۹۰ء
مجلس نظماء کا مراسلہ اور بندوبست دوامی کی منظوری	۱۹ ستمبر ۱۷۹۲ء
بندوبست دوامی کا اعلان	۲۲ مارچ ۱۷۹۳ء

نقل

رُوداد پنجم

از

مجلسِ منتخبہ دارُ العوام

متعلقہ

معاملات ایسٹ انڈیا کمپنی

۲۸ جولائی ۱۸۱۲ء

رُودادِ پنجم ۱۸۱۲ء

فہرست مضامین

رُوداد پنجم

از

مجلس منتخبہ

متعلقہ

معاملات ایسٹ انڈیا کمپنی

جو مجلس منتخبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کی موجودہ صورتِ حالات کی تحقیقات کرنے اور اپنے مشاہدات کے ساتھ ساتھ اس تحقیقات کی جیسی کہ وہ اس کی نظر میں ثابت ہو دارالعوام کو کیفیت دینے کے لیے مقرر ہوئی تھی اس نے بہ متابعت حکم دارالعوام، امورِ مفوضہ کو جانچا اور رُودادِ ذیل پر اتفاق کیا۔

آپ کی مجلس نے سابق رُودادوں میں داخلی نظم و نسق ہند کے وسیع انتظامات پر جن میں بڑی اہمیت کے ساتھ مالگزاری کا ذکر کیا گیا ہے توجہ کرنے کے بعد اور ایک وافر افزونی کی توقعات کو بڑی حد تک متاثر کرتے ہوئے اس امر کو اپنے فرائض میں داخل سمجھا ہے کہ انتظاماتِ مذکور کی نوعیت و تاریخ کا نیز اُن حالات کا جن کے تحت موجودہ درجے

تک انہیں ترقی دی گئی ہے کچھ بیان پیش کیا جائے اور امید قوی ہے کہ دار العوام کے نزدیک یہ بیان قابل قبول ہو گا نہ صرف اس لحاظ سے کہ وہ ملک کے امن و امان اور فلاح و بہبود کے لیے ان انتظامات کے اہم و مفید ہونے کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ اس مسلسل فکر و کاوش کو ثابت کرتا ہے جو اُن اشخاص کی مساعی پر اثر انداز ہوئی ہے جنہیں ہمارے ہندوستانی مقبوضات کی حکومت ایک ایسے طریق نظم و نسق کے قائم کرنے کے لیے سونپی گئی ہے جو دیسی باشندوں کا اعتماد بڑھائے اور ان کی تالیفِ قلوب میں بہترین متصور ہو اور طریق مذکور میں ان کے خاص ادارات کا احترام اس جد و جہد سے کم نہ ہو جس کے ذریعے ان میں بتدریج ایسی ترقیوں کو شامل کیا جاتا رہے جن سے یکساں طور پر قانون کی حمایت کے تحت اہل ملک کا ہر طبقہ قوت کے جور و ستم سے محفوظ رہ سکے اور اہل ملک میں تحفظ اور اعتمادِ انصاف کا وہ جذبہ پیدا ہو جو ہر طرح کی عام آسودگی و خوشحالی کا موثر سرچشمہ ہے۔

یہ انتظامات سیاسی، فوجی، مالی اور عدالتی شعبہ جات میں باہم منقسم ہیں ۱۷۹۳ء[1] کے قانون میں ضوابط کے ذریعے سے سیاسی انتظامات کی کافی تشریح کی گئی ہے جس کے باعث اس موضوع پر کسی تفصیلی بحث میں پڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور محکمۂ فوج کے انتظامات کی نوعیت اور ان کی ترقی کے اسباب اس مجلس کی رُودادِ دوم میں بیان کر دیے گئے ہیں لہذا سر دست آپ کی مجلس کا یہ مقصد ہے کہ وہ خود کو محض ان انتظامات کے تذکرے تک محدود رکھے جو کارآمد محکمہ جات مال و عدالت سے متعلق ہیں۔

آپ کی مجلس سب سے پہلے احاطۂ بنگال کے انتظامات کو دار العوام کی توجہ کے لیے پیش کرے گی اور مزید توضیح کی غرض سے یہ تجویز کرتی ہے کہ موضوع عام کی اس شاخ پر اپنی رُوداد کو ذیل کے تین حصوں میں تقسیم کرے:-

۱۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی مقبوضات کی عدل گستری و انتظام محاصل سے متعلق مختلف طریق ہائے نافذ شدہ کا خلاصہ اُن مسلسل تغیرات کے ساتھ جو اُن میں حصولِ دیوانی (۱۷۶۵ء) کے وقت سے ۱۷۸۴ء تک کیے گئے جب کہ برطانوی ہند کے معاملات

---

[1] قانون منشوری، ۳۳۔ جارج سوم، باب ۵۲۔

پارلیمنٹ کے زیرِ غور رہنے کے بعد نظمائے ۱۷۸۴ء کے قانون کی بجا آوری شرائط میں ہندوستان کی صدر حکومت کو یہ احکام روانہ کیے تھے کہ اس کے زیرِ اقتدار زمینداروں اور دیگر باشندوں کے حالات کی تحقیقات کی جائے اور بندوبست و تحصیل مالگزاری اور عدل گستری کے لیے مستقل قواعد وضع کیے جائیں جو ملک کے قدیم قوانین اور مقامی رسم و رواج پر مبنی ہوں[1]:-

۲ - مذکورِ بالا احکام کی بنا پر اختیار کردہ تجاویز جن کے ذریعے سے مالگزاری کا دوامی بندوبست عمل میں آیا اور ایک مجموعۂ ضوابط اُن عدالتی محکمہ جات کی رہنمائی کے لیے نافذ ہوا جو سابق مارکوئیس کارنوالس کے عہدِ حکومت میں تشکیل پاکر مستحکم ہو گئے تھے[2]:-

۳ - مارکوئیس کارنوالس کے قائم کردہ مالی اور عدالتی طریقوں کے عملی نتائج کی تحقیقات یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا وہ طریقے کسی لحاظ سے بھی ناکافی یا ناقص ثابت ہوئے۔ آیا کوئی ذرائع ان خرابیوں کی اصلاح اور ان کمیوں کی تلافی کے لیے استعمال کیے گئے اور آیا کوئی ذرائع موجود ہیں اور اگر ہیں تو ہماری سلطنت ہند کی رعایا کے بارے میں آیندہ کون سی تجاویز کمپنی اور قانون ساز جماعت دونوں کے اعلان کردہ مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری معلوم ہوتی ہیں[3]:-

---

[1] علیحدہ مراسلۂ عام مورخہ ۱۲ اپریل ۱۷۸۶ء ملاحظہ ہو حصۂ اول، باب سوم۔

[2] علیحدہ مراسلۂ عام مورخہ ۱۲ اپریل ۱۷۸۶ء۔ ملاحظہ ہو حصۂ اول۔ باب چہارم، پنجم، ششم و ہفتم۔

[3] علیحدہ مراسلۂ عام مورخہ ۱۲ اپریل ۱۷۸۶ء۔ ملاحظہ ہو حصہ اول، باب ہشتم۔

حصۂ اول

سنہ ۱۷۸۴ء سے قبل کی حکومت (داخلی) کے مختلف طریقوں

کا

خلاصہ

اگست سنہ ۱۷۶۵ء میں شاہی فرمان کے ذریعے سے صوبہ جات بنگال، بہار و اڑیسہ کی سند دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو دوامی طور پر عطا کی گئی۔ نواب بنگال نجم الدولہ اپنے باپ جعفر خاں[1] کے انتقال پر مسند[2] نشین ہونے کی صورت میں صوبہ داری کے نظم و نسق کو ایک ایسے نائب[3] کے زیر انتظام رکھنے پر پہلے ہی سے رضامند ہو چکا تھا جو گورنر باجلاس

---

[1] عام طور پر میر جعفر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سنہ ۱۷۵۷ء سے سنہ ۱۷۶۱ء تک اور سنہ ۱۷۶۳ء سے سنہ ۱۷۶۵ء تک ناظم رہا۔ ملاحظہ ہو حصۂ اول، باب اول۔

[2] مسند سے تخت مراد ہے۔ یہ طرز بیان (یعنی لفظ مسند کا استعمال) غیر صحیح ہے کیونکہ نواب یا ناظم مغل شہنشاہ کا ایک عہدہ دار تھا نہ کہ بادشاہ۔

[3] محمد رضا خاں۔

کونسل کے مشورے سے مقرر ہو۔ ایک اور معاہدہ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۷۶۵ء کی بنا پر نواب نے کمپنی کے نام دیوانی کی منظوری کو تسلیم کر لیا اور خود اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کے لیے وہ ایک مقررہ وظیفہ قبول کرنے پر راضی ہو گیا اور یہ امر بھی طے ہو گیا کہ نظامت کی عظمت برقرار رکھنے کے واسطے معین حدود کے اندر جو کچھ مزید خرچ ناگزیر سمجھا جائے گا وہ اس نائب کے توسط سے ہوگا جسے انگلستان کی حکومت منتخب کرے۔

سال مابعد میں فورٹ ولیم کی مجلس کے صدر (لارڈ کلائیو) نے دیوان یا مغل شہنشاہ کے کلکٹر مالگزاری کی حیثیت سے اپنے عہدے پر کام کرنا شروع کیا اور نواب سے جس نے ناظم کی حیثیت اختیار کی مشورہ کر کے بمقام موتی جھیل[1] نزد مرشد آباد پونیہ[2] (یعنی دربار[3] میں سالانہ وصولیابی کے آغاز کی رسم) کا افتتاح کیا۔ اس وقت سے ناظم و دیوان کے فرائض علانیہ طور پر برطانوی حکومت انجام دینے لگی۔ فرائض دیوان تو شہنشاہ کی منظوری کی بنا پر اور فرائض ناظم اس رسوخ کی بدولت جو اُسے نائب کی بارگاہ میں حاصل تھا تکمیل پانے لگے۔ خود نواب ناظم حقیقتہً وظیفہ خوار ریاست بننے پر راضی ہو چکا تھا۔

لیکن ملک کی دیوانی و فوجی قوت اور اس کے ذرائع پرورش کی اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی ذمہ دار گردانی گئی تاہم مقامی حکومت یا نظما نے اسے دانشمندانہ فعل تصور نہیں کیا کہ مالگزاری کے براہ راست انتظام یا عدل گستری کے انصرام کو یورپین ملازموں کے سپرد کر دیا جائے۔ واقعی اس بات پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آیا یورپین ملازمین اس زمانے میں ملکی ادارات اور ملک کے اندرونی حالات کا عام طور پر ایسا کافی علم رکھتے تھے جس سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا یا نہیں۔ دربار نواب کا جو رزیڈنٹ[4] نائب دیوان[5] اور سردار پٹنہ کے انتظام کا معائنہ کرتا تھا اور شتاب رائے[6] کے براہِ راست انتظام کے تحت صوبہ بہار

---

۱ موتی جھیل۔ یہ ناظم کی جائے سکونت تھی۔

۲ پونیہ یعنی سال بھر کے لگان کی تحصیل شروع کرنے کی رسم جو اب بھی بنگال کے زمینداروں میں رائج ہے۔ پونیہ کے لفظی معنی مقدس یوم کے ہیں۔

۳ مجلس شاہی۔

۴ اس عہدہ کا پورا خطاب "درباری رزیڈنٹ" تھا۔

۵ محمد رضا خاں۔

۶ راجہ شتاب رائے صرف بہار کا نائب دیوان تھا۔

کی وصولیابیوں کا اہتمام کرتا تھا اس نے اُن اضلاع کے دیوانی نظم ونسق پر کافی نگرانی نہیں رکھی جو عطیۂ دیوانی میں شامل تھے اور کلکتے کے زمینداروں کی اراضی چوبیس[2] پرگنے اور بردوان، مدناپور و چٹاگانگ کے اضلاعِ مفوضہ جو ابتدائی زمانے میں نواب بنگال کی خاص منظوری سے حاصل کر لیے گئے تھے کمپنی کے ملازمانِ متعہد کے زیرِ اہتمام تھے۔

۱۷۶۹ء میں نگرانکار[1] اختیارات کے ساتھ اُن ہندوستانی عہدہ داروں پر نگرانی کی غرض سے مقرر کیے گئے جو تحصیل مالگزاری یا عدل گستری کے لیے مختلف حصص ملک میں مامور تھے اور سال مابعد میں مجالس[1] اعلیٰ اقتدار کے ساتھ مرشد آباد اور پٹنے میں قائم کی گئیں۔ نگرانکاروں کو مفصل ہدایات دی گئیں کہ وہ صوبوں کی مختصر تاریخی معلومات حاصل کریں مثلاً اراضی کی حالت، پیداوار و قوت، محاصل کی رقم، ابواب یعنی محصول زائد اور ہر قسم کے وہ تمام مطالبات جو کاشتکاروں پر عائد کیے جاتے ہیں، ان کا طریق وصولیابی، ہر جدید محصول کا تدریجی اضافہ اور تجارت و عدل گستری کے ضوابط[ب]۔

اس تحقیقات کی بنا پر جو کیفیت نظما کو ارسال کی گئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داخلی حکومت، بدنظمی کی حالت میں تھی اور رعایا بڑے مظالم برداشت کر رہی تھی۔ یہ برائیاں سابق نظم ونسق کی نوعیت سے منسوب کی گئیں۔ یہ دیکھا گیا کہ[ج] "ناظم جو کچھ ممکن ہو وہ زمینداروں اور بڑے بڑے مالگزار کاشتکاروں سے وصول کرتے تھے جنہیں ناظموں نے ان کے تمام ذیلی لوگوں کو لوٹنے کی آزادی دے دی تھی اور بطور معاوضہ ایسے وقت خود انہیں لوٹنے کا خاص حق اپنے لیے محفوظ کر رکھا تھا جب کہ یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ ملک کی لوٹ کھسوٹ سے مالا مال ہو گئے ہیں"۔ پس کلیتہً یہ طریقہ اس پر منتج ہوا کہ سرکاری عہدہ دار حسب عادت استحصال ناجائز اور ناانصافی کے مرتکب ہوتے

---

[1] نگرانکار مجالس مال جو ۱۷۷۰ء میں قائم ہوئیں۔

[ب] صدر اور مجلس منتخبہ کی کارروائیاں مورخہ ۱۶ اگست ۱۷۶۹ء۔ مجموعۂ ضوابط و قوانین بنگال کا ضمیمۂ کول بروک صفحہ ۱۷۴۔

[ج] فورٹ ولیم کی مجلس اور مدد کا مراسلہ مورخہ ۳ نومبر ۱۷۷۲ء۔

تھے جس سے کاشتکاروں کے لیے یہ قدرتی اسباب پیدا ہو جاتے تھے کہ وہ مال و متاع کو چھپائیں اور ادائے لگان سے پہلو تہی کریں اور اس کے باعث حکومت اپنے جائز مطالبات کے ایک معتدبہ حصے سے محروم ہو جاتی تھی۔

عدل گستری کے بارے میں ضابطے کا عمل ہر جگہ موقوف تھا لیکن ہر وہ شخص جو اپنے فیصلوں کے منوانے پر دوسروں کو مجبور کرنے کی طاقت رکھتا تھا اس (ضابطے) کا استعمال کرتا تھا"۔

حصول دیوانی کو سات سال گزر چکے تھے مگر حکومت اپنے کو نقائص مذکور کے رفع کرنے کے قابل نہ سمجھ سکی۔ اسی اثنا یعنی سنہ ۱۷۷۲ء میں فورٹ ولیم کی مجلس اور صدر کو ایسے اختیارات عطا کیے گئے جن کی مدد سے وہ ایک ضابطۂ اصلاح نافذ کر سکے۔ یہ ضابطہ گویا اس تجویز کا اعلان تھا جس پر مجلس نظما اتفاق کر چکی تھی "یعنی دیوان کی حیثیت اختیار کرنا اور ملازمان کمپنی کی ایجنسی کے ذریعے سے محاصل کی کامل نگرانی و انتظام کا بار اپنے اوپر لینا"۔

اس موقع پر جو احکام صادر ہوئے اُن کی متابعت میں نائب[1] دیوان کا عہدہ منسوخ[3] کیا گیا اور داخلی حکومت کا اعلیٰ نظم و نسق برطانوی ایجنسی کے تفویض ہو گیا۔ ایک کمیٹی نے جو گورنر (مسٹر ہیسٹنگز) اور چار ارکانِ مجلس اعلیٰ پر مشتمل تھی صوبوں کے انتظامِ مالگزاری و عدل گستری اور احاطے کے سرکاری معاملات کی تنظیم و انجام دہی کے لیے ایک تجویز پیش کی۔

کمیٹی کی اس پیش کردہ تجویز کو اختیار کرنے سے داخلی حکومت کے ادارے حسب ذیل قرار[4] پائے۔

اول۔ احاطے کے محکمۂ مال میں ایک مجلس[2] مال مقرر ہوئی جس میں صدر ارکان مجلس اعلیٰ ایک صدر محاسب اور اس کے مددگار شامل تھے۔ خالصہ اور خزانہ مرشد آباد سے کلکتے میں

---

[1] محمد رضا خاں نائب دیوان تھا۔ یہ سنہ ۱۷۷۲ء تک بہ حیثیت نائب ناظم مامور رہا (ملاحظہ ہو تاریخ ڈھاکہ صفحہ ۱۱۸)۔

[2] یہ مجلس، مالگزاری کی کمیٹی تھی۔ حقیقی مجلس مال ۱۲ جون سنہ ۱۷۸۶ء تک قائم نہیں ہوئی تھی۔

[3] شاہی اعلان مورخہ ۱۱ مئی سنہ ۱۷۷۲ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۸۹۔

[4] ضوابط مورخہ ۲۹ اگست سنہ ۱۷۷۲ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۹۴۔

منتقل ہوئے۔ خالصے پر ہندوستانی عہدہ دار خاصی تعداد اور قابلیت کے ماہور کیے گئے جو اہم و کثیر امور متعلقہ کے لیے موزوں تھے اور یہ امور اُن تمام ضروری کاروبار کے اجمالی و تفصیلی حسابات اور مراسلت پر مشتمل تھے جن کا تعلق ہر ضلع کے ایسے بندوبست و تحصیل مالگزاری سے تھا جو اسلامی حکومت کے منظور شدہ قواعد و نافذہ اصول کے بموجب ہو۔ صوبوں کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ چونکہ کمپنی دیوان کی حیثیت اختیار کرنے کا مصمم قصد کر چکی ہے، اس لیے نگران کاروں کو اب کلکٹروں کے نام سے موسوم کرنا چاہیے اور ایک ہندوستانی عہدہ دار کو جس کا انتخاب مجلس کرے اور جو دیوان کہلائے ان کلکٹروں کے ساتھ انتظام مالگزاری میں شریک رکھنا چاہیے[ف]۔ مالگزاری کی بابت پانچ سال کی مدت کے لیے ایک بندوبست[۱] منظور ہوا اور مذکور الصدر کمیٹی کے چار جدید الخدمت ارکان[*] فیصلہ بالا کی اغراض کو عملی جامہ پہنانے کے اختیارات کے ساتھ تمام حصص صوبہ جات کے دورے پر روانہ ہو گئے۔[گ]

دوم۔ محکمۂ عدالت سے متعلق جو ضوابط وضع ہوئے تھے ان کے تحت ہر صوبہ جاتی علاقے یا کلکٹری کے لیے دو عدالتیں قائم کی گئیں "ایک عدالت (سیول کورٹ) مقدمات دیوانی کی سماعت کے لیے عدالت دیوانی کے نام سے اور دوسری عدالت (کریمنل کورٹ) جُرموں اور بد اطواریوں کی تحقیقات کے لیے عدالت فوجداری کے نام سے"۔ عدالت دیوانی کی صدارت من جانب کمپنی بہ حیثیت دیوانِ بادشاہ کلکٹر کرتا تھا جس کے حضور میں صوبے کا ہندوستانی دیوان اور کلکٹر کی عدالت کے دوسرے عہدہ دار ہوتے تھے۔ کلکٹر کی اس حدِ اختیار میں حقیقی یا ذاتی جائیداد کے تمام تنازعات

ف ضوابط مورخہ ۱۴ر مئی ۱۷۷۲ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۹۰۔

* سیموئل مڈلٹن (Samuel Middleton) ۔ فلپ ملنر ڈیکرس (Philip Milner Dacres) ۔ جیمس لارل (James Lawrell) ۔ جان گراہم (John Graham) [مسٹر ہیسٹنگز دورے پر نہیں گیا۔]

گ ضوابط عام مورخہ ۱۵ر اگست ۱۷۷۲ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۔

۱ یہ پنجسالہ بندوبست ۱۷۷۲ء سے ۱۷۷۷ء تک کا ہے۔

اور وراثت، شادی اور ذات پات کے کُل مقدمات اور قرضے، متنازع حسابات، اجارے، حصہ داری و مطالبہ لگان کے تمام دعاوی پیش ہوتے تھے مگر مقدمات خفیفہ میں طریق عدل کو آسان بنانے کے واسطے دس یا دس سے کم روپیے کی جائیداد کے تمام جھگڑوں کی سماعت فریقین کے متعلقہ پرگنے کے چودھری سے کرائی جاتی تھی جس کا فیصلہ قطعی ہوا کرتا تھا۔ عدالت فوجداری میں ضلع کا قاضی[1] اور مفتی اور دو مولوی موجود رہتے تھے تاکہ شرع محمدی کی تفسیر کریں اور اس امر کا تصفیہ کریں کہ مجرمین کس حد تک شریعت کی عدم پابندی کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن کلکٹر کا یہ فرض تھا کہ اس عدالت کی کارروائیوں میں شریک رہے حتیٰ کہ وہ یہ دیکھ لے کہ تمام ضروری شہادتوں کو طلب کر کے جانچا گیا ہے اور جو فتویٰ دیا گیا ہے وہ جائز اور غیر جانبدارانہ ہے۔ ان فیصلوں کے مرافعے دو اعلیٰ عدالتوں میں دائر ہوتے تھے۔ یہ عدالتیں خاص دار السلطنت میں قائم کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک دیوانی صدر عدالت (یا اعلیٰ محکمۂ عدالت دیوانی) اور دوسری نظامت صدر عدالت (یا اعلیٰ محکمۂ عدالت فوجداری) کہلاتی تھی۔ سابق الذکر صدر اور ارکان مجلس اعلیٰ پر مشتمل تھی جن کے مددگار خالصے یا خزانے کے ہندوستانی عہدہ دار تھے اور موخر الذکر میں منجانب ناظم ایک مقرر شدہ اعلیٰ عہدہ دارِ عدالت، صدر ہوتا تھا جس کے مددگار قاضی اعظم، مفتی اور تین بلند پایہ مولوی ہوتے تھے۔ یہ عہدہ دار اعلیٰ عدالت کی کارروائیوں کی نظر ثانی کرتے تھے اور سنگین مقدمات میں ناظم کی جانب سے گرفتاری کا حکم لکھتے تھے۔ اس عدالت پر صدر اور مجلس اعلیٰ کو نگرانی کا اختیار ایسا ہی دیا گیا تھا جیسا کہ صوبوں میں کلکٹروں کو حاصل تھا تاکہ دیوان شاہی کی حیثیت میں کمپنی کے ارباب نظم و نسق مطمئن رہ سکیں کہ انصاف کو جو ملک کی فلاح و بہبود اور حفاظت کے واسطے اشد ضروری ہے جانبداری یا رشوت ستانی سے ملوث نہیں کیا گیا۔

عدالت فوجداری کے نظم و نسق کی نگرانی و سربراہی کو حکومت نے خاص طور سے صدر نشین مسٹر ہیسٹنگز کے تفویض کیا تھا جس نے اٹھارھویں ماہ کے اختتام پر

---

[1] قاضی مسلمان جج کو کہتے ہیں۔ مفتی عدالتی فیصلے کا شارح اور مولوی شرع محمدی کا مُفسّر ہوتا ہے۔

فرائض کو بہت سخت اور ذمہ داری کو نہایت خطرناک سمجھ کر اپنی خدمت سے سبکدوش ہونے کی خواہش ظاہر کی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نظامت عدالت کا محکمہ پھر مرشد آباد میں منتقل کیا گیا اور محمد رضا خاں کے زیر انتظام رکھا گیا جو صوبہ دار اور مجلس اعلیٰ کی سفارش پر نائب ناظم مقرر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں مسٹر ہیسٹنگز نے کوتوالی سے متعلق ایک نئی تجویز کی سفارش کی اور اپنی مجلس اعلیٰ کے اتفاق سے اُسے نافذ کیا۔ کلکٹروں اور عاملوں (یعنی ہندوستانی مہتمموں) نے بحیثیتِ مجسٹریٹ کام کیا تھا۔ لیکن مقدم الذکر اشخاص کی برطرفی کے بعد ہندوستانی عہدہ دار جو فوجدار کہلاتے تھے اُن چودہ اضلاع یا مقامی حدود اختیار پر جن میں بنگال منقسم تھا مقرر کیے گئے اور ان کے ساتھ ایک معقول تعداد مسلح اشخاص کی بھی متعین کی گئی تاکہ باشندوں کی حفاظت اور مشہور ٹھگوں کو گرفتار کریں اور ملک کے امن سے متعلق امور کی اطلاع احاطے (صدر مقام) کو پہنچاتے رہیں۔

محکمہ جات مال و عدالت کے عہدہ داروں کی رہنمائی کے لیے جو قواعد مرتب ہوئے اور اُس وقت کی ملک کی زبانوں میں طبع کرا کے شائع کیے گئے، اُن سے اس جستجو اور خواہش کا پتہ چلتا ہے کہ بھاری محاصل کو کم کرنے کے علاوہ بہت سے نقصان دہ طریقوں کو مسدود کر کے جو ہندوستانی حکومت کے تحت پیدا ہو گئے تھے رعایا کی حالت کو بہتر کیا جائے۔ اور اس طرح انصاف پسند حکومت کے اُن اُصول کی طرف پہلا قدم اٹھایا گیا جو غالباً نظماً ہمیشہ سے قائم کرنا چاہتے تھے اور جو بعد کے اداروں کے توسط سے کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

لیکن ان جدید انتظامات کا اثر محکمۂ مال پر اس قدر مفید نہیں پڑا جس قدر کہ توقع تھی۔ پنجسالہ بندوبست، نظما کی عام ہدایات کے تحت تکمیل پا چکا تھا جن میں قرار دیا گیا تھا کہ "حکومت کو چاہیے کہ وہ کسی فوری تغیر کی رُو سے دستور کو نہ بدلے اور نہ زمینداروں وغیرہ کو اُن کے قدیم حقوق اور معافیوں سے محروم کرے"۔ اِن مختلف طریقوں پر کافی غور کرنے کے بعد جو ان احکام کے مطابق اختیار کیے جا سکتے تھے حکومت نے اراضی

مھ گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کی کارروائیاں مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۷۷۵ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۲۵۔

مط یہ بالکل غیر صحیح ہے۔ محمد رضا خاں اس سے قبل ہی ۱۷۶۵ء میں نائب ناظم یا نائب صوبہ دار مقرر ہو چکا تھا۔

کو ٹھیکے پر دینے کا طریقہ پسند کیا جس کے تحت ہر پرگنے کے متعلق مالکان اراضی یا منصوبہ بازوں اور منچلوں کی جانب سے مختلف رقمیں بولی جاتی تھیں اور جن کی بولی سب سے زیادہ ہوتی تھی اُن کے ساتھ معاہدہ کر لیا جاتا تھا۔ جس وقت یہ بندوبست کیا گیا تھا اُس وقت ملک ایک ایسے سخت قحط[1] کے اثرات سے آہستہ آہستہ آزاد ہو رہا تھا جس نے ملک کو ویران اور ایک ثلث آبادی کو برباد کر دیا تھا۔ خواہ بندوبست کے وقت بولی بولنے والوں نے اس واقعے کی طرف سے بے توجہی کی ہو یا نادانی سے شوق میں اس قدر بڑی بولیاں دی ہوں جن کا بار ملک نہیں اُٹھا سکتا تھا یہ جلد معلوم ہو گیا کہ ان میں سے اکثر اپنے معاہدوں کی پابندی سے قاصر رہے اور پنجسالہ بندوبست کے اختتام پر بقایائے مالگزاری کی ایک بڑی مقدار نکلی۔ جو قلیل کامیابی اس بندوبست میں ہوئی اس کے لحاظ سے نیز دیگر وجوہ کی بنا پر ۱۷۸۱ء[2] میں طریق نظم ونسق کی تبدیلی کی جانب ترغیب ہوئی چنانچہ صوبجات سے یورپین کلکٹروں کو واپس بلا لیا گیا اور ان کی بجائے ہندوستانی عاملوں کو مقرر کیا گیا۔[3]

تحصیل وصول کی نگرانی اب صوبہ جاتی مجلسوں سے متعلق کی گئی جو اُن چھ بڑے اضلاع کے لیے مقرر ہوئی تھیں جن میں ملک منقسم تھا اور جن کا قیام بمقام کلکتہ، بردوان، ڈھاکہ، مرشد آباد، دیناج پور و پٹنہ عمل میں آیا تھا۔[4]

عدالت دیوانی کا جو انتظام اب تک کلکٹروں کے سپرد تھا وہ بھی اسی اصول کے تحت عاملوں کو منتقل کر دیا گیا جن کے فیصلوں کے خلاف ہر مقدمے میں متعلقہ علاقے کی صوبہ جاتی مجلس میں مرافعہ دائر ہو سکتا تھا۔ اور صوبہ جاتی مجلس کے فیصلے کا مرافعہ چند قیود کے تحت صدر عدالت دیوانی یا گورنر بہ اجلاس کونسل کے پاس پیش کیا جا سکتا تھا۔ انتظام کوتوالی جو کلکٹروں سے متعلق تھا ہندوستانی افسروں کے سپرد کیا گیا جو فوجداروں کے نام سے موسوم تھے۔ ان کا تقرر نائب ناظم کرتا تھا جس کے اختیارات و فرائض محکمۂ فوجداری

---

[1] ۱۷۶۹ء سے ۱۷۷۰ء تک کا قحط عظیم ملاحظہ ہو تاریخ زرعی بنگال ضمیمہ (ب) مصنفہ سر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔

[2] یہ اصلاح ۱۷۷۳ء میں کی گئی نہ کہ ۱۷۸۱ء میں۔

[3] کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۲۰ خاکہ برائے انتظام محاصل بنگال و بہار مورخہ ۲۳ نومبر ۱۷۷۳ء۔

[4] گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کی کارروائیاں مورخہ ۱۹ اپریل ۱۷۷۴ء۔ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۲۲۔

مرشد آباد میں از سرِ نو قائم ہو گئے تھے۔

عدل گستری کا مذکورِ بالا انتظام بغیر کسی اہم تبدیلی کے سنہ ۱۷۸۰ء تک جاری رہا۔ لیکن محکمۂ مال میں جب سنہ ۱۷۷۲ء کا پنجسالہ بندوبست ختم ہونے کو آیا تو جدید بندوبست کی تیاری ضروری ہو گئی۔ اس موقع پر گورنر جنرل نے رائے ظاہر کی کہ[ل] "خواہ موجودہ پٹوں کے اختتام کے بعد اس صوبے کے بندوبست کے لیے کسی طریقے کا بھی تصفیہ کیا جائے یہ ہر صورت میں ضروری ہو گا کہ اراضی کی حقیقی حالت کی ٹھیک معلومات بہم پہنچائی جائیں اور اُن معلومات کی بنا پر بندوبست کیا جائے۔ اس کے حصول کے لیے بہت سی دفتری معلومات، بہت سے انتظامات اور انتھک کوششیں درکار ہونگی تاکہ گذشتہ وصولیابیوں کے حسابات جمع اور مرتب کیے جائیں اور اُس مواد کو اچھی طرح سمجھا جا سکے جو صوبہ جاتی مجلسوں یا دیوانوں کے ذریعے سے مہیا ہو، اور ان خاص حسابات اور دیگر معلومات کے لیے احکام نافذ کیے جائیں اور ہندوستانی عہدہ داروں کو عارضی تحقیقات کے لیے مقرر کیا جائے۔" اور اسی کے مطابق حکومت نے ان خاص اغراض کے لیے ایک ہنگامی محکمہ قائم کیا۔[م] یہ محکمہ تین نہایت تجربہ کار ملازمان دیوانی پر مشتمل تھا جن کو اختیارات دیے گئے تھے کہ وہ ہر ضلع میں امینوں کا انتخاب کر کے تقرر کریں تاکہ وہ ہر موضع کے مقامی حسابات کی اور ہر اُس چیز کی جس پر اُن کی بہترین توجہ منعطف ہو سکے باریک بینی کے ساتھ تنقیح کریں اور اراضی کی اصلی قدر و قیمت اور اس کی ٹھیک پیداوار کے متعلق صحیح ترین معلومات حاصل کریں۔

سنہ ۱۷۷۷ء میں تمام امینوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی محصلہ معلومات کے ساتھ متعلقہ صوبہ جاتی مجالس میں حاضر ہو جائیں۔ ان مجالس کے نام ہدایات اور احکام جاری ہوئے تھے کہ جدید بندوبست قایم کریں۔[ن] معلوم ہوتا ہے کہ سابق بندوبست میں سب سے زیادہ بولی بولنے والے کو رقم لگان کی حد تک اس سے ضمانت لے کر زمینیں دیدی گئی تھیں

ل گورنر جنرل کی یادداشت مورخہ یکم نومبر سنہ ۱۷۷۶ء۔

م گول بروک کا ضمیمہ ۲۰ مشاورت بابت مالگزاری مورخہ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۷۷۶ء۔

ن عمومی ضوابط برائے بندوبست و تحصیل مالگزاری نافذ شدہ ۱۶ جولائی سنہ ۱۷۷۷ء۔

لیکن اب زمیندار کو ترجیح دینا مقصود تھا اگر وہ اُس رقم پر اراضی لینے پر تیار ہو جائے جو سابق بندوبست میں مقرر تھی یا جو صوبجاتی مجلس اب مناسب سمجھے۔ اور بجائے اس سے ضمانت لینے کے یہ قرار دیا گیا کہ اس کے تحریری اقرار نامے میں اس امر کا اضافہ کر دیا جائے کہ لگان ادا نہ ہونے کی صورت میں اس کی اراضی بقایائے لگان کی وصولیابی کے لیے مستوجب فروخت ہو جائیگی۔ انھیں اصول پر اور انھیں عہدہ داروں کے ذریعے سے ۱۷۷۷ء، ۱۷۷۹ء اور ۱۷۸۰ء میں سالانہ بندوبست ہوتا رہا۔ لیکن یورپین عہدہ داروں کی نگرانی کے اس دور میں بہ نسبت ہندوستانی عہدہ داروں کے زمانے کے اوسط پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔ اس بنا پر دیگر وجوہ کے ساتھ ساتھ صدر حکومت نے انتظامات میں تبدیلی مناسب تصور کی۔ چنانچہ ۲۰ فروری ۱۷۸۱ء کو ایک نیا انتظام نافذ ہوا[ع۱]۔ حکومت نے بیان کیا کہ سابق انتظام صرف آزمایش کے طور پر اختیار کیا گیا تھا تاکہ بتدریج ایک زیادہ مستقل انتظام عمل میں آسکے۔

اس جدید انتظام کے تحت صوبہ جاتی مجلسیں برخاست کر دی گئیں اور صوبوں کی مالگزاری کے متعلق قرار پایا کہ اس کی وصولیابی کا تمام کام رفتہ رفتہ احاطے (صدر مقام) میں منتقل کر دیا جائے جہاں پانچ قابل ترین اور تجربہ کار ملازمان دیوانی، کمیٹی مالگزاری کے لقب سے کارفرما ہوں اور یہ کمیٹی گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کی براہ راست نگرانی میں رہے اور فوری اطلاع دہی پر اس کمیٹی کو اس کی ہدایات حاصل کرنے کے مواقع مل سکیں۔ اگرچہ صوبہ جاتی مجلسیں برخاست کر دی گئیں تاہم ان میں سے ہر مجلس کے صدر کو ہر ضلع میں بحیثیت کلکٹر، کمیٹی مالگزاری کے تحت تا احکام ثانی عارضی طور پر بحال رکھا گیا، اسی طرح اُن کلکٹروں کو بھی قایم رکھا گیا جو علیحدہ طور پر اُن سرحدی اضلاع میں متعین کیے گئے تھے جن کا معیار تہذیب بہت گرا ہوا تھا۔ ہندوستانی محافظ خانہ[۱] کسی قدر ترمیم کے ساتھ کمیٹی کے تحت کر دیا گیا۔ وصول شدہ مالگزاری پر کمیشن جائز قرار پایا جو ارکان کمیٹی اور اُن متعلق یورپین عہدہ داروں میں تقسیم کیا گیا جنھوں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ موعودہ سرکاری بھتوں

ع۱ انتظام محاصل کا مستقل خاکہ جسے گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ نے ۲۰ فروری ۱۷۸۱ء کو محکمۂ مال میں مرتب کیا۔ گول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۲۱۲۔

۱ دفتر قانون گو۔

پر قانع رہیں گے۔

کمیٹی نے جائزہ لیتے ہی ایک جدید بندوبست مالگزاری کی ترتیب کا خاکہ حکومت کی خدمت میں پیش کیا۔[ب] جس اصول پر اسے مبنی کیا گیا تھا وہ اُن قواعد سے زیادہ مختلف نہ معلوم ہوتا تھا جو سابق بندوبست سے متعلق تھے۔ زمینداروں کو ہر ایسی صورت میں ترجیح دی گئی تھی جہاں انھوں نے مطلوبہ رقم لگان ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہو اور صغیر سنی یا مشہور عام نا قابلیت یا کسی اور وجہ کی بنا پر اُن کی جانب سے کوئی جائز عذر نہ پیدا ہوتا ہو۔ لگان کی رقم کے متعلق یہ فرض کیا گیا کہ وہ سابق سنین کے تجربے کے لحاظ سے اور حال کے متعین شدہ امینوں کی جمع کردہ معلومات کو پیش نظر رکھتے ہوئے معقول وجوہ پر مبنی کی جائیگی۔ بندوبست صرف ایکسال کے لیے تھا لیکن اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ جو شخص مالگزاری کی رقم پابندی کے ساتھ ادا کرے گا اُسے اسی شرح پر آیندہ قایم رہنے کا اختیار حاصل رہے گا۔

ان تجاویز کو حکومت نے قبول کرلیا بجز اس کے کہ جن صورتوں میں کمیٹی خود یہ کام انجام نہ دے سکے وہاں بندوبست کا قیام کلکٹروں اور ہندوستانی کارپردازان حکومت کے سپرد سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس کو ایک سرکاری تناقض خیال کیا گیا کہ جس شخص کو بندوبست کے تحت تحصیل وصول کے لیے مقرر کیا گیا ہو اُس کو بندوبست قایم کرنے میں بھی دخل ہو۔ لہذا کمیٹی پر لازم گردانا گیا کہ تمام اشکال میں جہاں خود کمیٹی بندوبست قایم نہ کرسکتی ہو وہاں نائبوں کے ذریعے سے بندوبست کرایا جائے لیکن یہ انتظام حکومت کی منظوری پر مشروط ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ صوبہ جاتی خزانوں کی بجائے احاطے کے خالصے میں ادائے لگان کے طریقے پر زور دے۔

آیندہ ماہ نومبر میں کمیٹی مالگزاری نے حکومت[ق] کو اُس بندوبست کی اطلاع دے دی جو اس نے سال رواں کی مالگزاری کے متعلق تمام اضلاع بنگال میں کیا تھا۔

عہ ب کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۲۲۰ خاکہ برائے بندوبست مالگزاری بنگال و بہار مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۰۸ء

عہ ق کمیٹی مالگزاری کا مراسلہ مورخہ ۲۷ نومبر ۱۸۰۸ء۔

اضلاع بہار کا بندوبست مالگزاری مجلس مال[1] نے جدید کمیٹی کی کارگزاری کے شروع ہونے سے قبل ہی کر دیا تھا۔ اسکی رہنمائی کے لیے جو عام قواعد مرتب ہوئے تھے اُن کی پابندی کی گئی تھی اور سابقہ جمع کے مقابلے میں چھبیس ۲۶ لاکھ روپیے کا اضافہ ہوا۔ یہ بیان کیا گیا کہ قبضۂ اراضی اور انتظام تحصیل وصول کے حقوق عام طور سے زمینداروں اور تعلقداران کے لیے محفوظ کر دیے گئے ہیں اور جہاں اس کے خلاف عمل کیا گیا ہے وہاں سرکاری کارروائی میں اس کی وجہ درج کر دی گئی ہے۔

محکمۂ مال میں ان جدید انتظامات کے نفاذ سے کچھ قبل دیوانی عدالت کے دستور میں ایک تبدیلی واقع ہوئی جس کے ذریعے سے چھ عالیشان صوبہ جاتی علاقوں میں سے ہر ایک میں ایک عدالت قایم کی گئی جو اعلیٰ مجلس مال سے مختلف اور آزاد تھی۔ اس عدالت کا صدر ایک ملازم متعہد تھا جو مہتمم عدالت دیوانی کہلاتا تھا۔ اس کی حدِ اختیار میں بجز ان امور کے جو صوبہ جاتی مجلسوں کے لیے محفوظ کر دیے گئے تھے زمینداریاں تعلقداریاں یا دیگر غیر منقولہ جائیدادوں کی وراثت، تجارتی تنازعات کے تمام دعاوی اور شخصی جائیداد کے تمام مقدمات شامل تھے۔ مجالس مذکور حسبِ سابق تمام مقدمات متعلقہ مالگزاری سرکاری اور تمام انفرادی نالشات بابت بقایائے لگان اور اُن تمام شکایات کی سماعت کر کے فیصلے صادر کر سکتی تھیں جو پٹہ دار اور کاشتکار، عہدہ دارانِ حکومت یا اشخاصِ دیگر کے ناجائز استحصال مالگزاری کے بارے میں پیش کرتے تھے۔

یہ عدالتیں اپریل ۱۷۸۰ء[2] میں قایم کی گئیں اور اس کے بعد ماہ اکتوبر میں یہ دیکھا گیا کہ صدر دیوانی عدالت کا کام گورنر اور مجلس اعلیٰ کے دیگر فرائض کے ساتھ انجام نہ پاسکتا تھا اس لیے یہ قرار پایا کہ ایک علیحدہ جج (سر الیجا امپی) اس عدالت کی نگرانی و انتظام کے لیے مقرر کیا جائے اور ۳ نومبر کو تیرہ ۱۳ ضوابط جو جج مذکور نے مرتب کیے تھے حکومت نے منظور کر کے نافذ کر دیے[3]۔ یہ ضوابط عدالت ہائے دیوانی کی رہنمائی کے لیے تھے اور

---

[1] یہ نگران کار مجلس مال ہونی چاہیے جو ۱۷۸۱ء میں قائم ہوئی تھی۔
[2] ضوابط نافذ شدہ ۱۱ اپریل ۱۷۸۰ء کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۴۔
[3] کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۲۳۔

بعد کو اضافوں اور ترمیموں کے ساتھ ایک مرتبہ مجموعے کی صورت میں جو پچانوے دفعات پر مشتمل تھا شائع کیے گئے اور جن کے اعلان کردہ مقاصد یہ تھے[عٹ] کہ جو قواعد احکام اور ضوابط مبہم ہوں ان کی تشریح کیجائے اور جو غیر نافذ یا نامناسب ہوں انہیں منسوخ کر دیا جائے تاکہ اس عمل سے ایک جامع مجموعۂ ضوابط مرتب کیا جا سکے اور رسوم عدالت کی ایک عام فہرست ترتیب پائے جو مفصلات کی تمام دیوانی عدالتوں میں رائج ہو سکے جس سے مختلف عدالتوں کی کارروائیوں، عمل درآمدوں اور فیصلوں میں عام یکسانی قایم ہو جائے اور ان مقامات کے باشندوں کو نہ صرف یہ معلوم ہو جائے کہ انہیں انصاف کے لیے کن مواقع پر اور کن عدالتوں میں رجوع ہونا چاہیے بلکہ وہ اُن قواعد احکام اور ضوابط سے واقف ہو کر جن کے جج حلفاً پابند کیے جاتے ہیں مذکورہ عدالتوں پر اعتماد کر سکیں اور یہ اندازہ ہو جائے کہ کن مواقع پر مفصل کی دیوانی عدالت کی تجاویز کا مرافعہ صدر دیوانی عدالت میں کرنا قرین مصلحت ہوگا نیز اُن انتہائی مصارف سے آگاہ ہو جائیں جو ان کے مقدمات پر عائد ہونگے تاکہ کہیں اس خوف سے کہ ان سے زیادہ رقم لے لی جائیگی یا ان کو عدالت کے عہدہ دار دھوکا دینگے یا ستائینگے وہ اپنے جائز دعاوی کو ترک نہ کر بیٹھیں"۔

ان ضوابط کے تحت جو عام واقفیت کے لیے فارسی اور بنگالی زبانوں میں ترجمہ کرا کے طبع کیے گئے تھے اور جو موجودہ قواعد نافذہ کے اصل بانی تھے اور جن کا تعلق نظامِ عدالت ہائے دیوانی سے تھا، تمام دیوانی مقدمات حسب بیانِ سابق، مختلف عدالت ہائے دیوانی کی سماعت کے قابل بنا دیے گئے (جن کی تعداد گذشتہ اپریل کی چھٹی تاریخ کو اٹھارہ ۱۸ کر دی گئی تھی) کیونکہ سابق کی چھ قائم شدہ عدالتوں کی وسیع حدودِ اختیارِ سماعت سے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ جن ججوں کا اس طرح تقرر ہوا وہ محکمۂ مال سے بالکل بے تعلق تھے بجز اُن چار سرحدی اضلاع چترہ، بھاگل پور، اسلام آباد[سا] ورنگ پور کے جہاں مقامی وجوہ کے باعث جج اور کلکٹر کا عہدہ ایک ہی شخص کے تحت کر دیا گیا تھا مگر اس

عٹ تمہید ضابطۂ عام بابت ۱۷۸۱ء۔

سا چٹگانگ، یہ طریقہ اب بھی عام طور پر بعض سرحدی مقامات میں مستعمل ہے جو اضلاع بے ضابطہ کے نام سے مشہور رہیں۔

صریح حکم کے ساتھ کہ عدالتی اختیارات کو مجلس مالگزاری سے علیحدہ اور غیر متعلق تصور کیا جائے۔ عملۂ فوجداراں[1] و تھانہ داراں جو سنہ ۱۷۸۱ء[2] میں قائم کیا گیا تھا[3] اپنے قیام سے عمدہ نتائج پیش نہ کر سکنے کے باعث ۶ر اپریل سنہ ۱۷۸۱ء کو برخاست کر دیا گیا۔ اور دیوانی عدالت کے ججوں کو "مجسٹریٹوں کی طرح ڈاکوؤں اور اُن اشخاص کو گرفتار کرنے کے لیے جن سے کسی جرم یا فعل ناجائز کا ارتکاب منسوب ہو اُن کی متعلقہ حدود میں اختیارات دیے گئے"۔ لیکن وہ ایسے اشخاص کے مقدمات کی سماعت یا اُن کے لیے سزا تجویز کرنے کے مجاز نہ تھے بلکہ "فوراً قریب ترین فوجداری کے داروغہ[4] کے پاس الزام کی تحریری اطلاع کے ساتھ مجرموں کو روانہ کر دیتے تھے جس میں وہ وجوہ بتائی جاتی تھیں جن کی بنا پر اُن کی گرفتاری عمل میں آتی تھی"۔ اختیارات مذکور میں ایسی اشکال کے لیے بھی گنجایش رکھی گئی تھی "جن میں گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کی خاص اجازت سے بعض زمینداروں کو کوتوالی کے سے اختیارات عطا کیے جا سکتے تھے جنھیں سابق میں وہ قدیم مغلیہ حکومت کے تحت استعمال کرتے تھے"۔ ان صورتوں میں یورپین کلکٹر، مجسٹریٹ، داروغۂ نظامت عدالت اور زمیندار کی حیثیت سے سارقوں اور مرتکبِ نقض امن تمام اشخاص کو گرفتار کرنے کے لیے متحد اختیارات کو کام میں لاتے تھے۔

اس طرح نافذ کردہ ضوابط کے اثرات کا بہتر طریقے سے معاینہ کرنے اور تمام حصص صوبہ جات میں عام انتظام عدالت فوجداری کی نگہداشت کے لیے گورنر جنرل کی براہ راست نگرانی میں ایک علیحدہ محکمہ احاطے میں قائم کیا گیا جہاں متعلق حکام صوبہ جات کی جانب سے کارروائیوں کی رُوداروں اور ملزمانِ گرفتار شدہ و سزا یافتہ کی فہرستوں کا ماہانہ روانہ کیا جانا لازم تھا۔ ان امثلہ کی ترتیب اور ان تمام اشخاص پر نگرانی قائم رکھنے کے لیے

---

[1] فوجداراں و تھانہ داراں ملاحظہ ہو فرہنگ۔

[2] کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۱۲۸۔

[3] گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کی تجاویز مورخہ ۶ر اپریل سنہ ۱۷۸۱ء۔

[4] لفظ داروغہ سے مراد مہتمم ہے جو بالعموم عہدہ دارانِ کوتوالی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جن کے سپرد انتظام عدالت فوجداری تھا، گورنر جنرل کے تحت ایک عہدہ دار کا تقرر کیا گیا جس کا لقب مشیر عدالتہائے فوجداری قرار پایا۔

نومبر ۱۷۸۲ء میں مجلس نظما کی ہدایات کی متابعت میں صدر عدالت دیوانی کی نگرانی پھر گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کے سپرد ہو گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ اس عدالت کو قانون (نشان ۲۱ جارج سوم) کے مطابق ایک ایسی عدالت قرار دیا گیا ہے جس کے فیصلے قطعی ہوں گے بجز اُن دیوانی مقدمات کے جو پانچ ہزار پونڈ یا اس سے زیادہ کے ہوں اور جن کا مرافعہ ملک معظم کی خدمت میں ہو سکتا ہو۔

آپ کی مجلس نے ان مختلف طریقوں کا خلاصہ پیش کیا ہے جو بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی مقبوضات کے داخلی انتظامات کے لیے اُس وقت تک اختیار کیے جاتے رہے جب کہ اُن کے کاروبار کی حالت پارلیمنٹ کے ملاحظے میں آئی اور قانون ساز جماعت کے ایک قانون (نشان ۲۴ جارج سوم، باب ۲۵) کے ذریعے سے کمپنی کو حکم دیا گیا کہ ان شکایات کی تحقیقات کی جائے جو اس بارے میں عام تھیں کہ "برطانوی علاقہ جات ہند کے مختلف راجوں، زمینداروں اور دیگر مالکان اراضی کو ناجائز طور پر ان کی زمینوں سے محروم کر دیا یا ان کو چھوڑ دینے پر مجبور کیا گیا ہے اور جو لگان، پیش کش یا خدمات ان سے لی جاتی ہیں وہ ظالمانہ ہیں"۔ اگر یہ شکایات صحیح ثابت ہوں تو "موثر طریقے سے ان کا تدارک کیا جائے اور انصاف و اعتدال کے اصول پر مستقل قواعد مرتب کیے جائیں جن کے ذریعے آیندہ ان سے لگان اور پیش کش وغیرہ طلب اور وصول کیا جائے"۔ آپ کی مجلس یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ ضمیمے میں ان ضخیم اسناد کو منسلک کر دیا جائے جن کا اس نے جا بجا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے اکثر اس ایوان کی سابق مجلسوں کی رُودادوں کے ساتھ منسلک پائی جائیں گی۔ اور باقی میں سے اکثر کا مواد موجودہ ادارات و قواعد نافذہ کا ایک جزو بنا ہوا ہے جن کا ذکر آخر میں کیا جائے گا۔

اس معلومات پر کافی غور کرنے کے بعد جو اسناد مذکور سے فراہم ہوئی تھی آپ کی مجلس یہ یقین کرتی ہے کہ برطانوی حکومت کا نظم و نسق اپنے نفاذ کی ابتدا ہی میں ان باشندگان ہند کے لیے جو اس کے زیر پناہ مقیم ہیں مفید ثابت ہوا۔ برطانوی اسلحہ کی برتری کی وجہ سے

پٹ کا قانون (۱۷۸۴ء) یعنی وہ قانون جو دوامی بندوبست کے نفاذ کا باعث ہوا۔

وہ فوراً اُن مصائب سے آزاد ہو گئے جو مرہٹوں کے مسلسل حملوں کے باعث انہیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اسی فوقیت نے اندرونی فسادات کا بھی کامل طور پر سدباب کر دیا۔ اور اگر انھوں نے ترقی کا وہ درجہ جلد حاصل نہیں کیا جس کی توقع اُس قوم کی خصائل کے لحاظ سے جو اُن پر حکمران ہے ہو سکتی تھی تو اُس تاخیر کی تشریح اطمینان کے ساتھ ایسے اسباب کی بنا پر کی جا سکتی ہے جو ذمہ دار اشخاص کو غفلت یا بداعمالی کے الزام سے بری کریں گے۔ آپ کی مجلس اس موضوع پر مسٹر شور کے (جواب لارڈ ٹین ماؤتھ Lord Teignmouth ہیں) مشوروں کو اسقدر متعلق اور مستند سمجھتی ہے کہ ان کو حکومت بنگال کی کارروائی کی ایک یادداشت مورخہ ۱۰ فروری سنہ ۱۷۹۰ء سے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ "اُس زمانے کو جب کہ کمپنی نے پہلے پہل صوبہ جات کے ایک بڑے حصے کی مالگزاری وصول کرنے کے حقوق حاصل کیے اب اٹھائیس ۲۸ سال کی مدت گزر چکی ہے اور بذریعۂ عطیۂ دیوانی کُل صوبہ جات کی دواماً منتقلی کو صرف چوبیس ۲۴ سال ہوئے ہیں۔ اور جب ہم اس محصلہ علاقے کی نوعیت و وسعت پر اور ان اشخاص کی خصائل پر جو ہمارے تحت رکھے گئے ہیں اور ان کی زبانوں کے اختلاف اور طور طریق کی عدم مطابقت پر غور کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے حکومت کا نظم و نسق اس وقت ہاتھ میں لیا جب ہم اس کے سابق دستور سے ناواقف اور مشرقی مالیات کا بالکل تجربہ نہ رکھتے تھے تو یہ تعجب خیز نہ معلوم ہوگا کہ ہم سے غلطیاں سرزد ہوئیں یا ہم میں سے کسی کو اصلاح کی ضرورت پیش آئی"۔

"سلطنت مغلیہ انتہائی عروج کے زمانے میں لائق ترین رئیسوں کے تحت بھی ایک من مانی حکومت رہی ہے۔ رعایا کا اطمینان، جائداد کی حفاظت اور ملک کی بہبودی شہنشاہ وقت کی ذاتی خصائل پر منحصر ہوتی تھی۔ ان خصائل کے معیار پر اس کے زیر دست اپنا طرز عمل قرار دیتے تھے۔ جس قدر زیادہ عقلمند، عدل پسند، بیدار مغز اور رحمدل شہنشاہ ہوتا تھا اسی قدر اس کے صوبہ دار اپنے فرائض کو مستعدی اور وفاداری سے انجام دیتے تھے۔ اور جس حد تک ان میں ان صفات کی کمی یا زیادتی ہوتی تھی اسی حد تک اس کے نائب کم و بیش جفاکشی اور ایمانداری سے کام انجام دیتے تھے۔ ایک کمزور شہنشاہ اور بداعمال وزیر ہر قسم کی بدانتظامی کا باعث ہو سکتا تھا۔ کیونکہ کوئی قانون ایسا نہ تھا جو شہنشاہ کی مرضی

پر فوقیت رکھتا ہو۔حکومت کے بہت کم عہدہ داروں کو معقول مشاہرے دیے جاتے تھے۔اور خیانت مجرمانہ، نامناسب سرپرستی، بے انصافی اور غصب کے ذریعے سے جائداد حاصل کرنے کی آزادی حاصل تھی۔یہ تفصیل میرے خیال میں تمام اسلامی حکومتوں پر منطبق ہوتی ہے جن میں عمل ہمیشہ اخلاقی نظریوں کے خلاف ہوتا ہے اور جو کچھ بڑی بڑی اور نمایاں مثالیں شہرۂ آفاق نیکی یا رواداری کی پائی جاتی ہیں تو وہ ایسی شاذ ہیں جو اس رائے کی عمومیت پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں۔"

"ہم کو دیوانی ملنے سے بہت قبل ہی سلطنت ناقابل علاج کمزوریوں میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کے قوانین جہاں تک ان کا پتہ بہترین حکمرانوں کے احکام و معمولات سے چلتا ہے سب بالائے طاق رکھ دیے گئے تھے۔کمپنی کے کارکنوں نے جب عطیۂ دیوانی حاصل کیا ہے تو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اُس صوبہ جاتی حکومت کی تجاویز کے سوا کوئی اور ذریعہ نہ تھا جو سلطنت کے اثر سے آزاد ہو چکی تھی اور ایک مدت سے اس کے قوانین کے مطابق عمل کرنا ترک کر چکی تھی۔"

"اگر ہم برطانوی حکومت ہند کی شکل پر غور کریں گے تو ہم اس کو عاجلانہ اصلاح کے لیے موزوں نہ پائینگے۔جن ارکان پر وہ مشتمل ہے وہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور ان کے قیام کا زمانہ اکثر اس سے قبل ختم ہو جاتا ہے کہ وہ تجربہ حاصل کر سکیں یا تجربے کو عملی صورت دے سکیں۔دفتری ضوابط میں وقت کا ایک بڑا حصہ صرف ہو جاتا ہے اور کاروبار کی مسلسل کثرت کے باعث غور اور فکر کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے جس کے بغیر اس ملک کی مالگزاری کے اصول اور تفصیلات کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔صحیح معلومات کا حصول بھی مشکل ہوتا ہے۔کیونکہ اکثر وہ محض عملدرآمد سے ماخوذ کی جاتی ہے بجائے اس کے کہ کسی معین اصول پر مبنی کی جائے۔ہر وہ شخص جو انتظام مالگزاری بنگال پر مدت دراز تک مامور رہا ہو اگر حق گو ہے تو یہ تسلیم کریگا کہ اکثر اہم مسائل کے متعلق اس کی رائے مختلف رہی ہے اور ایک سال کی معلومات ہمیشہ دوسرے سال کے تجربے سے مشتبہ ہوتی رہی ہے تاہم ہر صورت میں فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس طرح ایسے فیصلے جو جزوی رُوداد پر اور شاید غلط اصول پر مبنی ہوتے ہیں مسلّم عملدرآمد کے قواعد بن جاتے ہیں۔کیونکہ ایک محتاط شخص جب شک میں پڑ جاتا ہے تو بخوشی نظائر کو سند گردان کر

فائدہ اٹھاتا ہے۔ نظایر کی کثرت جو ایک بڑی فائدہ مند شے ہونی چاہیے درحقیقت ایک وسیع رکاوٹ بن گئی ہے کیونکہ ان میں صرف دوسروں کے تجربے کا پتہ چلایا جاسکتا ہے اور تلاش میں بہت وقت صرف ہو جاتا ہے۔"

آپ کی مجلس یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتی کہ مذکورِ بالا اقتباس میں موضوعِ زیرِ بحث کی پیچیدگی کو جس سے کارپردازانِ کمپنی کو واقفیت حاصل کرنی ضروری تھی مبالغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یا انتظام حکومت کے لیے جدید قواعد کی ترتیب یا نافذ شدہ قواعد کی اصلاح میں غلطی کا اندیشہ اس سے کم تھا جتنا کہ اس اقتباس کے مصنف نے ظاہر کیا ہے بلکہ انگلستان کی مراسلت اور بیرونی دستاویزات سے آپ کی مجلس بہ اطمینانِ تمام یہ باور کرتی ہے کہ وقتاً فوقتاً اہم تجاویز، داخلی حکومت کی اصلاح اور باشندگانِ ملک کی عام فلاح و بہبود کے لیے پیش ہو کر کامیابی کے ساتھ نافذ ہوتی رہی ہیں۔ جو معلومات ۱۷۶۹ء کے مقرر شدہ نگران کاروں اور ۱۷۷۰ء کی مجلس دورہ کی رُودادوں سے فراہم کی گئی اس سے ایک مصنوعی و مضرت رساں طرزِ عمل کی غلطیاں برآمد ہوئیں جو دیسی حکومت کے زمانے میں پھیلی ہوئی تھیں اور ایسے زبوں ہیلان کی رسمیں بھی منکشف ہوئیں جو مغلیہ سلطنت کی کایا پلٹ کے بعد پیدا ہو گئی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اہم امور جب کہ وہ محکمۂ مال پر اثر انداز ہوئے مشاہدے میں آئے اور انہیں پنجسالہ بندوبست کے قیام کے وقت جو ضوابط جاری کیے گئے اُن کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔ جو قواعد اس وقت نافذ کیے گئے اُن کے لحاظ سے نذریں اور سلامیاں (نجایف) جو معمولاً پہلی ملاقات کے وقت اطاعت و ادب کے اظہار کے طور پر دی جایا کرتی تھیں نہ صرف اعلیٰ عہدہ دارانِ کمیٹی اور کلکٹروں کی حد تک کلیتہً موقوف کر دی گئیں بلکہ زمینداروں اور دیگر افسروں کے لیے بھی ناجائز قرار دیدی گئیں۔ جدید محاصل خواہ وہ کسی بہانے سے عائد کیے جائیں ممنوع قرار دیے گئے۔ عہدہ دارانِ مالگزاری کو سزائے برطرفی کی دھمکی دے کر اراضی کو ٹھیکے پر لینے سے رُوکا گیا۔ زمینداریوں کی حدبندیاں جو شاہراہوں کے محاصل کی وصولیابی کے لیے قائم کی گئی تھیں توڑ دی گئیں اور صرف انہیں قائم رکھا گیا جو مسلّمہ تحصیل وصول سے متعلق تھیں۔ یہ ضابطہ جس کا تعلق کمپنی کے ملازمین و دیگر اشخاص کی غیر مسلّمہ آمدنی سے تھا معلوم ہوتا ہے کہ بے اثر رہا۔

محکمۂ عدالت دیوانی کے متعلق اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اس محکمے کے قواعد وضوابط ایسے اشخاص نے مرتب کیے تھے جو بلحاظ پیشہ تجربے کے فوائد سے بہرہ ور نہ تھے تاہم ان سے دیسی حکومت کے مُروج انتظام میں جو اصلاح ہوئی وہ آشکارا ہے جیسا کہ اس کے متعلق ایک اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس ایوان کی ایک سابقہ مجلس کی رُوداد میں بالفاظ ذیل دیا گیا ہے[1]۔ "جہاں تک کہ مجلس، پیش شدہ مواد سے اندازہ لگا سکی ہے مغلیہ سلطنت کے باشندوں کو جو اس صوبے میں تھے ان عدالتی محکموں سے کوئی سہارا یا اطمینان حاصل نہ تھا۔ اور اگرچہ عام طور پر عدالت کے ضوابط قائم اور محفوظ رکھے گئے تھے تاہم حکومت کے من مانے اصول ان کو انصاف کے آلے کی بجائے اقتدار کا آلہ بنا دیتے تھے جس سے رعایا کی حفاظت میں تو کوئی مدد نہیں ملتی تھی البتہ اکثر صورتوں میں عدالتی انصاف کی آڑ میں سخت ترین مظالم ہوتے تھے"۔ مجلس مذکور نے ان عدالتوں کے بارے میں جتنی معلومات حاصل کی اُس کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ "قدیم دستور کی رو سے زمانے میں عدل گستری میں بڑا ظلم اور بدعنوانی ہونے کا خطرہ تھا، جج بالعموم ذاتی اغراض پر نگاہ رکھتے تھے اور اکثر صورتوں میں بددیانت ہوتے تھے اور یہ کہ عنایت وعتاب کی بنا پر حکومت کی مداخلت، انصاف میں خلل اندازی کا ایک دوسرا اہم سبب بن جایا کرتی تھی"۔

کمیشن کے طور پر رقم ڈگری شدہ کا ربع حصہ لے لینے کا طریقہ اور اسی طرح کی دیگر رسوم عدالت جو مقدمات منفصلہ کے متعلق لی جاتی تھیں اور تمام اس قبیل کے من مانے جرمانے بالکل موقوف کر دیے گئے۔ قانونی امتیازات جو مسلمانوں کے لیے مفید اور ہندوؤں کے حق میں مُضر تھے قطعی طور پر نظر انداز کر دیے گئے۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ تمام نالشات متعلقہ ازدواج وذات یا دیگر مذہبی معمولات ورسوم کا فیصلہ مسلمانوں کے معاملے میں قرآن اور ہندوؤں کے معاملے میں شاستر کے مطابق کیا جائے۔ اس قسم کے تمام مواقع پر علی الترتیب مولوی یا برہمن قانون کی توضیح کرنے، رُوداد پر دستخط ثبت کرنے اور ڈگری صادر کرنے میں شریک رہتے تھے۔ جو قواعد بعد کو ۱۷۸۱ء میں نافذ ہوئے وہ ماہر و قابل افراد کے مرتب کیے ہوئے

---

[1] مجلس راز کی ساتویں رُوداد ۱۷۸۳ء۔

تھے اور اسی لیے وہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ان قواعد کی بنیاد ہیں جو ابھی تک نافذ ہیں۔

انتظام عدالت فوجداری و محکمۂ کوتوالی میں ابتدائی زمانے میں بہت سی بدعنوانیوں کا سد باب کیا گیا اور متعدد مفید اصلاحیں کی گئیں۔ فورٹ ولیم کی مجلس اور صدر نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ مسلمان ججوں کے احکامِ سزا پر نگرانی کیجائے اور جہاں ایسے قانونی احکام سزا جو قرآن پر مبنی ہوں مگر فطری انصاف یا عمدہ حکومت کی رُو سے نامناسب معلوم ہوں اُن کی بجائے ایسا چارۂ کار اختیار کیا جائے جس کی صورتِ حال متقاضی ہو۔

اگرچہ بہت سی اصلاحیں ہوئیں تاہم حکومت کے اداروں اور رعایا کی حالت کو اس درجے پر پہنچانے کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا جو اُن اشخاص کی رائے میں قابل اطمینان ہو جو یورپین حکومت کے اصول اور عمل درآمد پر اپنی وسیع النظری کی بنیاد رکھتے ہیں۔ چنانچہ ۱۷۸۴ء کے اجلاس میں پارلیمنٹ نے ایک قانون[۱] نشان ۲۴ نافذ کردۂ شاہِ وقت "ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات کے بہترین انتظام واہتمام کے لیے" جاری کیا جس کی دفعہ ۳۹ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو حکم دیا گیا تھا کہ "زمینداروں کی پیش کردہ شکایات کی تحقیقات کی جائے اور اگر وہ صحیح معلوم ہوں تو دادرسی کیجائے اور بندوبست وتحصیل مالگزاری اور عدل گستری کے ایسے مستقل قواعد نافذ کیے جائیں جو ملک کے قدیم قوانین اور مقامی رسوم پر مبنی ہوں۔"

۱۔ پٹ کا قانون بابت ۱۷۸۴ء۔

حصۂ دوم

ارل کارنوالس کی نافذ کردہ اصلاحات کا بیان

آپ کی مجلس اب اُن تجاویز کا ذکر کرے گی جو پارلیمنٹ کے احکام کی متابعت میں زمینداروں کی حالت کی تحقیقات کے متعلق اختیار کی گئیں تاکہ اُن کی پیش کردہ شکایات کو رفع کیا جا سکے اور ان صوبہ جات کی داخلی حکومت کے لیے مستقل قواعد مرتب ہوں۔

ان اہم تجاویز کی نگرانی اور تکمیل کے لیے مارکوئیس کارنوالس آنجہانی کا انتخاب ہوا تھا جو ۱۷۸۶ء میں ہندوستان روانہ ہوا۔ لارڈ موصوف کو مجلس نظما کی جانب سے ایک مراسلے کے ذریعے ہدایات دی گئی تھیں جو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے نام ۱۲ اپریل ۱۷۸۶ء کو لکھا گیا تھا چونکہ اس مراسلے کے حوالے سے اُن تمام اہم تبدیلیوں کی وجہ معلوم ہو جائے گی جو کمپنی کے ملکی مقبوضات کے داخلی انتظامات میں اُس وقت سے ہوتی رہی ہیں اور جو خاصکر اُس مستقل بندوبست مالگزاری کے نفاذ کا باعث ہوئیں جسے بعد کو دوامی کر دیا گیا، اس لیے مجلس اس کے بعض ایسے حصص پر توجہ دلانا مناسب سمجھتی ہے جو خاص طور پر تجویز بندوبست دوامی سے اور بعد کے نافذ شدہ مجموعۂ ضوابط سے متعلق ہیں۔ مجلس نظما اُن متعدد تغیرات کے باعث ناراض ہو گئی تھی جو حکومت بنگال کے نظام مالی میں واقع ہوئے تھے۔ نظما نے کسی ایک ہی طریقے پر مستقلاً قائم رہنے اور اس کی ہشیاری کے ساتھ نگرانی کرنے کو قابل ترجیح قرار دیا تھا۔ انھوں نے اُن غیر موثر کوششوں کی مذمت کی جو شرح مالگزاری میں اضافہ کرنے کے لیے کی گئی تھیں جس کی وجہ سے زمینداروں (یعنی موروثی منتظمانِ اراضی) پر بار عاید

کیا گیا تھا تاکہ کاشتکاروں، سزاولوں[1] اور امینوں کا تقرر کیا جا سکے اور ان اشخاص کی چونکہ کوئی مستقل غرض اراضی سے وابستہ نہیں تھی اس لیے انھوں نے ملک کو ذرائع آمدنی سے محروم کر دیا تھا۔ نظما نے اس قاعدے کو ناپسند کیا جو حال میں نافذ کیا گیا تھا کہ کلکٹر کو اپنے ضلع کے بندوبست کے قائم کرنے میں کوئی حصہ لینے سے منع کر دیا جائے۔ اور ان کثیر رقوم بقایا کی طرف توجہ دلائی جو گذشتہ چار سال کے بندوبست کی بابت واجب الوصول تھیں یہ بندوبست، کمیٹی مالگزاری کی بالراست نگرانی میں کیا گیا تھا۔ نظمائے مذکور نے اپنی رائے ظاہر کی کہ اس قسم کی بقایا کو آئندہ روکنے کے لیے مناسب ترین طریقہ یہ ہوگا کہ ایک دوامی بندوبست مالگزاری مقرر کر دیا جائے جس کی رقم معقول اصول کے لحاظ سے معین کی جائے اور پابندی کے ساتھ اس کے تادیے کی ضمانت کے طور پر قابض کا موروثی حق ملکیت پیش ہو جسے عام طور پر کافی تصور کیا جائے۔ لہذا انھوں نے حکم دیا کہ تمام ممکنہ صورتوں میں زمیندار کے ساتھ دوامی بندوبست کیا جائے اور اس کی مشہور عام نااہلی کی صورت میں کاشتکار پر اس کے عزیز یا وارث کو ترجیح دی جائے۔ ان کا خیال تھا کہ قانون ساز جماعت کا مقصد صرف عام اصول عمل درآمد کا اعلان کرنا ہے اور کوئی جدید طریقہ پیش کرنا یا اُن قواعد و اصول کو کالعدم کرنا نہیں ہے جو دیسی حکومت کے خوب تنظیم یافتہ دوروں میں رائج تھے۔ لگان کی رقم کے متعلق نظما کا خیال تھا کہ جو کچھ معلومات حاصل ہو چکی ہے وہ ان کی حکومت بنگال کے لیے کافی ہے کہ وہ بغیر مقامی تفصیلی تحقیقات کے اُس کا تعین کر سکے۔ اور انھوں نے یہ رائے دی کہ موجودہ صورت حال میں گذشتہ سنین کی اوسط تحصیل وصول کو رہنمائی کے لیے پیش نظر رکھا جائے، اور اس مسئلے پر اس آخری مشورے کے ساتھ اپنی ہدایات ختم کر دیں کہ "ایک متوسط جمع یا مشخص رقم باقاعدہ و بروقت وصول ہوتے رہنے سے ہمارے مفاد کی امید ہندوستانیوں کی خوشحالی اور زمینداروں کی حفاظت کے متعلق بہت زیادہ معقول طریقے پر بندھ جاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ متجاوز الحد جمع کی غیر مکمل وصولیابی سختی اور تکلیف سے ہوا کرے"۔ اگرچہ رقم کے ایک مرتبہ معین اور اس کی منظوری ہو جانے کے بعد نظما کی رائے میں ان کے ملکی

---

[1] سزاول، مالگزاری کے کلکٹر یا ایسے عہدہ دار کو کہتے تھے جو منجانب حکومت تعلقوں کی نگرانی کے لیے مقرر ہوتا تھا جبکہ زمیندار مشخص مالگزاری پر رضامند ہونے سے انکار کر دیتا تھا۔ امین بھی اسی قسم کا ایک عہدہ دار تھا۔

مقبوضات بنگال میں اُسے دوامی اور ناقابل تغیر مالگزاری قرار دیا جانا چاہیے تاہم خاص وجوہ کی بناء پر اُن کی خواہش ہے کہ موجودہ بندوبست صرف دس سال کی مدت کے لیے کیا جائے۔ بندوبست کے قرارداد سے متعلق اشخاص کے انتخاب کے وقت وہ چاہتے ہیں کہ قانون بابت ۱۷۸۴ء کی اُس دفعہ کا لحاظ کیا جائے جو مالکان اراضی کی تائید میں ہے اور زیر بحث امر نیز دیگر تمام امور میں "دیسی زمینداروں کے متعلق قانون ساز جماعت کا ہمدردانہ منصوبہ سختی کے ساتھ پورا کیا جائے۔" ان مقاصد کو زیادہ تحقیق کے ساتھ عمل میں لانے کی غرض سے انھوں نے سفارش کی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے یہ معلوم کر لیا جائے کہ مغلیہ اور ہندو حکومت کے اداروں کے تحت زمینداروں اور دیگر مالکانِ اراضی کے حقوق و اختیارات کیا تھے اور وہ کن خدمات کو انجام دینے کے پابند تھے۔

دیسیوں کے لیے دیوانی عدالتوں کے انتظام کی تجویز کرتے وقت نظماء نے بیان کیا کہ انہیں اس ضرورت کا احساس ہوا ہے کہ "اپنی آرا اور مفاد کو باشندوں کے موجودہ طریقوں اور رواجوں کے مطابق بنایا جائے بجائے اس کے کہ اُن کو ایسے مجرد نظریوں پر مبنی کیا جائے جو دوسرے ممالک سے لیے گئے ہوں یا بالکل جداگانہ حالات پر منطبق ہوتے ہوں۔" اور ان اصول کی بناء پر انھوں نے حکم دیا کہ عدالتہائے دیوانی کی نگرانی کا کام کلکٹران مالگزاری کے سپرد کیا جائے جنہیں مجرمانِ نقض امن کو گرفتار کرنے کا بھی اختیار حاصل رہیگا۔ لیکن اُن کی تحقیقات اور سزا دہی اُن افسروں پر چھوڑ دی جائے گی جو اسلامی قوانین عدالت کے تحت کار فرما ہیں اور اُن افسروں کے اختیارات میں کوئی دست اندازی نہ کیجائیگی بجز اُن ہدایات کے جو گاہ بہ گاہ حکومت برطانیہ اپنے اثرات کے تحت ظالمانہ سزائیں صادر نہ کرنے کے متعلق جاری کیا کرے۔

جب مذکورِ بالا احکام کے ساتھ لارڈ کارنوالس ہندوستان پہنچا تو اس نے دیکھا کہ حکومت کو ابھی اتنی معلومات حاصل نہیں ہوئی کہ اس کی بناء پر وہ ایک ایسے اہم مقصد کو بروئے کار لا سکے جیسا کہ دو سالہ بندوبست تھا جس کو آخر میں دوامی بنا دینے کا منشاء تھا اور جو حکومت کا سب سے بڑا مالی ذریعہ تھا۔ ملک کے قدیم قوانین اور مقامی رسم و رواج کے متعلق ابھی بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ زمین کے قبضے کی نوعیت کامل طور پر سمجھ میں نہیں آئی تھی اور ان دیسیوں کا اضافی تعلق اور حالت جو مالگزاری کی پیداوار سے واسطہ

رکھتے تھے ابھی پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ ان مختلف امور کی تحقیقات ضروری تھی قبل اس کے کہ جماعت مقننہ کے منشا کی تکمیل کے لیے قطعی تدابیر اختیار کی جائیں اور حسب احکام نظم داخلی انتظام کے مستقل ضوابط مرتب ہوں۔ لہذا لارڈ موصوف نے یہ تصفیہ کیا کہ کچھ مدت تک سالانہ بندوبست کا طریقہ مختلف اضلاع میں کمیٹی مالگزاری کے زیر نگرانی کلکٹروں کے ذریعے جاری رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بند سوالات نہایت تجربہ کار دیوانی ملازمین کے نام جاری کیے گئے اور مناسب اعلیٰ تدابیر بھی ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے اختیار کی گئیں۔ لیکن حسب ہدایاتِ انگلستان مالی و عدالتی قوانین کی فوراً نظر ثانی اور درستی کی گئی۔

کمیٹی مالگزاری نے اس سے قبل ہی اپنا نام مجلس[1] مال سے بدل لیا تھا[1]۔ اس کے اختیارات و فرائض اُن قواعد کی کسی قدر تبدیلی کے ساتھ جاری رہے جو اس کی رہنمائی کے لیے تھے۔ یورپین سیول ملازمین کو بھی جو اُن مختلف اضلاع[2] کی نگرانی پر مامور تھے جن میں ملک منقسم تھا کلکٹر، جج اور مجسٹریٹ[3] کے اختیارات عطا کیے گئے۔ ان مختلف حیثیتوں کے ساتھ وہ اپنے اختیارات کو کام میں لاتے تھے اور ہر کارروائی علیحدہ رکھی جاتی تھی بجز اس کے کہ تمام عدالتی کارروائیاں جو وصولیابی مالگزاری سے متعلق ہوں حسب سابق کلکٹر کے دفتر سے متعلق سمجھی گئیں۔ ان مختلف حیثیتوں کو ایک ہی شخص میں جمع کرنے کی تجویز کرتے وقت مجلس نظما اس خیال کے زیر اثر ہوئی کہ وہ اپنا رجحان سادگی، مستعدی، انصاف اور کفایت کی جانب رکھے اور اس بارے میں حکومت ہند نے بھی اپنے احکام صادر کرتے وقت منتخب شدہ عہدہ داروں کو یاد دہی کی کہ جو اعتماد ان پر کیا گیا ہے، اور جو نفع رسانی ان کے اختیار میں ہو سکتی ہے اس کی قدر و منزلت بہت بڑھ جائیگی اگر وہ محنت اور دیانت سے کام کریں اور سرکاری فرائض کی انجام دہی میں تساہل کے ساتھ صرف ظاہری تکمیل ضابطہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے دوران انتظام میں اُن تمام امور کی بجا آوری کے لیے جوش اور مستعدی کے ساتھ

عہ ۱ ۔ ضوابط مورخہ ۲۷ جون ۱۷۸۶ء ۔ سہ ۱ ۔ یہ تبدیلی ۱۲ جون ۱۷۸۶ء کو عمل میں آئی۔

سہ ۲ ۔ روداد میں اضلاع کی تنظیم جدید کی اہمیت کا ذکر نہیں ہے جسکی بنا پر انتظامی حلقے مقرر کر دیے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو حصہ اول باب چہارم۔

سہ ۳ ۔ ان خدمتوں کو پھر ۱۷۹۳ء میں علیحدہ کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۱۱۲۔

متوجہ رہیں جن سے مفاد حکومت کی ترقی، ملک کی خوشحالی یا ان کے محکوم افراد کی بہبودی متصور ہو۔

عدل گستری کے لیے مرشد آباد، ڈھاکے اور پٹنے کے شہروں میں ایک مجسٹریٹ اور ایک جج کے زیر نگرانی علیحدہ علیحدہ عدالتیں قائم کی گئیں اور ان مقامات پر کلکٹر کی ضرورت نہ سمجھی گئی[1]۔ صوبہ جاتی عدالتوں کے فیصلوں کے مرافعے چند قیود کے تحت گورنر جنرل اور ارکانِ مجلس اعلیٰ کی خدمت میں جب کہ وہ بہ حیثیت حکام صدر دیوانی عدالت کارفرما ہوں پیش ہونے کی اجازت دی گئی اور کلکٹروں کے فیصلوں کے مرافعے اولاً مجلس مال اور پھر گورنر جنرل باجلاس کونسل کی سماعت کے قابل قرار دیے گئے۔

عدالت فوجداری کا انتظام نائب ناظم یا نائب نواب ہی کے ہاتھ میں رہا جن کی عدالتوں میں جہاں مسلمان منصف نگراں تھے تحقیقات کے لیے وہ مجرمین بھیج دیے جاتے تھے جنہیں مجسٹریٹ گرفتار کرتا تھا بجز ان خفیف جرائم کے مقدمات کے جن کا فیصلہ کلکٹر بحیثیت مجسٹریٹ کرتا تھا اور اپنی نگرانی میں بعض حدود کے اندر سزا بھی دے سکتا تھا۔ ۱۷۹۰ء کے اختتام پر ان انتظامات میں ایک بہت اہم تغیر واقع ہوا جو (جیسا کہ اُس تمہیدی رائے سے معلوم ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ نافذ ہوا) ان مختلف ناقص منصوبوں کی وجہ سے پیش آیا جو ۱۷۶۵ء سے زمانۂ حال تک اختیار کیے جاتے رہے اور اس تغیر کا خاص سبب یہ تھا کہ مجرمین کو سزا پانے میں بہت تاخیر ہو جاتی تھی اور عدالت ہائے فوجداری کے دستور میں نقائص بھی تھے۔ لہذا یہ اعلان کیا گیا کہ[2] عدل گستری بصیغۂ فوجداری عاجلانہ اور بے لوث ہونے کے خیال سے نیز اس غرض سے کہ ہر طبقے کے باشندے جان اور مال کی حفاظت سے متمتع ہوں گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمام حصص صوبجات میں فوجداری انتظامات کی نگرانی بھی قبول کرے اس تجویز کی مطابقت میں نظامت عدالت یا صدر عدالت فوجداری پھر مرشد آباد سے کلکتے میں منتقل کی گئی تاکہ اس میں گورنر جنرل اور ارکان مجلس اعلیٰ کی شرکت ہو سکے جن کی امداد کے لیے قاضی القضاۃ صوبہ اور دو مفتی مقرر کیے گئے تھے

---

1 - یہ کلیتہً صحیح نہیں ہے۔ جن اضلاع میں یہ شامل کیے گئے تھے وہاں کے کلکٹر ان شہروں پر مالی اختیارات کا استعمال کرتے تھے۔ مجسٹریٹ اور جج کے علیحدہ علیحدہ تقررات کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شہروں میں ان عہدہ داروں کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔

2 - بنگال کی مجالس مشاورت منعقدہ ۳ دسمبر ۱۷۹۰ء، لارڈ کارنوالس کی یادداشت منضبط ہوئی۔

اور ساتھ ہی ساتھ چار مجالس دورہ قائم کی گئیں جن میں سے ہر ایک کی نگرانی پر کمپنی کے دو ملازمانِ متعہد مقرر کیے گئے جنہیں ججانِ مجالس دورہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور ہر مجلس کے ساتھ ایک قاضی اور ایک مفتی ان ججوں کی اعانت اور شرع محمدی کی تشریح کرنے کے لیے رکھا گیا تاکہ مجالس مذکورا ایسے جرایم کے مقدمات کی تحقیقات کریں جن میں مجسٹریٹ سزا نہ دے سکتے ہوں ججوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ سال میں دو مرتبہ ملزمین کی عام حوالات کی کارروائی ان مختلف مجسٹریٹوں کے مستقروں پر کیا کریں جو اپنے حلقوں میں ہوں اور مقدمات قابل سزائے موت میں اپنی کارروائیوں کی رُوداد بغرض توثیق کلکتے کی نظامت عدالت کو روانہ کریں جب ایک جج اپنی سمت کے دورے میں مشغول رہتا تو دوسرا جج اپنے شہر یا حلقے کے مستقر پر ملزمین کی حوالات کا کام کیا کرتا۔ دیوانی و فوجداری عدالتوں میں ہر شعبے کے نیز انتظام مالگزاری کے ضوابط کی نظر ثانی کی گئی اور بہت کچھ اضافے کے بعد وہ عام اطلاع کے لیے انگریزی اور دیسی زبانوں میں شائع کیے گئے اور ساتھ ہی ساتھ حکام صوبہ کے مقرر کردہ طریقے بھی بتا دیے گئے جن کی بنا پر ہر ذیلی عدالت سے اعلیٰ تر عدالت تک مرافعے ہو سکتے تھے اور جن کے متعلق اگر ضرورت ہو تو گورنر جنرل با جلاس کونسل سے بھی دادرسی حاصل کی جا سکتی تھی جس کے اعلیٰ ترین اقتدار میں مختلف اختیارات ضم ہو گئے تھے اور جس کے فیصلے تمام معاملات عدل گستری و انتظامات داخلی میں دیسیوں کی حد تک قطعی ہوتے تھے بجز اُن مقدمات دیوانی کے جن میں زرڈگری شدہ کی مقدار پچاس ہزار روپیے[1] یا پانچ ہزار آٹھ سو پونڈ سے زیادہ ہو کیونکہ ایسے مقدمات کے مرافعے ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں ہو سکتے تھے۔

محصول سائر[2] اور اجارۂ افیون و نمک کے متعلق ضوابط اسی وقت نافذ کیے گئے تاکہ حکومت کے مفاد میں ترقی ہو اور دیسیوں کے اُن مختلف طبقوں کی حالت جو ان ضوابط سے تعلق رکھتے ہوں بہتر ہو لیکن چونکہ ان کا ذکر خاص طور پر بعد میں کیا جائے گا اس لیے

---

[1] اس زمانے میں مختلف قسموں کے روپیے رائج تھے۔ دو اہم قسمیں 'سکہ' اور 'ارکاٹی' روپیے کی تھیں پچاس سال بعد تک کمپنی کے روپیے کی قیمت معین نہیں ہوئی تھی ملاحظہ ہو پرنسپ کی 'مفید فہرستیں' (مضامین تھامس مورخہ ۱۸۵۸ء)۔

[2] سائر چنگی اور آبکاری کے محصول کے مماثل تھا۔

آپ کی مجلس اب ان تدابیر کی تفصیل پیش کرے گی جو دوامی بندوبست مالگزاری کے فروغ اور تکمیل کے لیے اختیار کی گئیں۔

تجویز بندوبست دوامی کی تیاری کے طور پر جن امور کو ضروری سمجھ کر حکومت نے تحقیقات شروع کی وہ یہ تھے: اضلاع اور اُن کے زمینداروں کی گذشتہ تاریخ اور زمینداروں کے مختلف طبقوں کے حقوق جو ویسی حکومت کے زمانے میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ موجودہ قواعد جن کی رُو سے مالگزاری جمع کیجاتی تھی اور قدیم رسم و رواج جہاں تک ان کا پتہ چل سکے۔ مالگزاری کی وہ رقم جس کا حکام بالا کی ہدایات کے تحت زمیندار سے مطالبہ کرنا مناسب ہو اور ایسے ضوابط کا نفاذ جو شکمی اسامیوں اور کاشت کاروں کو ظلم سے بچائیں اور ان کو اپنی جائداد سے متمتع ہونے کا موقع دیں۔ ان امور کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئی وہ اسقدر کثیر اور پراگندہ ہے کہ وہ ایوان عالی کے سامنے پیش نہیں کیجا سکتی۔ لیکن آپ کی مجلس کی رائے ہے کہ مسٹر شور کی (جواب لارڈ ٹین ماؤتھ ہیں) یادداشت اس موقع پر نظر انداز نہونی چاہیے جس میں مجلس کو ایسی معلومات شامل نظر آتی ہے جو تجربے اور مستعدانہ تحقیقات سے ہندوستان کے باشندوں کی خصوصیات و حالات، نیز ملک کے سابقہ و موجودہ حالات اور حکومت مغلیہ کے قوانین و معمولات کے متعلق حاصل کی گئی ہے اور اس کے ذریعے ہر زمانے میں ایک قابل قدر مستند مواد کی حیثیت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

محصلہ معلومات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ کمپنی کے دیوانی کا جائزہ لینے کے وقت صوبوں کے اندرونی نظم و نسق میں بہت بدنظمی پھیلی ہوئی تھی تاہم قوی ترین و معقول ترین مغلیہ حکومتوں کے تحت حکومت کا ایک باقاعدہ نظام موجود تھا جس میں باشندوں کے مختلف طبقوں کے حقوق و اختیارات کو ہندوؤں کے اُن قوانین کے ذریعے تسلیم اور محفوظ کیا گیا تھا جو جائز طور پر سختی کے ساتھ عمل میں لائے جاتے تھے اور جن سے دیسیوں کی خوشحالی میں ترقی اور سلطنت کے محاصل کی مقررہ وصولیابی میں پائیداری مقصود تھی۔

جیسا کہ کمپنی کے بعض ذہین ملازمین کا خیال تھا کہ پیش نظر بندوبست میں قدیم حکومت کے ایسے قوانین و قواعد کو ملحوظ رکھنا زیادہ مناسب ہوگا جن سے باشندے واقف

عہ ضمیمہ نشان ب۔

ہیں بہ نسبت اس کے کہ اُسے عدل گستری اور مالگزاری کے اُن اصول و قواعد پر مبنی کیا جائے جو ایسے اجتماعی حالات سے لیے گئے ہوں جن سے باشندے بالکل غیر مانوس ہیں۔ اب آپ کی مجلس انتظام مالگزاری کے اندرونی طرز عمل سے متعلق اُس اسکیم کی تشریح کرے گی جس کے بارے میں محولِ بالا اشخاص کی یہ رائے تھی کہ اُسے قابل ترجیح تسلیم کیا جائے۔

ہندوستان کے وسیع میدانوں میں ایک کشادہ قابل کاشت رقبہ، جس کے متعلق لارڈ کارنوالس کا اندازہ تھا کہ وہ کمپنی کے صوبوں کا ایک ثُلث ہوگا اور جسے بعض لوگوں نے نصف اور بعض نے دو ثلث بیان کیا، ویران پڑا ہوا تھا اور غالباً کبھی زیر کاشت نہ آیا تھا۔ لہٰذا دیسی حکومتوں کے لیے جن کا اہم مالی ذریعہ مالگزاری تھا یہ قرار دینا ضروری ہوگیا کہ جیسی جیسی آبادی اور کاشت میں ترقی ہوتی جائے سلطنت بھی اسی تناسب کے ساتھ اس ترقی پذیر رفتار سے فائدہ حاصل کرے۔ اس قاعدے کے نفاذ کی خواہ کچھ ہی غرض رہی ہو اس کا رجحان یہی تھا کہ فصل میں حکومت کا حصہ معین کیا جائے۔ اس قاعدے کا پتہ سلطنت کے ہر اُس حصے میں بطور عام اصول کے چلتا ہے جو حکومت برطانیہ کے تحت آیا ہے اور یقیناً اس کی ابتدا مسلمانوں کے ہندوستان میں داخل ہونے کے زمانے سے قبل ہوئی تھی۔ اُس قاعدے کی رُو سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ زمین کی پیداوار خواہ اس کا اندازہ جنس میں کیا جائے یا رقم کی صورت میں، حکومت اور کاشت کار کے مابین معین تناسب سے تقسیم ہوتی ہے۔ جب زمین حال کی صاف شدہ ہوتی اور اس پر غیر معمولی محنت کی ضرورت لاحق ہوئی ہوتی تو اس وقت حصص مختلف ہوتے تھے مگر جب اس کی پیداوار کامل طور پر درست اور زرخیز ہو جاتی تو کاشت کار کو دو خمس اور باقی حکومت کو ملتا تھا[ر۵]۔ حکومت کے حصے کی پھر زمیندار اور دیہات کے عہدہ داروں کے مابین اس طرح تقسیم ہوتی تھی کہ زمیندار کو اس حصے کا تقریباً ۱/۱۰ یا کُل پیداوار کے ۳/۵۰ سے کچھ ہی زیادہ مل سکتا تھا[ر۶]۔ لیکن ممتاز کارگزاریوں کی صورتوں میں یہ کمی اس کے حق میں اُس خاص عطیۂ اراضی کے ذریعے پوری کر دی جاتی تھی جو نانکار[۱] (یا گزارہ) کے نام سے موسوم تھا۔ جو چھوٹے

ر۵ مراسلہ منجانب مددگار متعین بنام کلکٹر بھاگل پور مورخہ ۱۱ اگست ۱۷۹۶ء۔

ر۶ ضمیمہ نشان ر۵ روداد ضلع بھاگلپور متعلقہ تحقیقات در مقامات فرکیہ، مونگھیر، سلیم آباد، کھڑکپور۔

۱۔ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

چھوٹے حصّے باقی رہ جاتے تھے وہ مقدم یا گاؤں کے چودھری (جو یا تو اس گاؤں کو ابتداءً آباد کرنے میں شریک سمجھا جاتا تھا یا اس کو اپنا حق بہ ذریعۂ وراثت یا بیع وشری حاصل ہوتا تھا اور اب تک اس مقام کی کاشت کی ترقی اور نگرانی کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا) اور پاسبان یا گورایت (جس کا فرض تھا کہ فصل کی حفاظت کرے) اور پٹواری[1] یا دیہی محاسب کے درمیان تقسیم ہوتے تھے مؤخر الذکر شاید واحد شخص تھا جو لکھ پڑھ سکتا تھا اور اسی پر کاشت کار اپنے مطالبات اور واجب الادا لگان کے تصفیے کا اعتماد کرتے تھے۔ ان اشخاص کے ساتھ ساتھ جو زمیندار سے لے کر ذیلی عملے تک حکومت کے ملازمین کے علاوہ کچھ اور نہیں سمجھے جا سکتے معیّن حصۂ پیداوار یا خاص عطیۂ زمین کی شکل میں قانون گو[2] یا حکومت کے راز دار کارکن کے لیے گنجائش رکھی گئی تھی جس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نافذ شدہ قوانین کا محافظ و شائع کنندہ تھا اور اس کے عہدے کا مقصد یہ تھا کہ مالی معاملات میں تمام دیگر اشخاص کے طرزِ عمل پر نگرانی قائم رہے۔ اس عہدہ دار کی یا اس کے کسی مقرر کردہ گماشتے کی نگرانی میں چند مواضع جو باہم متصل ہوتے دیدیے جاتے تھے جہاں وہ پٹواری کے تیار کردہ حسابات کا ہر وقت معائنہ کر سکتا تھا۔ اور ایسے معاملات جو اراضی کے قبضے یا حدود کے تعین سے متعلق ہوں باقاعدہ طور پر اس کے علم میں اس طرح ہوتے تھے کہ ہر وقت جب اس کی طلبی ہو وہ حکومت کے سامنے اراضی زیر کاشت کے رقبے، پیداوار کی نوعیت، ادا شدہ لگان کی رقم اور بالعموم قواعد مذکورِ بالا کے تحت مقررہ حصص کے مطابق پیداوار کی تقسیم کے بارے میں تفصیلی رُوداد[3] پیش کر سکتا تھا۔ علاوہ بریں متنازعہ حدود، دریاؤں یا خزانہ ہائے آبپاشی کے استعمال اور عموماً منتقل جائداد یا مقامی رسم و رواج کے اُن تمام نزاعات کے متعلق جو اس کے حدودِ اختیار میں ہوں اسی عہدہ دار کی طرف رجوع کیا جاتا تھا[ف]۔ آپ کی مجلس نے قانون گو کے عہدے کے بیان میں زیادہ تخصیص سے کام لیا ہے کیونکہ وہ دیکھتی ہے

---

۱ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

۲ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

۳ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

ف مراسلہ مورخہ ۶ دسمبر ۱۷۸۸ء منجانب کلکٹر بھاگلپور متعلق بہ دستور العمل و فرائض عہدۂ قانون گو۔

کہ اگرچہ اُسے دوامی بندوبست مالگزاری کے عمل میں آنے کے بعد بنگال اور بہار[1] میں سخت مُضر سمجھکر (شاید بہت عجلت کے ساتھ) منسوخ اور برخاست کر دیا گیا تاہم یہی عُہدہ اضلاع[2] مفوضہ و مفتوحہ اور صوبۂ بنارس[3] میں حال ہی میں بہت مفید اور سرکاری مفاد کے لیے سودمند قرار دیا گیا ہے اور متعدد ایسے عہدہ دار جو وہاں پائے جاتے ہیں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اس انتظام کے تحت چند مواضع کے باہم ملنے سے ایک پرگنہ[4] بنتا ہے اور اسی طرح چند پرگنوں کا اتصال چکلے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو ایک ایسے خطۂ ملک پر مشتمل ہوتا ہے جس کی وسعت غالباً انگلستان کی موجودہ کاونٹی (ضلع) کے برابر ہوتی ہے۔ چند چکلے ملنے سے سرکار بنتی ہے اور چند سرکاریں مل کر آخری

---

[1] اضلاع مفوضہ و مفتوحہ اور صوبۂ بنارس میں قانون گو حسب ضابطۂ چہارم ۱۸۰۳ء مقرر ہوئے تھے ۱۸۱۲ء میں یعنی اُس سال جب کہ رُوداد پنجم شایع ہوئی بنگال و بہار میں قانون گو کے دوبارہ تقرر کا سوال اٹھایا گیا تھا۔ یہ عہدہ بہار میں ضابطۂ دوم ۱۸۱۶ء اور بنگال میں ضابطۂ اول ۱۸۱۹ء کے ذریعے دوبارہ قائم ہوا۔ یہ مکرر قائم شدہ عہدہ کامیاب ثابت نہ ہوا اور آخر کار ۱۸۲۶ء میں برخاست کر دیا گیا۔

[2] اضلاع مفوضہ و مفتوحہ جن کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے گرانٹ کی شرح کی بیان کردہ اراضی مفوضہ سے احتیاط کے ساتھ ممیز کیے جانے چاہییں۔ موخر الذکر میں کلکتہ، بردوان، چوبیس پرگنے، مدناپور اور چٹکانگ شامل تھے (ملاحظہ ہو حصۂ اول باب ۱)۔ اضلاع یا صوبہ جات مفوضہ و مفتوحہ سے مُراد وہ جدید علاقے ہیں جو گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی کے زمانے میں حاصل ہوئے۔ ۱۸۰۱ء میں اودھ کے مشرق، جنوب اور مغرب کے وسیع خطّے نواب وزیر اودھ نے عہد نامۂ لکھنو کے ذریعے حکومت برطانیہ کے تفویض کیے جو برائے نام برطانوی افواج کی سربراہی کے مصارف کے لیے تھے۔ یہ رقبہ اصل اضلاع مفوضہ پر مشتمل ہے۔ جنرل لیک اور جنرل ولزلی نے ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے مابین جو معرکہ آرائیاں کیں وہ ہولکر اور سندھیا کے اقتدار کی شکست اور دریائے جمنا کے شمالی رقبے اور شمالی دوآبے کے فاتحانہ قبضے پر منتج ہوئیں۔ ان قطعات کو نواب وزیر کے تفویض کردہ رقبے سے ملا دیا گیا۔ اور انہیں صوبجات مفوضہ و مفتوحہ کے نام سے موسوم کر کے زیر انتظام لایا گیا۔

[3] کمپنی نے راجہ سے ایک عہد نامہ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۴ء کے بموجب مالگزاری بنارس کا انتظام کامل طور پر اپنی نگرانی میں لے لیا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ہذا ملاحظہ ہو صفحہ آیندہ پر)۔

یا بڑا علاقہ بناتی ہیں جسے صوبہ کہتے ہیں۔ ایسے صوبوں میں سے عطیۂ دیوانی کے ذریعے برطانوی حکومت کو دو صوبے یعنی صوبۂ بنگال اور صوبۂ بہار کچھ حصۂ اوڑیسہ کے ساتھ حاصل ہوئے۔

اس مختصر بیان سے جس میں صوبہ جاتی تنظیم محکمۂ مال کا ذکر کیا گیا ہے آپ کی مجلس کا خیال ہے کہ شاید یہ ظاہر ہو کہ جب مغلیہ سلطنت اپنے عروج پر تھی اور یہ فرض کیا جائے کہ مختلف عُہدے اُوپر سے لے کر نیچے تک ہر زمانے میں منصفانہ طور پر پُر کیے گئے اور ان کے فرائض عمدگی سے انجام پاتے رہے تو لگان اراضی بغیر کسی قسم کی سختی کے کاشتکار سے وصول ہوتا رہا ہوگا۔ اور مذکورِ بالا قواعد کی رُو سے پیداوار کے مختلف حصے فریقین کے حقوق کا مناسب خیال رکھتے ہوئے تقسیم ہوئے ہوں گے۔ لیکن اسقدر وسیع سلطنت میں اس کی توقع نہیں کیجا سکتی تھی خصوصاً جب کہ وہ زوال کی حالت میں تھی اور زیادہ ستانی ایک طرف اور اخفا اور ٹال مٹول دوسری طرف ہو سکتی تھی اس لیے خاص تحصیل وصول یعنی جو براہ راست حکومت کی جانب سے کیجائے کبھی کبھی مخصوص صورتوں میں ہوتی ہوگی۔ عملی طور پر یہ طریقہ زیادہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۷-

گ ضمیمہ نشان ۳ ضابطۂ ششم بابت ۱۸۰۳ء۔

ح۔ انتظامی علاقوں کا یہ بیان غیر صحیح اور پیچیدہ ہے۔ پرگنہ غالباً ابتدا میں جنگل کا صاف شدہ ایک حصہ تھا جس نے بعد کو "تعلقے" کی صورت اختیار کر لی لیکن یہ فرض کرنا غلط ہے کہ بنگال کے بیشتر حصے میں "موضع" ابتداءً نظام حکومت کا ایک مسلّم جزو تھا۔ "چکلہ" انتظامی سے قبے کی حیثیت سے مرشد قلی خان نے رائج کیا۔ یہ سرکار سے چھوٹا نہیں بلکہ بڑا تھا اور رقبہ زیر چکلہ اور رقبہ زیر سرکاریں براہ راست کوئی تعلق نہ تھا۔ اصل سرکاروں کو چکلوں میں تقسیم کرتے وقت اکثر توڑ دیا گیا اور وہ مسلّم رقبوں کے طور پر باقی نہ رہیں۔ اسی طرح پرگنہ اکثر ایک سے زائد سرکاریں اور من بعد ایک سے زائد چکلے میں پایا جاتا ہے۔ جیسی جیسی طریق نظم و نسق میں ترقی ہوتی گئی پرگنے جو اٹھارویں صدی کے وسط تک برابر بنتے چلے گئے بڑے پیچیدہ حلقے ہو گئے۔ ملاحظہ ہو حصۂ اول باب دوم۔ اس پورے حصے کا مفہوم کسی قدر مبہم ہے کیونکہ ایک ایسے نظم و نسق کو معیّن انتظام کی حیثیت سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مغلیہ حکومت کی ڈھائی صدیوں میں مسلسل ترقی پاتا رہا۔

رائج تھا کہ زمینداری بندوبست کیا جائے یا کوئی طریق اجارۂ[1] عامل یا منتظم کے تقرر کے ساتھ قائم کیا جائے جو اپنے لقب کے لحاظ سے تو محض ایک گماشتہ ہوتا تھا لیکن عملاً اُسے ایک مقررہ رقم مالگزاری وصول کرنے کا اکثر ذمہ دار بنایا جاتا تھا۔

بندوبست کا تعین کرنے کے لیے جو کئی سال کا بھی ہو سکتا تھا مگر عموماً سالانہ ہوتا تھا صوبہ دار یا دیوانِ سلطنت[2] خود صوبجات کا دورہ کرتے یا زمینداروں کو اپنے سامنے طلب کرتے تھے۔ اگر وہ مجوزہ رقم کو منظور کر لیتے تو بندوبست ان کے ساتھ کر دیا جاتا تھا اور اگر راضی نہ ہوتے تو وہ ایسے عامل یا کاشت کار کے ساتھ کیا جا سکتا تھا جو اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری کی ضمانت عند الطلب دے سکے۔ اور اس میں نہ صرف وہ رقم مالگزاری شامل ہوتی تھی جو حکومت کو ادا کیجاتی تھی بلکہ وہ متناسب حصہ بھی جو حسب تشریح بالا زمیندار اور دیگر ادنی عہدہ داران دیہی کو واجب الادا ہوتا تھا۔ کاشت کار کے فائدے کے متعلق یہ متصور ہوتا تھا کہ وہ زیادہ تر اُن ذرائع پر منحصر ہے جو کاشت کی توسیع کے لیے اسے حاصل ہوں۔ اسی طرح زمیندار کو بھی اگر اس کے ساتھ بندوبست کیا جاتا تو اس کے مقررہ حصۂ پیداوار کے علاوہ اس قسم کے فوائد حاصل ہوتے تھے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں انہیں جو نفع حاصل ہوتا تھا وہ ان کے حقیقی نفع کا بہت ہی قلیل جزو ہوتا تھا خصوصاً جب کہ وہ حکومت کی نگرانی سے دُور ہوں۔

اسی اصول پر جس کی رُو سے قانون گو اور پٹواری صوبے میں مقرر کیے گئے تھے ایک صدر قانون گو اور مہتمم خزانۂ صوبہ دار کے تحت متعین تھا جہاں سے سالانہ مالگزاری کے حسابات دار السلطنت بھیجے جاتے تھے اور جہاں سے ہر وقت ایسے احکام یا اطلاعات صوبہ جات کے قانون گویوں اور محاسبوں کے نام روانہ کی جا سکتی تھیں کہ کسی ایک موضع یا اُن مختلف مواضع کی اصل حالت یا پیداوار کے متعلق تفصیلات ارسال کیجائیں جو صوبہ داری

---

[1] ملاحظہ ہو حصۂ اول باب سوم۔

[2] دیوان سلطنت وہی عہدہ دار نہیں ہے جو دیوان صوبہ تھا۔ لیکن کوئی شہادت ایسی نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ دیوان سلطنت معمولاً صوبوں کے بندوبست میں بھی دخل دیتا تھا۔ ۱۶۵۸ء کا بندوبست صوبہ دار نے کیا تھا اور عہد مرشد قلی خاں کا بندوبست دیوانِ صوبہ نے۔ بعد کے تمام بندوبست معلوم ہوتا ہے کہ خود صوبہ داروں نے کیے تھے۔

کی حدود میں شامل ہوں۔

کافی علامات اس امر کو ظاہر کرنے کے لیے اب بھی باقی ہیں کہ بہار میں ان اداروں کی اصلی حالت کیا تھی۔ لیکن بنگال میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ساتھ جب بدنظمی بڑھتی گئی تو اُن سب قیود کی پابندیاں کالعدم ہوگئیں جو حکمران قوت کو اس قابل بناتی تھیں کہ دیہی تحصیل وصول کے متعلق صحیح حسابی معلومات حاصل کر سکے۔ قانون گو کے عہدے کا محض نام باقی رہ گیا تھا۔ اور کوئی دوسرا بہتر طریقہ زمین کی مالیت کا علم حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا نظر نہ آتا تھا کہ مختلف سنین کی وصولیابیوں کا باہمی مقابلہ کیا جائے یا دیہی حسابات کو دیکھا جائے لیکن ان میں بھی جعل سازی کا امکان تھا۔ یہ دشواری اُس فرق کی وجہ سے اور بڑھ گئی جو بنگال کے ابتدائی طریق بندوبست میں اور بہار کے بندوبست کے مذکور بالا عمل درآمد میں تھا۔ بنگال میں فصل کے ایک حصے یا مروج سکے کے مطابق اس کی تخمینہ شدہ قیمت کی بجائے کل رقم جو ایک واحد کاشتکار کی جانب سے واجب الادا ہوتی تھی ایک مجموعی رقم کی صورت میں قرار دی گئی تھی جو اصل یا اصل لگان کہلاتی تھی اور زمیندار، محاسب موضع، منڈل اور دیگر ادنیٰ عہدہ داروں کے لیے زمینداری کے حصۂ پیداوار کی تقسیم کے عوض دوسرے ذرائع سے انتظام کیا گیا اور یہ اس طرح عمل میں آیا کہ یا تو انہیں اراضی عطا کی گئی یا باقی دیگر باشندوں کے مقابلے میں کمتر شرح پر کاشت کرنے کا حق دیا گیا اور کچھ رقم بھی مقرر کر دی گئی۔ یہ ایک ایسا طریقہ تھا جس سے سرکاری ملازموں کو دیہی حسابات درست رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی تھی اس لیے ان میں جعل یا ان کے اخفا کا امکان اور بھی بڑھ گیا مزید برآں اس سے زمیندار کی حیثیت اراضی کے حقوق مالکانہ کے متعلق یورپین تخیل سے قریب تر ہوگئی بجائے اس کے کہ وہ اس کے حصۂ پیداوار پر مبنی سمجھی جاتی جس میں عہدہ داران سرکاری بھی شریک رہتے تھے۔ اور غالباً یہی بنا تھی اُس اختلاف آرا کے ایک بڑے حصے کی جو اس موضوع پر صدر حکومت کے مباحث میں اس وقت نظر آتا ہے۔

مُغلیہ نظام کے اس پہلو کے لحاظ سے جو پہلے قائم تھا اور اس حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس میں اب وہ جا گرا تھا بعض اشخاص نے کمپنی کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ زیادتی آبادی اور عام خوشحالی کی ترقی سے جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان میں حصہ لینے کے مواقع کو بحال کر دیا جائے اور مذکورہ زیادتی و ترقی کی حکومت برطانیہ کے تحت اس طرح معقول

طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ مغلیہ حکومت کی قائم کردہ قیود کے تحت مالگزاری کے میعادی بندوبست کے طریقے کو جاری رکھا جائے اور ان قیود کے متعلق یہ استدلال کیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی ابتدائی مفید نوبت پر لائی جائیں اور ان میں برطانوی حکومت کے مزید قوانین کے ذریعے اصلاح کی جائے تو ایک منصفانہ اور روشن دماغ حکومت کے تحت یورپین سلطنت کی فیاضانہ حکمتِ عملی کو اور مشرقی بادشاہی کی قوت واقتدار کو یکجا جمع کیا جاسکتا ہے اور یہ امر بہ حیثیتِ مجموعی دیسیوں کی فطرت تجربے اور فہم سے زیادہ مناسبت رکھے گا بہ نسبت ان قوانین کے جو ایسے اصول پر مبنی کیے جائیں جو اُن کے لیے بالکل نئے ہوں اور ایک ایسی سوسائٹی کے حالات سے اخذ کیے گئے ہوں جن سے وہ ناواقف ہوں اور جن کے اصل مقصد کو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صدر حکومت کے سر برآوردہ ارکان اس مراسلت کے ابتدائی زمانے ہی میں جو اس وقت شروع ہوئی تھی زمینداروں کے مالکانہ حقوق اراضی کی موافقت سے متاثر ہو گئے تھے اور ان کی رائے تھی کہ اگر سابقہ حکومت کے قوانین کے لحاظ سے یکساں طور پر ان حقوق کا استقرار نہ ہو سکتا ہو تب بھی معقولیت اور انسانیت کا تقاضا ہے کہ انہیں جاری کر دیا جائے۔ اس امر کے فیصلے کے وقت ایک ایسے انتظام کا نفاذ پیش نظر تھا جس کی بنیاد انفرادی جائداد کی حفاظت اور دیوانی و فوجداری عدالتوں کے ایسے قواعد پر رکھی جائے جن میں شخصی حالات نظرانداز کر دیے جائیں اور ان قواعد کا عمل حکومت کے اقتدار واثر سے آزاد ہو۔ یہ ساری کارروائی سختی کے ساتھ انگلستان کے اُن نافذ کردہ احکام کی تعمیل میں کی جائے جن میں مالگزاری کے اضافے سے متعلق تمام نظریوں کو ناپسند کیا گیا ہے اور صرف یہ ضروری بتایا گیا ہے کہ جو کچھ رقم مالگزاری اس وقت معین کر دی جائے وہ حسب سابق قابل تغیر ہو اور نہ اس میں عدم تادیہ کی گنجائش ہو اور جو قواعد اس کے وصول کرنے کے لیے مرتب کیے جائیں وہ مستقل ہوں۔ اور جو کچھ بھی کرنے کا قصد ہو اس کے ضمن میں اگر دیسیوں کے مُسلّم معمولات سے کوئی اختلاف واقع ہو جائے تو بھی اُن کو اور خصوصاً زمینداروں کو بہت فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ یہ فرض کیا گیا تھا کہ وہ فوراً مجوزہ فائدے کے منشا کو کافی طور پر سمجھ جائیں گے اور اس طرح یہ اعتراض کہ اس کے نافذ کرنے کا طریقہ جدید تھا نہ ہو سکیگا اور اُن طریقوں کی منسوخی کا افسوس بھی جو ان کے لیے مضر تھے محض اس بنا پر نہ ہوگا کہ وہ مدت مدید سے رائج تھے۔ بہ ایں

حکومت کا منشار اگرچہ شروع ہی سے بہت واضح رہا تھا تاہم اُن اہم امور کو جن پر اس جلد بد طریقے کا انحصار تھا بحث مباحثے کے لیے پیش کیا گیا اور حکومت نے اپنے عُہدداروں کو آزادانہ طور پر بحث کرنے کی اجازت دی۔ یہ عہدہ دار اپنے احساسات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مقامی تجربے پر مبنی تھے مجوزہ قواعد کے نافذ کرنے کی بہترین صورتیں پیدا کر سکتے تھے۔

اگرچہ کمپنی کے ملازمین کو ان صوبہ جات پر دیوانی اختیارات چھبیس[۲۶] سال سے زائد مدت تک حاصل رہ چکے تھے اور مختلف اوقات میں مالگزاری کی کیفیت اور رعایا کی حالت کے متعلق خاص طور پر تحقیقات کیجا چکی تھی تاہم اُن مختلف طبقوں کے اشخاص کے حقوق و معمولات کے بارے میں جو مالگزاری سے تعلق رکھتے تھے بہت کچھ بے اطمینانی رہ گئی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ محولۂ بالا یادداشت کے مصنف[۱] کی قابلیت اور تجربے نے اس کمی کی تلافی کر دی اور حکومت کو اس قابل بنا دیا کہ وہ بغیر کسی توقف کے دہ سالہ بندوبست مالگزاری قائم کر کے عام ہدایات و احکام انگلستان کے احکام کی متابعت میں بنگال کے مختلف اضلاع کے کلکٹروں کی رہنمائی کے لیے ۱۷۸۹ء کے آخر میں شائع کرے اور دوسرے سال صُوبۂ بہار کے لیے بھی اسی قسم کے احکام جاری کرے۔ لیکن غیر متوقع رکاوٹوں اور کئی نئی صورتوں کی وجہ سے جو ان انتظامات کے دوران میں پیدا ہوئیں نومبر ۱۷۹۱ء سے پہلے اس غرض کے لیے مرمہ اور کامل مجموعۂ قوانین حکومت کی جانب سے تیار اور شائع نہ ہو سکا اور نہ ۱۷۹۳ء تک ہر ضلع میں دہ سالہ بندوبست کو مکمل قرار دیا جا سکا۔

چونکہ دہ سالہ بندوبست کی تکمیل نے اُن اہم ترین تجاویز میں سے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے کسی وقت اختیار کی تھیں ایک کی جانب رہنمائی کی بلحاظ اس کے کہ اُس نے خود اپنے لیے رقم مالگزاری دوامی طور پر معین کر لی نیز بلحاظ اس کے کہ زمینداروں کو ایسے حقوق قائم کر کے عطا کیے گئے جو اس ملک میں اب تک نامعلوم اور غیر مستعمل تھے اس لیے آپ کی مجلس کا خیال ہے کہ ایوان اُس سے اس بندوبست

۱۔ سر جان شور۔

کی نوعیت کے خاص تذکرے کا متوقع ہوگا۔
جو بند سوالات حکومت کی جانب سے گشت کرائے گئے تھے اُن میں اول امر مجوّزہ کا منشا اس بات کا تصفیہ کرنا تھا کہ بندوبست کس شخص کے ساتھ کیا جائے اور اس میں کوئی مشکل واقع نہ ہوئی کیونکہ اُن اشخاص کی آرایں جن سے سرکاری طور پر اراضی کے حقوق مالکانہ کے متعلق نظری حیثیت سے مشورہ لیا گیا تھا خواہ کتنا ہی اختلاف رہا ہو وہ سب اس پر متفق تھے کہ تمام ممکنہ صورتوں میں بندوبست زمیندار سے کیا جائے بشرطیکہ کم سنی ضعف یا مشہور عام بدکرداری کے باعث اس کی عدم قابلیت کے بارے میں کوئی اعتراضات نہ پیش ہوں۔ اس قسم کی صورتوں میں یہ قاعدہ نافذ کیا گیا تھا کہ جائداد قابض کی طرف سے امانتاً دوسرے کو دیجائے اور ان حالات میں جہاں زمیندار مطلوبہ رقم لگان ادا کرنے سے انکار کرتا تھا جائداد ٹھیکے پر دیدی جاتی تھی اور حصۂ زمینداری کی طرح جس کی تشریح کی جاچکی ہے ایک حصہ اس کے گذارے کے لیے مقرر کردیا جاتا تھا۔
دوسرا مسئلہ تشخیص کی رقم کا تھا جو اراضی کے لیے معین کرنی تھی چونکہ یہ رقم ایک محدود ذریعۂ آمدنی ہو جانے والی تھی جس کی بنا پر حکومت آیندہ دوامی طور پر مالگزاری وصول کرسکتی تھی اس لیے یہ ضروری تھا کہ رقم مذکور کا تعین انتہائی احتیاط کے ساتھ کیا جائے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر مناسب اور اہم مقصد کے لیے معقول ذرایع موجود نہ تھے۔ جو امداد قانون گو کے دفتر سے سابق میں حاصل کیجا سکتی تھی وہ اب قابل اعتماد نہ رہی تھی اور پیمائش اور حسابات دیہی کے مقابلے سے اراضی کی مالیت کے بارےمیں یہ تفصیلی تنقیح اگر وہ اس غرض کے لیے کافی بھی سمجھی جائے انگلستان کے احکام سے ممنوع ہوگئی تھی۔ ان حالات میں حکومت کی توجہ ملک کے ذرائع آمدنی کے ایک تخمینے کی طرف منعطف ہوئی جو قدیم دستاویزات سے دفتر خالصہ کے افسر مسٹر جیمس گرانٹ نے اخذ کیا تھا۔ ان دستاویزات کے ذریعے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اُن ہندستانی عہدہ داروں نے اراضی کی اصل مالیت کا اخفا اور حکومت کے اعتماد کا ناجائز استعمال کیا تھا جو عطیۂ دیوانی کے ابتدائی زمانے میں مالگزاری کے انتظام پر مامور ہوئے تھے اور یہ کہ مجموعی تشخص رقم بہ حساب سکۂ انگریزی سالانہ پانچ لاکھ پونڈ سے زیادہ

ہونی چاہیے جواب تک کبھی وصول نہیں ہوئی تھی۔ یہ کارگزاری جس کا حوالہ دیا گیا ہے کئی لحاظ سے قابل تعریف اور دلچسپ ہے اور مجلس نے برضا و رغبت اس کو ضمیمہ نشان (الف) میں شامل کیا ہے کیونکہ اس سے مسلمانوں کے قدیم قواعد و طریقہائے قبضۂ اراضی کے علاوہ مالگزاری کی حالت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن بنگال کے متعلق جو تشخیص رقم بتائی گئی ہے اور اس میں جو غلط فہمی مصنف سے ہوئی ہے اُس کی کافی توجیہ مسٹر شور کی ایک یادداشت سے ہوجاتی ہے جو پہلے ہی سے ضمیمے[1] میں درج ہے۔ آخرکار حکومت کی اوسط جمع کو جو سابق سنین میں وصول ہوئی تھی اور جسے اُس قلیل معلومات سے اخذ کیا گیا تھا جو کلکٹروں کو دستیاب ہوئی تھی، بنیاد قرار دیکر ہر چھوٹی بڑی جائداد کی تشخیص کردی گئی اور اس میں اُس اصول کو ملحوظ رکھا گیا جو نظام نے تجویز کیا تھا یعنی یہ کہ ایک متوسط جمع "اگر باقاعدہ و بروقت وصول ہوتی رہے تو اُن کے مفاد کی امید و لیسیوں کی خوشحالی اور زمینداروں کی حفاظت کے ساتھ بہت زیادہ معقول طریقے پر بندھ جاتی ہے بہ نسبت اس کے کہ انتہا و زائد جمع کی غیر مکمل وصولیابی سختی اور تکلیف سے ہوا کرے"۔ کلکٹر جن کے سپرد مالگزاری اراضی کی تشخیص اور زمینداروں کے ساتھ معاہدات کرنے کا کام ایسی شرائط پر کیا گیا تھا جو حکومت 'ادنیٰ درجے کے زمینداروں اور کاشتکاروں کی حفاظت کے لیے ضروری سمجھتی تھی'، اپنی کارروائی کی مکمل کیفیت مجلس مال کو بھیجتے تھے جس کی سفارش پر بہ منظوری حکومت زمینداروں کے ساتھ آخرکار دس سال کے لیے بندوبست کرلیا جاتا تھا۔ اس توسط اور ان ذرائع سے جو مجموعی رقم مالگزاری صوبہ جات بنگال، بہار و اڑیسہ سے وصول ہوئی وہ آخرکار سنہ ۱۱۹۷ھ م سنہ ۱۷۹۰ع[2] میں ۲،۶۸،۰۰،۹۸۹ روپیہ یا ۳۱،۰۸،۹۱۵ پونڈ اور صوبۂ بنارس[3] سے ۳۴،۵۳،۵۷۴ روپیہ یا ۴،۰۰،۶۱۵ پونڈ ہوئی۔

اس اہم معاملے کے دوران میں نیز اسکی تکمیل کے وقت حکومت نے زمینداروں کے مالکانہ حقوق اراضی کو تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ اور یہ قصد کسی ایسے حق کے وجود

۱۔ اس مسئلے پر حصۂ اول باب پنجم و ششم میں بحث کی گئی ہے یہ امر بہت مشتبہ ہے کہ فی الحقیقت شور گرانٹ کی دلائل کو باطل کر دکھانے میں کامیاب ہوا۔

۲۔ بنگال، بہار و اڑیسہ کا دہ سالہ بندوبست حقیقت میں دو سال بعد تک مکمل نہ ہوا تھا۔

۳۔ بنارس، دوامی بندوبست کے تحت سنہ ۱۷۹۵ع تک نہیں لایا گیا تھا۔

کے ثبوت پر نہیں کیا گیا جو مغلیہ حکومت کے تحت اس کی بہترین مماثل حالت سے ظاہر ہوتا ہو بلکہ اس خواہش کی بنا پر کیا گیا کہ ان کی حالت کو حکومت برطانیہ کے تحت اس حد تک بہتر کیا جائے جہاں تک مالگزاری کے استقلال اور کاشتکاران اراضی کے حقوق کی تائید یکساں طور پر ممکن ہو۔ انگلستان کی ہدایات میں حکومت کو مغالطہ آمیز نظریوں کے خلاف متنبہ کردیا گیا تھا اور حالیہ تحقیقات میں حقوق، اختیارات اور رسم ورواج کا ایک ایسا سلسلہ معلوم ہوا تھا جو دیسی حکومت کے عمل درآمد میں تسلیم کیا گیا تھا اور اعلیٰ زمیندار سے لے کر معمولی مزدور زراعت تک سے متعلق تھا جس کی طرف توجہ کرنا ضروری تھا قبل اس کے کہ زمیندار کو بغیر روک ٹوک کے اپنی جائداد کا انتظام کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ تعلقدار، چودھری، منڈل اور مقدم[1] ہر ایک اپنا ممیّز حق رکھتا تھا جو دیسی حکومت کے تحت مسلم تھا خواہ ان کے ساتھ کیسے ہی مظالم اور زیادہ ستائیاں کی جائیں مالگزاری کے موجودہ انتظام کی رُو سے ان کے حقوق پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تھا اور یہ حقوق کافی طور پر ممیز تھے لیکن ادنیٰ تر اور کثیر تر طبقہ باشندگان (کاشتکار یا رعیت) کا معاملہ زیادہ پیچیدہ اور مختلف تھا خصوصاً صوبۂ بنگال میں قانون گو کے عُہدے کے ساتھ غفلت برتنے کی وجہ سے دیہی دفتر کے اندراجات ناقابل اعتماد ہوگئے تھے اور اس سبب سے پٹہ دینے کے طریقے میں بے قاعدگی اور پراگندگی پیدا ہوگئی تھی بلکہ بعض مقامات پر وہ موقوف بھی ہوگیا تھا۔ لہذا ان متعدد امور کو زمینداروں سے معاہدہ کرتے وقت غیر منفصلہ چھوڑ دینے کی جو ضرورت واقع ہوئی تھی اُس نے معاہدہ مذکور کو تجربے سے یہ معلوم کرنے کے قبل کہ جن مختلف مقاصد سے یہ نافذ کیا جارہا ہے آیا وہ پورے ہوتے بھی ہیں یا نہیں، ناقابل تنسیخ قرار دینے کی معقولیت میں شبہ پیدا کر دیا۔ دوامی بندوبست کے تحت ایسے نقائص کے مستحکم ہو جانے کا بھی اندیشہ تھا جو ابھی تک ظاہر نہ ہوئے تھے یا اگر ظاہر ہوئے ہوں تو اس نوعیت کے ہوں کہ فوراً ان کا اندفاع نہ ہو سکتا ہو اور اس سے غالباً یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ سالہ بندوبست' پوری مدّتِ معاہدہ یا اس کے ایک جزو کے لیے بطورِ آزمائش کیا جائے قبل اس کے کہ زمینداروں کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ اُن کا بندوبست

---

[1]۔ تعلقدار کی توضیح کے لیے ملاحظہ ہو حصۂ اول باب چہارم صفحہ ۳۸۔ چودھری کی حیثیت مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہے ملاحظہ ہو فرہنگ۔ منڈل اور مقدم عہدہ داران دیہی تھے۔

ہمیشہ کے لیے معین کر دیا جا رہا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر مجلس نظما سے استصواب کیے بغیر زمینداروں کو اس منصوبے کی اطلاع دینے کے خلاف کہ اُن کا بندوبست دوامی اور ناقابل تنسیخ ہوگا جو اعتراضات پیدا ہوئے انہیں قابلیت کے ساتھ اس زمانے کی صدر حکومت کی کارروائی میں پیش کیا گیا ہے اور ان کا جواب گورنر جنرل نے اپنی ایک یادداشت مورخہ ۳ رفروری ۱۷۹۰ء میں دیا ہے جو نظما کی رائے میں تشفی بخش ثابت ہوا۔ اس وقت جبکہ آپ کی مجلس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں بھی جو حال میں حاصل کیے گئے ہیں اسی نوعیت کے بندوبست کے قایم ہونے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اس کی یہ رائے ہے کہ جو یادداشت مذکرۂ بالا موقع پر لکھی گئی تھی اُسے معزز ایوان کی اطلاع کی غرض سے طبع کیا جائے اور یہ یادداشت بجنسہ ضمیمے[عہ] میں موجود ہے۔

محولۂ بالا کارروائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے یہ تصفیہ کیا کہ زیر بحث اطلاع زمینداروں کو فوراً دیدی جائے اور یہ کہ اگر نظما اس تجویز کو پسند فرمائیں جیسے یکسوئی کے لیے اُن کے ملاحظے میں پیش کیا جائیگا تو جو بندوبست ابھی ابھی کیے گئے ہیں اُن کو دوامی یا ہمیشہ کے لیے معین کر دیا جائے گا۔

نظما نے اس استصواب کے جواب[ک] (مورخہ ۲۹ رستمبر ۱۷۹۲ء) میں جو بندوبست کی کارروائی اور اُسے دوامی بنانے کی تجویز کے متعلق کیا گیا تھا، نہایت عمدہ الفاظ میں اس کام پر اظہار خوشنودی کیا جو اس وقت تک انجام پایا تھا اور جو خاکہ آیندہ کام کا پیش تھا اس کی منظوری دے دی۔ اُن کا خیال یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ لگان کے دوامی بندوبست کو کوئی ایسا استحقاق نہیں سمجھتے ہیں جو زمینداروں کو ان دعاوی کی بنا پر حاصل ہو جن کی بنیاد دیسی حکومت کے اصول یا عمل درآمد پر رکھی گئی ہے بلکہ وہ اسے ایک عنایت تصور کرتے ہیں جس کا زمینداروں کے حال پر مبذول ہونا حکومت برطانیہ کا ایک مستحسن طرز عمل ہوگا۔ اراضی کے حق مالکانہ کے متعلق حالیہ تحقیقات نے ابھی زمیندار کو ایسی حیثیت پر نہیں پہنچایا تھا جیسی یورپ میں ایک جائداد غیر منقولہ کے مالک کی ہوتی ہے جو اس کے حصوں کو پٹے پر دیسکتا ہے اور اپنی مرضی کے

عہ۔ ضمیمہ نشان ۵۔

ک۔ ضمیمہ نشان ۱۲ مجلس منتخبہ کی رُوداد دوم ۱۸۱۰ء۔

مطابق مزدوروں کو مقرر یا برخاست کرسکتا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف تحقیقاتِ مذکور سے زمیندار اور اصل کاشتکار کے درمیان دیگر ادنیٰ زمینداروں، تعلقداروں اور مختلف اقسام کے کاشتکاروں کے طبقے ظاہر ہوئے جن کا مطالبہ دربارۂ تحفظ، حکومت نے بلا تامل تسلیم کرلیا مگر ان کے حقوق ایسے نہ تھے جو موجودہ انتظام کے اصول کے ساتھ آسانی سے مطابقت کرسکیں اور ان قواعد میں فوراً شامل کرلیے جاسکیں جو دواماً نافذ کیے جانے والے تھے۔ انھیں امور کی طرف نظما نے حکومت کو خاص طور پر توجہ دلائی کہ وہ مستقل قواعد کی ترتیب کے وقت ایسے قواعد کے نفاذ کی گنجایش چھوڑ دے جو آیندہ رعایا کو اس کے علاقوں میں مداخلت بیجا یا استحصالِ ناجائز سے محفوظ رکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً ضروری معلوم ہوں۔ اور نظما کی رائے میں یہ مغلیہ حکومت کے حقیقی عمل درآمد کے بھی صریحاً مطابق ہوگا جس کے تحت یہ عام قاعدہ تھا کہ اراضی پر راست کاشت کرانے والا شخص جو لگان برابر ادا کرتا ہو اُس اراضی سے بے دخل نہ کیا جائیگا جو اس کے قبضے میں ہو اور (انھوں نے یہ بھی لکھا کہ) اس سے یہ لازماً قیاس ہوسکتا ہے کہ چند حدود ایسی تھیں جن کے تحت لگان معین کیا جاتا تھا اور وہ زمیندار کی آزادانہ مرضی پر نہیں چھوڑا جاتا تھا کیونکہ بصورت دیگر اس طرح کا قاعدہ بے معنی ہوتا۔ اور حقیقتہً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں شاہ وقت کے قانون کی بنا پر بعد تحقیق اصل جمع کا تعین کیا گیا تھا۔" بعد کی تحقیقات نے خصوصاً دکن اور اس سے بھی زیادہ جنوبی حصۂ ہند میں ان خیالات کی توثیق کی ہے۔ فصل یا پیداوار کا حصہ جو رقم یا جنس کی شکل میں لیا جاتا تھا اس مطالبے کو معین اور محدود کردیتا تھا اور جب تک قدیم قواعد بلا تغیر نافذ رہے اس وقت تک حکومت اور اس کی رعایا دونوں نے کاشت کے اضافے سے منفقہ طور پر فائدہ اٹھایا اور شرح محصول بھی معین اور ناقابل تغیر رہی۔ باوجود متذکرۂ بالا شرائط کے اس رقم مالگزاری کو جس کے ادا کرنے کا معاہدہ زمینداروں نے حال ہی میں بطیب خاطر کیا تھا مستقل طور پر یا دواماً معین کردینے سے جو فائدہ فی الواقع ہوگا اور اس طرح انھیں کسی مزید مطالبۂ لگان، پیش کش یا استحصال بیجا سے جو نجات حاصل ہوگی وہ زمینداروں کے حق میں جدید اور غیر متوقع شے ہونے کے علاوہ اس قدر زیادہ سودمند ہوگی کہ اس سے نظما کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنی اپنی جائدادوں کو ترقی دینے میں رغبت و انہماک کے ساتھ مصروف بہ کار رہیں گے۔ اور دوسری طرف سرکاری مالگزاری کی ضمانت

ایک ایسے مستقل اصول پر ہوگی جو ملک کی روز افزوں خوشحالی پر مبنی ہوگا۔

رقم مالگزاری کی مقدار کے مسئلے کے متعلق جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بالخصوص بہت دلچسپی تھی اور جو اب بنگال میں ہمیشہ کے لیے معین کر دی جانے والی تھی اُس مواد کی کمی پر افسوس کرنے کے بعد جو گذشتہ کئی سال کے تجربے اور حالیہ تحقیقات سے فراہم ہو سکا تھا ناظما نے یہ رائے ظاہر کی کہ وہ اُس سے مطمئن ہیں کیونکہ بظاہر وہ اسی رقم کے برابر معلوم ہوتی ہے جسے وہ حکومت کی ناگہانی ضروریات اور غیر معمولی خدمات کے لیے ایک مد محفوظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ اس سے زیادہ رقم حاصل کرکے وہ اپنی رعایا کو ظالمانہ عادات کا شکار بنجانے کے خطرے میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ تاہم اس وسیع رقبۂ اراضی کے لحاظ سے جو صوبوں میں بنجر پڑا ہوا تھا اور ملک کی ترقی پذیر کاشت کے منافع میں حصہ لینے کے عمل درآمد کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دیسی حکومت کے زمانۂ ماسبق میں رائج تھا وہ ایسے انتظام کے متعلق رضامندی ظاہر کرنے پر آمادہ ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس طرح کے ذرائع آمدنی میں اسی طرح کا حصہ دلانے کا باعث ہو بشرطیکہ اس سے ترغیب صنعت و حرفت کے مقصد عظیم پر مضر اثر نہ پڑے اور اُس انتظام کے اصول کی خلاف ورزی نہ ہو جو عنقریب نافذ کیا جانے والا ہے۔ اور انھوں نے اپنا مراسلہ ان الفاظ پر ختم کیا کہ "مطالبہ متعلق بہ اراضی جو ایک بڑا اور تقریباً واحد ذریعۂ مالگزاری ہے اب معین کیا جاتا ہے بجز اس اضافے کے جو استرداد[1] سے یا آئندہ غیر مزروعہ اراضی[2] سے حاصل ہو (اگر یہ ذریعۂ آمدنی اس وقت قابل حصول ہو تو اسے بھی ہمیشہ کے لیے معین کر دیا جاتا ہے) اور اس قدر محدود رقم کے صرف میں کفایت شعاری سختی کے ساتھ ملحوظ رکھنا اور ہمیں اپنی حد تک بدرجۂ غایت محتاط رہنا ایک نہایت سنجیدہ امر ہے اس لیے ہمارے معلوم ذرائع آمدنی جب ایک طرف محدود ہو گئے ہیں تو دوسری طرف انہیں تخفیف سے بچانا چاہیے۔" اس

۱۔ ایسی اراضی کی تشخیص مالگزاری جس پر خلاف قانون بہ معافی مالگزاری قبضہ ہو۔

۲۔ بہت سی غیر مزروعہ اراضی دوامی بندوبست میں شامل تھی بجز سندر بن جیسے قطعات کے جو خلیج بنگال پر واقع تھے۔ یہ امر دلچسپ اور قابل یادداشت ہے کہ لارڈ کارنوالس نے افتادہ اراضی کو جائدادوں میں شامل کرنے پر زور دیا اور اس کا خیال تھا کہ افتادہ اراضی سے زمینداروں کو اپنے منافع میں اضافہ کرنے کا حقیقی موقع حاصل ہوگا۔

مراسلے[۱] میں جو احکام درج تھے اُن کی بنا پر لارڈ کارنوالس نے وقت ضائع کیے بغیر ایک اعلان مورخہ ۲۲ مارچ سنہ ۱۷۹۳ء کے ذریعے زمینداروں کو یہ اطلاع دی کہ جو بندوبست حال میں مکمل کیے گئے ہیں وہ دوامی قرار دیے گئے اور وہ جو کیے جارہے ہیں تکمیل کے بعد دوامی کیے جائیں گے۔ اعلان کی پہلی تین دفعات کی شرائط حسب ذیل ہیں۔

دفعہ ۱۔ "بنگال، بہار و اڑیسہ کی سرکاری مالگزاری کے دہ سالہ بندوبست سے متعلق ابتدائی قوانین میں جو ان صوبہ جات کے لیے علی الترتیب ۱۸ ستمبر سنہ ۱۷۸۹ء، ۲۵ نومبر سنہ ۱۷۸۹ء اور ۱۰ فروری سنہ ۱۷۹۰ء کو نافذ ہوئے، مالکان اراضی کو جن کے ساتھ یا جن کی جانب سے بندوبست تکمیل پایا یہ اطلاع دیدی گئی تھی کہ قوانین مذکور کے تحت جو جمع اراضی پر مشخص کی گئی ہے وہ دس سال کے اختتام کے بعد بھی جاری رہیگی اور ہمیشہ کے لیے ناقابل تغیر ہوگی بشرطیکہ اس کے متعلق معاملات ایسٹ انڈیا کمپنی کے معزز نظما کی مجلس سے پسندیدگی کا اظہار ہو جائے ورنہ نہیں۔"

دفعہ ۲۔ "مارکوئیس کارنوالس، نائٹ آف دی موسٹ نوبل آرڈر آف دی گارٹر، گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اب صوبجات بنگال، بہار و اڑیسہ کے تمام زمینداروں، آزاد تعلقداروں، اور دیگر حقیقی مالکان اراضی کو مطلع کرتا ہے کہ معاملات ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزز مجلس نظما نے اُسے اختیار دیا ہے کہ جو جمع مذکورہ بالا قوانین کے تحت اُن کی اراضی پر مشخص کی گئی ہے یا کی جائے اس کے دوامی ہونے کا وہ اعلان کردے۔"[۲]

دفعہ ۳۔ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل حسبۂ زمینداروں، آزاد تعلقداروں، اور دیگر حقیقی مالکانِ اراضی کو جن کے ساتھ یا جن کی جانب سے مذکورہ بالا قوانین کی بنا پر بندوبست کی تکمیل عمل میں آئی ہے مطلع کرتا ہے کہ بندوبست کی مدّت کے اختتام پر اُس مشخص جمع میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی جو انھوں نے فرداً فرداً ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہے بلکہ خود اُن کو اور اُن کے وارثوں اور جایز قایم مقاموں کو اُن کی جائدادوں پر اسی مشخص جمع کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قابض رہنے دیا جائیگا۔"

---

[۱] نظما کا مراسلہ مورخہ ۲۹ اگست سنہ ۱۷۹۲ء۔

[۲] ضابطۂ اول سنہ ۱۷۹۳ء فصل ۵۶۔

ترتیب بندوبست مالگزاری کے دوران میں اور اس وقت تک بھی جب کہ دہ سالہ بندوبست کے دوامی کرنے کے استفسار کا جواب انگلستان سے وصول ہوا حکومت اُن نقایص و اعمال بیجا کو رفع کرنے کی تدابیر سوچنے میں مشغول تھی جو حکومت داخلی کے دیگر شعبوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مالگزاری کے بعد جو دوسری اہم چیز اصلاح طلب تھی وہ محصول سائر[1] تھا یا محصول چنگی اور دیگر ابواب تھے جو ملک کے اندر عام طور پر حکومت کی طرف سے وصول کیے جاتے تھے اور محال میں یعنی مالگزاری میں شامل نہ سمجھے جاتے تھے۔ اس شعبے میں چونکہ وہ سب چیزیں شریک تھیں جو شہروں بازاروں یا مقررہ جگہوں یا عارضی قیام گاہوں یا سڑکوں پر بطور محصول وصول ہوتی تھیں اور ان کا معین قواعد کی شکل میں مرتب ہونا دشوار تھا اس لیے ان میں دھوکا دہی اور بدمعاملگی کی گنجایش زیادہ تھی اور اسی سبب سے جو تحقیقات اس وقت عمل میں آئی اس میں حکومت کو اصلاح کے لیے ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس مقصد کو زیادہ موثر طور پر حاصل کرنے کے لیے بذریعۂ اشتہار ۱۱ر جون سنہ ۱۷۹۰ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ (بجز اس محصول کے جو مقبوضہ جائداد سے قابل وصول معلوم ہو) محصول سائر کا انتظام اور وصولیابی آیندہ زمینداری کی ذمہ داری سے علٰحدہ کر دی جائے گی اور ایسے عہدہ داروں کے زیر اقتدار رکھی جائیگی جو بلاواسطہ حکومت کی جانب سے مقرر ہوں گے لیکن اس تجویز پر عمل پیرا ہونے میں ان دیسیوں کا نیک طرز عمل جو عہدہ داران حکومت کی براہ راست نگرانی میں فرمہ دار بنائے جانیوالے تھے اسی قدر ناقابل اعتماد معلوم ہوا جس قدر کہ اُس وقت تھا جب وہ زمینداروں کے زیر نگرانی کام کرتے تھے لہذا سرکاری مفاد کا موقع مشتبہ تھا اور مزید خرچ جو تنخواہوں سے عاید ہوتا یقینی اور ناگزیر تھا۔ پس اس پریشانی کو سہل ترین طریقے سے دُور کرنے کے لیے جو استرداد محصول سائر کی تجویز سے پیدا ہو گئی تھی حکومت نے یہ تصفیہ کیا کہ اس قسم کی تمام وصولیابیوں کو بالکل منسوخ کر دیا جائے اور زمینداروں کو اس نقصان کی بابت کچھ معاوضہ مقرر کر دیا جائے جو علانیہ حسب مدارج انہیں اس عمل سے برداشت کرنا پڑے۔ نشہ آور سیال اشیا[2] کا محصول تنسیخ بالا سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور اس وقت سے

---

۱ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

۲ ملاحظہ ہو فرہنگ۔

اسے بہ نسبت سابق کے زیادہ باقاعدہ و فائدہ رساں بنا دیا گیا ہے۔ لیکن آپ کی مجلس یہ محسوس کرتی ہے کہ محاصل کی یہ تنسیخ قطعی طور پر یا کسی ایسے اعلان کے ذریعے نہیں ہوئی ہے جس کی رُو سے حکومت آیندہ کسی موقع پر زیر بحث وصول یابیوں کو کلیتہً یا جزوً مناسب شرائط کے ساتھ دوبارہ جاری کرنے کے اختیار سے محروم ہو جائے۔

اب آپ کی مجلس اُن اصلاحات کی طرف توجہ کرتی ہے جو کمپنی کے اجارۂ نمک سے محصول کی وصول یابی سے متعلق نافذ شدہ قواعد میں اور اُن دیسیوں کی حالت کی درستی کے بارے میں کی گئیں جو نمک سازی پر مامور تھے۔

نمک جو بنگال و بہار کے آباد صوبوں کے باشندوں کے لیے مہیا کیا جاتا ہے اُس زمین سے حاصل ہوتا ہے جو دہانۂ گنگا پر بالاسور اور چٹگانگ کے درمیانی علاقوں میں دریائی نمک سے بھری پڑی ہے۔ دیوانی کے حصول کے بعد نمک سپیاری[1] اور تنباکو کی تجارت اندرونِ ملک ایک علٰحدہ کمپنی کے سپرد کی گئی جو یورپین ملازمین کے فائدے کے لیے مخصوص تھی۔ یہ ملازمین بجائے اپنی تنخواہوں کے اس سے نفع حاصل کرتے تھے۔ ۳ ستمبر ۱۷۶۶ء کے قوانین کے ذریعے نمک کی قیمت جو بمقدار کثیر دیسیوں کو فروخت کیا جائے دو سو روپیے ہر سو من[2] کے لیے مقرر کر دی گئی اور اس شرح پر دیسیوں کے سوا کسی اور کو فروخت کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ دیگر قیود بھی جن کا منشا دیسیوں کو اجارے کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنا تھا عاید کی گئیں جو آیندہ جنوری تک جاری رہیں جب کہ مذکورۂ بالا تجارتی کمپنی مجلس نظما کے حکم سے برخاست کر دی گئی۔ لیکن اُن معاہدات کے ختم ہونے میں کچھ مدت ضروری تھی جو نمک کی فراہمی کے متعلق کر لیے گئے تھے اس لیے مذکورہ کمپنی اکتوبر ۱۷۶۸ء تک کامل طور پر برخاست نہ ہو سکی۔ حکومت کو تیار شدہ نمک پر پچاس فیصد محصول کا نفع تھا جو سپیاری کے پندرہ فی صد ملا کر مجموعی حیثیت سے سالانہ بارہ ۱۲ یا تیرہ ۱۳ لاکھ روپیے ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تجارتی کمپنی کے برخاست ہو جانے کے بعد یہ صنعت ہندوستانی تاجروں کے لیے کھول دی گئی جو کاریگروں کو ملازم رکھ سکتے تھے اور ایسے زمینداروں کے

---

[1] سپیاری، چھوارے کی قسم کا ایک پھل ہوتا ہے جسے باشندگانِ ملک عام طور پر مُنہ میں چباتے یا گھولتے ہیں۔

[2] توَل کا ایک ناپ جو تقریباً اسّی پونڈ کا ہوتا ہے۔

لیے یہی کھولدی گئی جو اپنے مقامات کے لحاظ سے اس کی سہولتیں اور اسناد کے لحاظ سے حقوق اپنی حدود میں نمک سازی کے متعلق رکھتے تھے۔ لیکن بریں ہمہ چند قیود عاید کی گئیں تاکہ متمول دیسیوں کو اندرون ملک فروخت نمک کا اجارہ مخصوص کرنے کے لیے باہم متحد ہونے اور کاریگروں پر سختی کرنے سے روکا جا سکے۔

سنہ ۱۷۷۳ء میں یہ قرار دیا گیا کہ "اولاً صوبے کے ہر حصے کا نمک ایک ہی معیار کا ہو؛ ثانیاً نمک کمپنی کے لیے بنایا جائے؛ ثالثاً کھلاریاں[1] یا کارخانے ہر ضلع میں پانچ سال کے لیے ٹھیکے پر دیے جائیں"۔ اس ٹھیکے کی شرائط کے بموجب نمک کی کچھ مقدار ایک خاص معینہ قیمت پر دینی پڑتی تھی اور باقی ایک مقررہ قیمت پر اندرون ملک دیسی تاجروں کے حوالے کی جاتی تھی جن سے پہلے ہی معاہدہ کر لیا گیا تھا کہ وہ مزدوروں کو یا ادنیٰ درجے کے کاریگروں کو ادا کرنے کے لیے پیشگی رقم سے ٹھیکہ داروں کی امداد کریں گے۔

جولائی سنہ ۱۷۷۷ء میں محالوں یا کارخانوں کو ٹھیکے پر دینے کا طریقہ جاری رہا لیکن بنایا ہوا نمک ٹھیکہ دار کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔

چونکہ کمپنی کو اس وقت تک نمک سازی سے جو آمدنی حاصل ہوتی رہی وہ اسقدر نہیں تھی جس قدر کہ وہ بہتر انتظام کی صورت میں ہو سکتی تھی اس لیے ستمبر سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک نیا انتظام نافذ کیا گیا "تاکہ نمک سازی کا کام ایک ایسے محکمے کے سپرد کیا جائے جس کی نگرانی میں صوبوں کی تمام نمک سازی کمپنی کے لیے ہو اور نمک متوسط مقررہ قیمت پر نقد فروخت کیا جائے جس کا تعین اور اعلان ہر موسم کی ابتدا پر گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کی جانب سے ہو"۔ اس محکمے میں جو یورپین گماشتے مامور ہوئے ان کو مقررہ بھتوں کی حد تک پابند رہنے کے لیے حلف دیا گیا لیکن علاوہ تنخواہ کے انہیں اس نفع پر جو ان کے انتظام کے تحت کمپنی کو ہو دس فیصد کمیشن بھی مقرر کیا گیا اور عام اعلان کے ذریعے لازم گردانا گیا کہ نمک ساز اپنے کو ان کے ماتحت سمجھیں۔ اس طریقے کی مجلس اعلیٰ میں سخت مخالفت ہوئی لیکن نتائج نے ان توقعات کو حق بجانب ثابت کیا جو اس کے محرک گورنر جنرل مسٹر ہیسٹنگز

---

[1] کھلاری وہ مقام ہے جہاں نمک سازی ہوتی ہے۔

نے قایم کی تھیں، کیونکہ اس جدید طریقِ انتظام کے نفاذ کے بعد ابتدائی تین سال[1] میں خالص رقم محاصل کا اوسط از روئے حساب ۴۰,۰۰,۰۰۵ روپیے یا ۴۶۴,۰۶۰ پونڈ ہوا، اور لارڈ کارنوالس کے ورود سے قبل کے تین سال میں ۴۵,۰۳,۹۰۰ روپیے یا ۴۵۰,۵۲۲ پونڈ ہوا۔

جو قواعد لارڈ کارنوالس نے نافذ کیے اُن سے متذکرۂ بالا اجارے کے عام خاکے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی[ن] بلکہ اُن کا منشا یہ تھا کہ کاریگروں پر جو کچھ دباؤ ہے اُسے دُور کیا جائے اور انہیں ان درمیانی ہندوستانی گماشتوں کی فریب بازیوں سے محفوظ رکھا جائے جو کمپنی کے متعہد یورپین ملازموں اور کارخانے کے مزدوروں کے مابین کام کرتے تھے۔ آپ کی مجلس یہ دیکھ کر مطمئن ہے کہ ان قواعد کے تحت نمک سے جو آمدنی حاصل ہوئی اُس میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور اس سے اور وسیع فروخت سے آخری تین سال میں اوسطاً کمپنی کا خالص نفع ۱۱,۲۵,۰۰۷ روپیے یا ۱,۳۶,۰۸۰ پونڈ تک بڑھ گیا ہے۔

خشخاش کی پرداخت سے جو افیون پیدا ہوتی ہے اُس کا اجارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضاتِ ہند کے محاصل کا تیسرا اہم ذریعہ ہے۔ اسے مالی ذریعہ تصور کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغلیہ حکومت کا عمل درآمد اختیار کیا گیا ہے جس کے تحت افیون کا اجارہ بطور ایک خاص حق کے پیشکش گزراننے یا سالانہ پیشگی رقم ادا کرنے پر دیا جاتا تھا۔

۱۷۷۳ء میں فراہمی افیون کا خاص حق یا اجارہ دیگر اشخاص پر ترجیح دیکر (جیسا کہ حکومت نے بیان کیا تھا) میر منیر کو دیا گیا تھا کیونکہ وہ ایک ایسا شخص تھا جسے اس معاملے میں پٹنے کے ممتاز لوگوں نے مقرر کیا تھا اور وہ اس کے صحیح طریق انتظام سے اعلیٰ ترین واقفیت رکھتا تھا اور رقوم بقایا کی بابت جوابدہ ہو سکتا تھا۔" اس کا کام یہ تھا کہ وہ بہار کی افیون بحساب تین سو بیس روپیے اور اودھ کی بحساب تین سو پچاس روپیے فی من حوالے کرے۔ ایک اعلان میں جو اس موقع پر حکومت نے کیا تھا جس میں زمینداروں اور دیگر اشخاص سے امداد طلب کی گئی تھی اس امر کا بھی اضافہ کیا گیا تھا کہ افیون کی فروخت کاشتکاروں کی

[ن] ضمیمۂ کول بروک صفحہ ۳۸۶۔ قوانین مرتبہ ۱۰ دسمبر ۱۷۸۸ء۔

[1]۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجلس کو یہ علم نہیں ہوا کہ نمک سازی کے معاملے میں ۱۷۸۰ء تک شدید بداعمالیاں جاری تھیں اور اس طرح کمپنی کے ملازمین نے کثیر دولت پیدا کر لی تھی۔ ۱۷۸۰ء کے بعد جو انتظام نافذ ہوا اُس سے مالنگیوں (نمک ساز مزدوروں) پر بہت سختی ہوئی۔ ۱۸۲۳ء میں نمک سازی بنگال میں بالکل موقوف ہو گئی۔

دلجمعی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل میں آئیگی اور کوئی زیادتی اُن پر نہ کی جائیگی۔

سنہ ۱۷۷۵ء میں ایسے اشخاص کے نام سابق شرائط پر معاہدے کی تجدید کے وقت ٹھیکہ داروں نے اقرار کیا کہ وہ اپنا کاروبار رعایا کو ستائے بغیر کرینگے اور انکو خشخاش کی کاشت سے بلا راضی تیار کرنے پر اور نہ خشخاش بونے پر مجبور کرینگے بلکہ اُس پر چھوڑ دیں گے کہ اراضی میں وہ خود جس قسم کی کاشت کو موزوں ترین سمجھے اس کے لحاظ سے عمل کرے"۔ اسی سال یہ اعلان کیا گیا کہ فراہمی افیون کا آیندہ اجارہ اُن درخواستوں پر دیا جائیگا جو اس غرض کے لیے حکومت کے پاس پیش کی جائیں گی اور جو درخواستیں وصول ہوئیں سال مابعد کے لیے اُن کی تجدید اور منظوری عمل میں آئی۔ حکومت نے یہ سُن کر کہ کاشتکاروں پر جابرانہ ذرائع استعمال کیے گئے تھے صوبہ جاتی مجلس کو سختی کے ساتھ حکم دیا کہ وہ ان سابق احکام کی پابندی کرے جو اُسے اس خصوص میں وصول ہوئے تھے کہ خشخاش کو ہر دوسری شے پر ترجیح دے کر اُس کی کاشت کے لیے رعایا کو قوت و تشدد سے مجبور نہ کیا جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ آخری معاہدے کی شرائط سے ایک قاعدہ قائم ہو گیا جس کی بنا پر سنین مابعد میں سنہ ۱۷۸۵ء تک کاشتکاروں کی حفاظت کے لیے کسی مزید انتظام کے بغیر خاص رعایت کے ساتھ ٹھیکہ دیا جاتا رہا۔ اس اثنا میں حکومت نے یہ تصفیہ کیا کہ ٹھیکے کو عام مقابلے کے لیے کھول دیا جائے اور سب سے زیادہ بولی بولنے والے کو چار سال کی مدت کے لیے دے دیا جائے۔

طے شدہ معاہدے کے اختتام پر حکومت نے اپنے لیے یہ حق محفوظ کر لیا کہ وہ مہتمموں کا تقرر کرے جو افیون سازی اور اُس کی فراہمی کی نگرانی کرینگے اور یہ اعلان کر دیا کہ "مختلف اضلاع کے کلکٹروں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ٹھیکہ داروں اور اُن کے افسروں کے خلاف رعایا کی شکایات کی سماعت کریں اور ان اضلاع کے سابق رسم و رواج اور عمل درآمد کے مطابق مناسب دادرسی کریں اور یہ کہ اس قاعدے کو تمام اضلاع میں جہاں افیون سازی ہوتی ہے بذریعۂ اشتہار شائع کر دیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ ٹھیکہ دار کلکٹروں کے فیصلوں کا مرافعہ مجلس میں کر سکیں گے بشرطیکہ وہ تاریخ فیصلہ سے ایک ماہ کے اندر دایر ہو، اس اثنا میں فیصلۂ مذکور نافذ رہے گا اور اُس کی تعمیل اُس وقت تک ہوتی رہیگی جب تک کہ مرافعے کا فیصلہ نہ ہو جائے"۔

موخرالذکر ٹھیکے کے ختم ہونے سے پیشتر لارڈ کارنوالس ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اور وہی ذرائع تحقیقات جو دیگر محکموں کے متعلق عمل میں لائے گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ فراہمی افیون کے بارے میں بھی استعمال کیے گئے۔ ٹھیکے کے ذریعے فراہمی افیون کے طریقے کو متروک نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برخلاف بذریعۂ اشتہار مزید چار سال کے لیے اس کی تجدید کی گئی۔ اور بہت سی جدید شرائط ٹھیکہ داروں پر عاید کی گئیں؀ جن کی تفصیل میں پڑنا آپ کی مجلس غیر ضروری سمجھتی ہے بجز اس امر کی تشریح کے کہ وہ کن حیثیتوں سے کاشت کاروں اور کاریگروں کی حفاظت اور کمک کے حامی تھے۔ حکومت کی غرض جب تک افیون کا اجارہ اس کے ہاتھ میں رہا تھا اُس اجرت کو کم رکھنے میں شامل تھی جو کاشت کاروں کو ادا کی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس طرزِ عمل سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ جو اجرت انہیں ادا کی جاتی تھی اُسے اس اقل شرح تک گھٹا دینا ضروری تھا جس سے کاشتکاروں کی ہمتیں پست ہو جائیں اور مقدار پیداوار میں بھی کمی ہو جائے۔ ان وجوہ کی بنا پر ایک متوسط درجے کی شرح مقرر ہوئی تھی جس کے بموجب کاشت کار ایک مدت دراز سے اپنی خام افیون، وزن کے حساب سے اس شخص کے حوالے کیا کرتا تھا جو بحیثیت ٹھیکہ دار یا نائب، حکومت کی جانب سے اس کے وصول کرنے پر مامور ہوتا تھا۔ اس شرح پر جو وہی حساب کتاب میں 'اصل' یا 'اصل شرح مقررہ' کے نام سے موسوم ہے چند ابواب بعد کو اسطرح عاید کیے گئے تھے جس طرح لگان اراضی پر لگائے جاتے تھے۔ موجودہ ٹھیکے کے تحت ان ابواب کی بڑی مقدار منسوخ کی گئی اور ایک شرح مقرر ہوئی جس پر ٹھیکہ دار کو خام افیون کاشت کار سے خریدنی پڑتی تھی۔

آپ کی مجلس اس انوکھے اصول کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتی جس پر اُن ٹھیکوں کی بنیاد رکھی گئی تھی جن کے لحاظ سے حکومت نے جہاں وہ قیمت مقرر کر دی تھی جس کے مطابق وہ ٹھیکہ دار سے افیون لیتی تھی وہاں اُس قیمت کا بھی تعین کر دیا جس پر ٹھیکہ دار کو افیون خریدنی چاہیے۔ خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ موخرالذکر کا مقدم الذکر سے زیادہ ہونا ضروری تھا تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ٹھیکہ دار خود جس شرح پر افیون خرید سکتا

؀ کول بروک کا ضمیمہ صفحہ ۲۰۵۔ اجارۂ افیون کے متعلق اشتہار مورخہ ۲۹ر جولائی ۱۷۸۹ء۔

تھا اُس سے کم پر وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے افیون مہیا کرنے کا معاہدہ کرتا تھا۔ اگرچہ نتیجے سے ان ٹھیکوں کے غلط رجحانات کا کافی طور پر اظہار ہو گا لیکن جو غلطیاں اس خصوص میں سرزد ہوئیں اُن کا جلد انکشاف نہ ہوا اور موجودہ ٹھیکے کی چہار سالہ مدت ختم ہو چکی اور اسی مدت کے لیے ایک دوسرا ٹھیکہ قرار پایا اور اس کی مدت بھی اختتام کو پہنچی تب کہیں مُضر نتائج تجارت کے انحطاط کی شکل میں ظاہر ہوئے جو عادلانہ انتظام کے تحت ایک بہت بڑا مالی ذریعہ[1] تصور کی جاتی تھی اور جو اسی طرح اب تک بھی ثابت ہو چکی ہے۔

مذکورِ بالا طریقے پر بندوبستِ مالگزاری کے مکمل ہو جانے اور نظار کی جانب سے بہ مشورۂ مجلسِ مامورین برائے معاملاتِ ہند، اُس کے دوامی قرار دیے جانے کے بعد لارڈ کارنوالس نے بلا تاخیر حکومت داخلی کے انتظام کی تکمیل کا کام شروع کر دیا جس کے نفاذ کی ذمہ داری اُس نے لی تھی۔ اس مقصد کے لیے جو قوانین اُس کی حکومت کے مختلف زمانوں میں مرتب ہوئے تھے وہ بعد نظر ثانی عہدہ داران حکومت کی رہنمائی کے لیے طبع کرائے گئے اور عام باشندوں کی معلومات کے لیے دیسی زبانوں میں اُن کا ترجمہ کرایا گیا۔ اس مثال کی تقلید بعد کو فورٹ سینٹ جارج اور بمبئی کے احاطوں نے کی اور جو قوانین اس طرح مدوّن ہوئے اُن کے مجموعے کو حکومت برطانیہ کی کتابِ قوانینِ موضوعہ سمجھا جا سکتا ہے جس کی نوعیت اور اہمیت کا اندازہ قانون نشان ۱ بابتہ ۱۷۹۳ء کی تمہید سے ہو گا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "بنگال میں برطانوی باشندوں کی آیندہ خوش حالی کے لیے لازم ہے کہ تمام قوانین جو حکومت نافذ کرے اور جو کسی لحاظ سے بھی رعایا کے حقوق، ذات یا جائداد پر اثر انداز ہوں ایک باضابطہ مجموعے کی شکل میں مدون کیے جائیں اور اُن کو ملکی زبانوں کے تراجم کے ساتھ طبع کرایا جائے اور وہ وجوہ جن پر ہر قانون نافذ کیا گیا ہو اُس کے ساتھ تمہیداً شامل کیے جائیں اور عدالتی محکموں کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنے فیصلے اُن قواعد و احکام کے مطابق کیا کریں جو قوانین مذکور میں درج ہوں۔ مذکورِ بالا اصول پر جو مجموعۂ قوانین مرتب ہو گا وہ عام لوگوں کو اُن قوانین سے آگاہ کر دیگا

---

[1] روداد کا یہ حصہ بخوبی مکمل نہیں ہے۔ ۱۷۹۷ء میں کمپنی نے بلا واسطہ افیون سازی کا اجارہ حاصل کر لیا اور یہ ایک ایسا طریقہ تھا جو آج تک رائج ہے۔

جن پر اُن متعدد بے بہا حقوق اور آزادیوں کا انحصار ہے جو حکومت برطانیہ نے انہیں عطا کی ہیں اور جن میں مداخلت بے جا ہونے کی صورت میں وہ فوری دادرسی کا طریقہ اختیار کر سکینگے۔ عدالتی محکمے، قوانین پر اُن کے حقیقی منشا و مفہوم کے مطابق عمل کریں گے۔ آیندہ کی حکومتوں کو یہ اندازہ کرنے کا موقع ملیگا کہ یہ قوانین اپنے مقصد کو پورا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے اور جب ضروری ہو گا اُن میں ایسی ترمیم یا تبدیلی کی جائے گی جو تجربے کے لحاظ سے مناسب معلوم ہو۔ جدید قوانین مرتب نہ ہوں گے اور نہ موجودہ قوانین کو بغیر کافی غور کے منسوخ کیا جائیگا۔ اور ان صوبوں کی آیندہ ترقی یا تنزل کے اسباب کی بنا کا ہمیشہ مجموعۂ قوانینِ مذکور سے پتہ چل سکے گا۔"

آپ کی مجلس اب داخلی حکومت کے اُس انتظام کی کیفیت پیش کرے گی جس میں لارڈ کارنوالس نے ترمیم کی اور جو مذکورِ بالا مجموعۂ قوانین کی رُو سے قایم کیا گیا اور اسے محکمۂ مال سے شروع کیا جائیگا جس کا بیان مجموعۂ قوانین میں سب سے پہلے ہے۔

محکمۂ مال

قبل ازیں یہ بیان ہو چکا ہے کہ بندوبست کا اہتمام، مالگزاری کی تحصیل اور کلکٹروں کے طرزِ عمل کی نگرانی مجلس نظما کے احکام مورخہ ستمبر ۱۷۸۱ء[الف] کے بموجب مجلس مال کے سپرد کی گئی تھی۔ یہ مجلس ایک صدر اور چار ارکان پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک قانون کے عائد کردہ حلف کا پابند تھا اور صدر ہمیشہ صدر کونسل کا ایک رکن ہوتا تھا اور اس کا انتخاب سیول سروسس سے کیا جاتا تھا)۔ اپنے معمولی فرائض کے علاوہ یہ مجلس ابتدائے نظرثانی اور مرافعے کی عدالت بنگئی تھی اور یہ نظرثانی اور مرافعہ کلکٹروں کے اُن فیصلوں سے متعلق ہوتا تھا جو وہ حاکم عدالت کی حیثیت سے کرتے تھے اور اس کا تعلق سرکاری مالگزاری کے اُن تمام مقدمات سے بھی تھا جو محال کی عدالت میں آتے تھے اور ان مقدمات سے ممیز تھے جو عدالت دیوانی کی حدودِ اختیار میں داخل تھے۔ لارڈ کارنوالس نے اس انتظام کو اپنے اس بندوبست کے اصول کے خلاف تصور کرکے جسے وہ نافذ کرنے والا تھا کہ عہدہ داران مال ایسے مقدمات کے فیصلے کریں جن کا بنیادی تعلق خود انھیں کے محکموں سے ہو اور جن کی یکسوئی میں وہ کلیتہً غیر متوجہ نہیں رہ سکتے محکمۂ مال کے عہدہ داروں

[الف] بنگال کے مطبوعہ ضوابط۔

کے عدالتی اختیارات منسوخ کر دیے اور تمام مقدمات کے اختیارِ سماعت کو اس حکومت میں منتقل کر دیا جو ایسی عدالت دیوانی سے سروکار رکھے جہاں عام طور پر باشندوں کی دادرسی ہوتی ہے۔ یہ بات پس پردہ تھی کہ اس طرح مجلس مال عدالتی امور کی انجام دہی سے سبکدوش ہو کر اُن مختلف فرائض کی جانب زیادہ وقت دے سکیگی جو اس کے ارکان کے تفویض تھے اور یہ فرائض ارکان کی رہنمائی کے لیے سنہ ۱۷۹۳ء کے نافذ شدہ ضابطۂ دوم میں مذکور ہیں۔ مجلس مال دار الحکومت میں منعقد ہوتی ہے؛ اس کا ایک معتمد ہے جس کے ساتھ مددگار مترجمین اور دیگر ذیلی یورپین اور ہندوستانی افسر ہوتے ہیں۔ اس مجلس کے ذمے مالگزاری کے کلکٹروں پر عام نگرانی رکھنا اس اختیار کی بنا پر ہے کہ وہ ان کی کارروائیوں کی دیکھ بھال کرے اور انہیں اگر فرائض کی بجا آوری میں غافل پائے تو خدماتِ متعلقہ سے معطل کرے۔ اسی طرح ان کی ذاتی کارروائیوں کی حکومت خود جانچ کرتی ہے اور سرکاری احکام مجلس مال کے توسط سے کلکٹروں میں گشت کرائے جاتے ہیں۔ نابالغوں کی سرپرستی بھی مجلس مال کرتی ہے جسے یہ اختیارات حاصل ہیں کہ اُن لوگوں کے طریق عمل کی نگرانی اور حسابات کی تنقیح کرے جو ایسے اشخاص کی جائدادوں کے منتظم ہیں جنہیں کم سنی، ذات یا فطری کمزوری کے باعث اپنے کاروبار کا انتظام کرنے کے ناقابل گروانا گیا ہو۔ مجلس مذکور حکومت کو مالگزاری کی حالت کے بارے میں میعاد مقررہ پر کیفیت پیش کرتی ہے اور اس کی تفصیلی کارروائیاں حکومت کے ذریعے مجلس[1] نظما کو روانہ کی جاتی ہیں۔

مخصوص مثالیں جہاں کلکٹروں کو اپنے کسی عدالتی منصب پر بحال رہنے دیا گیا ہے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ صوبے سے ان کے وظیفے بدستور جاری رہے اور تعلقے یا چھوٹی چھوٹی جائدادیں اپنی اُن زمینداریوں کی محکومیت سے علیحدہ ہو گئیں جن کے ساتھ وہ

---

[1] ۔ تاحال بنگال میں موجودہ مجلس مال کی تشکیل بالکل اسی طرح کی ہے؛ البتہ سنہ ۱۸۲۹ء میں حلقہ داری کمشنروں کے تقرر کے وقت ارکان مجلس کی تعداد تخفیف کر کے دو تک رکھی گئی اور بعد ازاں سنہ ۱۹۱۲ء میں گھٹا کر ایک کر دی گئی۔

ملتی تھیں۔ دیسی حکومت کا یہ عملدرآمد رہا ہے کہ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے مختلف فرقوں کے لیے وظیفے منظور کرتی رہی۔ ان وظیفوں کا سب سے بڑا حصہ قلیل تنخواہوں کی شکل میں برہمنوں، فقیروں اور زوال رسیدہ اسلامی خاندانوں کو بطور فضیلت کے یا عقیدت و خیرات کی بنا پر عطا ہوتا تھا۔ بعض تنخواہیں مدت معینہ تک اور بعض دوامًا جاری رہیں مگر ان سب سے مالگزاری یا محصول سائر وصول کیا جاتا تھا اور اکثر تنخواہیں تو غالبًا بغیر کسی کافی سند کے مقرر ہو گئی تھیں۔ جن حقوق کی بدولت ان تنخواہوں سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا اُن کی سخت جانچ کیے بغیر برطانوی حکومت اپنی عادت کے بموجب اُن کے ادا کرنے کی اجازت دے دیتی تھی اور بندوبست دہ سالہ کے اختتام اور محصولِ سائر کی موقوفی پر ایسی تنخواہوں کے جاری رہنے کا انتظام کیا گیا جو تحقیقات میں ان قواعد کے مطابق جو اس غرض کے لیے وضع کیے گئے تھے حقیقتًا جائز قرار پائیں۔ یہ تحقیقات جب کسی خیراتی معاملے میں تکمیل طلب ہوتی تو اُسے کلکٹر کے سپرد کر دیا جاتا تھا جس کی کارروائی مجلس مال کی نظر ثانی اور گورنر جنرل باجلاس کونسل کی آخری تجویز پر مشروط ہوتی تھی۔ کلکٹر ابھی تعلقداری کی علٰحدگی کے مقدمے کا بصیغۂ ابتدائی اس دلیل کی بنا پر قطعی فیصلہ کرتا تھا کہ اس کا دفتر بہترین معلومات کا منبع سمجھا جاتا ہے مگر مقدمہ ذاتی حق سے متعلق ہونے کی صورت میں اس کا مرافعہ عدالتی محکموں میں دائر ہوتا تھا جہاں حکومت اپنے کسی اقتدار کو کام میں نہیں لاتی تھی۔

کلکٹروں سے جب ناظموں کے اختیارات[۱] چھین لیے گیے تو بقایائے مالگزاری وصول کرنے کے لیے دیگر ذرائع کا انتظام لازمی ہو گیا۔ یہ انتظام اس قسم کے تمام مطالبوں کی تعمیل کرانے کی غرض سے متعدد اختیارات کے ساتھ ایک ضابطے[ک] کے ذریعے عمل میں لایا گیا جس کی رُو سے باقی دار کی ملکیت کی قرقی اور نیلام ہو جاتا تھا اور جہاں یہ ملکیت مطالبے کی تکمیل میں ناکافی ثابت ہوتی تو خود باقی دار کو قید کر دیا جاتا۔ اس سزائے جسمانی کے میلان کو جو سابق قواعد و ضوابط کے تحت دی جاتی تھی رُوکنے کی خواہاں ہو کر حکومت نے

ک ضابطہ بست و چہارم ۱۷۹۳ء۔

۱ کلکٹروں کو پھر ۱۸۳۵ء میں ناظموں کے اختیارات دے دیے گئے۔

اس موقع پر اپنے نافذ کردہ ضابطے میں ساری شخصی جکڑبندیوں کو نظرانداز کر دیا بجز اس صورت کے کہ جہاں مطالبے کا حق اور انصاف قائم رکھنا ضروری سمجھا گیا مگر کلکٹروں کی رہنمائی کے لیے جو طریق کارروائی مقرر تھا وہ حسبہٖ برقرار رہا اور انتہائی[1] مجبوری کی حالت میں نیلام اراضی کی تاکید کی گئی۔ اسی ضابطے میں زمینداروں کے لیے چارہ جوئی کے وسائل موجود تھے۔ کلکٹروں کے تشدد آمیز و ناجائز افعال، اُن کے کسی ناواجبی مطالبے کی تعمیل یا بہ حیثیتِ سرکاری حدود و اختیار سے متجاوز کارروائی کے باعث فریق ثانی کو خسارہ اٹھانا پڑے تو وہ نالش ہرجانہ دائر کر سکتا تھا۔ ضابطۂ مذکور میں مقدمات کی تفریق کو بھی ملحوظ رکھا گیا کہ آیا نالش فی الحقیقت حکومت کے خلاف ہے یا شخصی طور پر کلکٹر کے مقابلے میں سمجھی جاتی ہے۔ کلکٹر کے فرائض یہ تھے، خالص و جوشش دادہ اشیائے سیال اور مسکرات پر جو محصول لگایا گیا ہے اس کی تشخیص کرنا، حکومت کو مالگزاری ادا کرنے والے علاقۂ جائداد غیرمنقولہ کا نیلام یا عدالتی محکمے کی ڈگری کے ذریعے، انتظام کرنا، بقایائے مالگزاری کے تصفیے کی غرض سے جس اراضی کے بارے میں احکام نیلام نافذ ہو چکے ہوں اُس پر سرکاری مالگزاری مقرر کرنا، ہندوستانی معذور سپاہیوں کے لیے اراضی حاصل کرنا، علاوہ بریں اُس کا یہ بھی فرض تھا کہ اپنی وصول یابیوں کی رقم صدر محاسب کی ہدایت کے بموجب خرچ کرے، اپنے میقاتی حسابات رکھے اور ان کو معیّن نقشوں میں درج کر کے مجلس مال کی خدمت میں روانہ کرے اور ضابطۂ عام یا مجلس مال کے احکام خاص کی بنا پر جن امور کا انصرام اس کی ذات سے مطلوب ہو انہیں انجام دے۔ مجلس مال کے ارکان، قانون پارلیمنٹ[2] کے عائد کردہ حلف کی پابندی کے ساتھ کارفرما تھے۔ اُن کے عملے میں ایک یا ایک سے زائد یورپین مددگار جو ملازمانِ متعہد کے ادنیٰ طبقے سے ہوتے تھے، ایک دیوان جسے مجلس مال مقرر کرتی تھی اور دیگر ہندوستانی افسر شامل تھے جو اس کمیٹی کی رُودادِ دوم کے ضمیمہ نشان[1] کی مندرجہ فہرستِ عمال

---

[1] آج کل بقایائے مالگزاری وصول کرنے کا واحد طریقہ باقی دار کی املاک کا نیلام ہے سنہ ۱۷۹۳ء سے متعدد قوانین وضع ہوتے رہے ہیں اور جو آئین خاص اب مروج ہے وہ سنہ ۱۸۵۹ء کا قانون یازدہم ہے۔

[2] سال سی و سوم، جارج سوم، باب ۵۲ دفعہ ۶۱۔

کے مطابق ہوتے تھے۔ اس فہرست کی ایک نقل قانون پارلیمنٹ کی رُو سے ہر سال دار العوام کے سامنے پیش ہونی ضروری تھی۔

صوبوں کی تقسیم کلکٹریوں میں تقریباً حسب سابق رہی۔ ان میں کوئی مزید تغیر نہیں کیا گیا بجز اس کے کہ سہولت کے لحاظ سے دریاؤں یا دیگر قدرتی حدود کے ذریعے جہاں کہیں یہ واقع تھیں ان کی صراحت کردی گئی۔[1]

از روئے منصب کلکٹروں کے تحت تحصیلدار[2] یا ہندوستانی کلکٹر ہوتے ہیں جو چند ہی صورتوں میں ایسی جگہ متعین ہیں جہاں ضلع کی وسعت یا ادنیٰ زمینداروں کی کثیر تعداد کے باعث یورپین کلکٹر کو ضروری امداد ملتی ہے۔ بنگال و بہار میں تحصیل مالگزاری کے لیے ان کے فرائض صرف اُس ضلع کے علاقے تک محدود ہیں جہاں کہ ان کی تعیناتی عمل میں آتی ہے۔ بنارس اور صوبہ جات مفوضہ ومفتوحہ میں تحصیلداروں کی حیثیت و ماموری کا حال ان صوبہ جات کے تذکرۂ بندوبست میں بیان کیا جائے گا۔

اُوپر جو کچھ کہا گیا اُس سے یہ واضح ہوگا کہ کمپنی کے ملکی مقبوضات کی رعایا زمینداروں کی جماعت تھی جس کی حالت ضابطۂ جدید کے نفاذ کی بدولت سب سے زیادہ ترقی پذیر خیال کی جاتی تھی۔ دیسی حکومت کے تحت زمینداروں سے اس قدر مالگزاری یا خراج کا سالانہ مطالبہ ہوتا تھا جس قدر کہ دیہات کے حسابات کی شدید مقامی تنقیح سے اور بشرطِ ضرورت زمین کی پیمائش سے ثابت ہوسکتا تھا۔ زمینداروں کے پاس صرف ان کے رسوم یعنی پیداوار کا ایک معیّن حصہ اور نانکار یعنی خاص عطیۂ اراضی (جہاں کہیں اس کا وجود تھا) چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ انہیں وہ نفع بھی ملتا تھا جو کاشت کی وسعت سے حاصل ہوتا تھا یا جو شکمی کاشتکاروں کو زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دینے سے ہاتھ آتا تھا۔ یہ نفع ذمہ داری کی زحمت یا اس کے خطرے میں پڑنے کا معاوضہ ہوتا تھا اور زمیندار اپنے عہد و پیمان کے ایفا نہ کرنے کی صورت میں قید، جسمانی عقوبت اور بے دخلی کے مستوجب ہوتے تھے۔ اگر وہ شدّتِ مطالبہ کا عذر کر کے عہد و پیمان باندھنے

---

[1] سنہ ۱۷۹۳ء میں بنگال، بہار و اڑیسہ کے اضلاع کی مجموعی تعداد ۲۳ تھی۔ یہ تعداد اب بڑھ کر ۴۸ تک پہنچ گئی ہے۔

[2] سنہ ۱۸۱۲ء میں بنگال بہار و اڑیسہ میں تحصیلدار برخاست کر دیے گئے۔

سے انکار کرتے تو اُن کی آمدنی محض رسوم یا نانکار کی حد تک قرار پاتی تھی۔ اور زمین ٹھیکے پر اٹھا دی جاتی تھی یا فوری انتظام کے لیے کسی سرکاری عہدہ دار کے حوالے کردی جاتی تھی۔ شرائط بندوبستِ دوامی کی بنا پر زمیندار سے بجز رقم جمع یا مالگزاری کے جس کے ادا کرنے کا اقرار وہ برضا و رغبت پہلے ہی کر چکا ہو کوئی دیگر مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا خواہ فروغ یافتہ زراعت سے یا کسی اور طرح پر اُس کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ دوسری طرف وہ کسی رعایت کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا اگر موسم کی نامساعدت، سیلاب یا دیگر آفات سماوی کے باعث نقصان کا حیلہ حوالہ کرے اور ایسی صورت میں جبکہ باضابطہ ادائے مالگزاری کی بابت بقایا وصول طلب ہو تو اُس کی زمین رقم بقایا کی وصولیابی کے لیے نیلام ہو جایا کرتی تھی۔

پس ایک بڑی حد تک زمیندار کا موجودہ حق ملکیت اور اس کی حالت انگلستان کے جاگیردار سے مشابہت رکھتی ہے مگر اس کے ساتھ ہندوستان میں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ادنیٰ طبقے کے حقوق کا وجود پایا جاتا ہے اور انصاف و انسانیت کا تقاضا ہے کہ ان کی حفاظت ہونی چاہیے قبل اس کے کہ ضابطۂ جدید کے تحت زمینداروں کے اختیارات کے دوامی ہونے کا اعلان کیا جائے۔ یہ حقوق تعلقداریا ادنیٰ زمیندار اور رعیت یعنی کاشت کار سے متعلق تھے۔ سابق الذکر کی مختلف قسمیں تھیں جن میں سے بعض پہلے ہی سے زمیندار کے اختیار و اثر سے علیحدہ ہو گئے تھے یا عہد و پیمان کرکے اپنی مالگزاری بلاواسطہ حکمران طاقت کو ادا کرتے تھے اور بعض سابق رواج کی بنا پر زمیندار کے محکوم تھے جو مثل ایک مقتدر رئیس کے تھا۔ حکومت اکثر و بیشتر اور گوناگوں طریقوں سے حق ملکیت کا انتظام کرتی تھی جس کے باعث اس کی اصل حدِ وسعت مشتبہ ہو گئی اور اسی وجہ سے تعلقوں کی علیحدگی کے لیے ایسے قواعد مرتب کرنا دشوار ہو گیا جو تمام پہلوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے اعتراض سے پاک رہ سکیں۔ اس سبب سے کلکٹروں نے اجرائے بندوبست کے وقت اُن تعلقداروں کو مستثنیٰ کرکے جن کا یہ حقِ استثنا حرف گیری کے قابل نہ تھا باقی سب کو زیر بحث حقوق کی جانچ و آزمائش کے لیے معین قواعد و ضوابط کے تحت آیندہ تحقیقات پر چھوڑ دیا۔ ان قواعد و ضوابط کی رُو سے اس قسم کے تمام استغاثوں کی سماعت بہ صیغۂ ابتدائی کلکٹر کیا کرتا تھا جس کے

فیصلوں پر عدالت دیوانی کے محکموں میں مرافعے داخل ہوتے تھے۔ ضابطۂ ہشتم[س] کا نتیجہ جس نے انقطاع تعلقہ جات کو جائز رکھا تھا نظما کے خیالات کے مطابق برآمد ہونا لازمی تھا جنھوں نے اپنے مراسلے مورخہ ۱۹ ستمبر ۱۷۹۲ء میں اُس وقت کی جانب (گو وہ خطرے کا درجہ نہیں رکھتی تھی) اشارہ کیا تھا جو بڑی بڑی زمینداریوں کی وسعت عظیم کے باعث پیدا ہوسکتی تھی ضابطۂ مذکور عملی طور پر ۱۸۰۱ء[ٹ] تک جاری رہا جب کہ اس ضابطے کے تحت بے شمار چھوٹے چھوٹے قطعوں میں زمین کی تقسیم نیز اُن مواقع کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مالگزاری کی نسبت مضرت رساں اسباب مہیا کرتے تھے یہ امر ضروری تصور کیا گیا کہ ایک محدود مدّت کا تعین کیا جائے جس کے علاوہ مزید انقطاع تعلقہ جات کی اجازت نہ دی جائے۔ دوسری پیچیدگیاں جو محولِ بالا قواعد کی بنا پر تقسیم اراضی کی درخواست کی منظوری سے اور تنقیح طلب حقوق کے اخفا سے پیدا ہو رہی تھیں چند ایسی صورتوں میں نمایاں ہوگئیں جہاں زمینداروں نے دیکھا کہ اُن کے علاقے بہ شکل حصص مجموعی طور پر اُن سے لے لیے گئے اور خود اُن کی حیثیت حکومت کے وظیفہ خواروں کی سی ہو گئی۔ بعض دیگر حالات میں سرکاری نیلاموں کے وقت جو بقایائے مالگزاری کی وصول یابی کے لیے قرار پاتے تھے خریدارانِ اراضی کی اسی طرح گت بنتی تھی اور عائد شدہ نقصان کا دعویٰ خریدار کی جانب سے ہونے پر حکومت اس کی تلافی کرتی تھی۔ آپ کی مجلس منتخبہ اس احتمال کے ثبوت میں جس کا حقوق مذکورِ بالا کی یکسوئی کے ساتھ لگا رہنا ضروری ہے یہ کہنے کی مجاز ہے کہ اگرچہ مقدموں نے جیسا کہ اس رُوداد کے سابق حصے میں مشاہدہ ہوچکا ہے بھاگل پور کی صوبہ جاتی عدالت کے جج کے پاس نالش کر کے انقطاع اراضی کے بارے میں اپنا حق قائم کر لیا تاہم وہ ایک مرافعے میں جو اس فیصلے کے خلاف مرشد آباد کی صدر عدالت میں دائر ہوا کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی نوع کی ایک اور شکل جو مقرّرہ قاعدے کے تحت بقایائے مالگزاری وصول کرنے کے لیے زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیلام کرنے میں پیش آئی ۱۸۰۱ء

[س] ضابطۂ ہشتم بابت ۱۷۹۳ء۔
[ٹ] ضابطۂ اول بابت ۱۸۰۱ء۔

کے قانون ششم کی تحریک کا باعث ہوئی جس کی رُو سے ایسے علاقوں کی تقسیم رُوک دی گئی جن کی مالگزاری کی مشخص رقم سالانہ پانچ سو روپیے سے کم تھی[1]۔ لیکن مسلمانوں اور ہندوؤں کے قوانینِ وراثت جن کی بنا پر اب تک ملکیت موروثی کی تقسیم رائج ہے غالباً اس مشکل کو اس حد تک بڑھا دیں کہ حکومت ان معاملات میں بھی روک تھام کی غرض سے کوئی ضابطہ نافذ کر کے تدارک کرنے پر مجبور ہو جائے۔

کاشتکاروں کی نسبت دیکھا گیا کہ ان کے حقوق اور رسم و رواج مختلف حصص[2] ملک میں اس قدر مختلف تھے اور حکومت کو وہ اس قدر پیچیدہ نظر آئے کہ ضابطے میں صرف یہ انتظام کیا گیا کہ عام طور پر معاہدات کیے جائیں اور زمیندار پٹے عطا کریں اور شرائط کے متعلق یہ قرار پایا کہ وہ روایات قدیم پر مبنی ہوں یا فریقین کے مابین خاص نہج سے طے ہو جائیں اور اس معاملے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکومت کی توقعات اور مقاصد پورے ہوئے کیونکہ کسی ایسے جدید ضابطے کا نفاذ بعد کو عمل میں نہیں آیا جس سے مذکور بالا ضابطے کی ترمیم یا تنسیخ ہوتی ہو۔ مزید برآں یہ امید بھی بندھی ہوئی ہے کہ فریقین جب جدید قائم شدہ محکمہ جاتِ عدالت کے بلا تحقیق فیصلوں کے ساتھ ساتھ تکلیف، خرچ اور تاخیر کا تجربہ اٹھا چکیں گے تو وہ آپس میں ایک معقول معاہدہ کرنے پر راضی ہوں گے۔ اُس میں زمیندار کی تو یہ غرض ہو گی کہ کاشتکار برقرار رہے جس کی تدابیر ہی سے اس زمیندار کی جائیداد زرخیز ہو سکتی ہے اور[3] کاشتکار کا منشا اُسی جگہ حصولِ معاش کا ہو گا جہاں اُسے بود و باش کی عادت پڑ چکی ہے۔

---

[1] ۔ جائیدادوں کے حصوں کا اتفاقاً جو نیلام ہوا کرتا تھا اس سے بنگال کے نظم و نسق مالگزاری میں بڑی پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ پانچ سو روپیے کی قید اب اُٹھا دی گئی ہے اور جائیدادیں بعض اُن مستثنیات کو چھوڑ کر جن کی بہ شکل حصص علٰحدہ رجسٹری ہو چکی ہے بہ حیثیت مجموعی نیلام کی جاتی ہیں۔

[2] ۔ ضابطہ ہشتم سنہ ۱۷۹۳ء۔

[3] ۔ مجلس منتخبہ اس امر کے اظہار میں قطعاً حق بجانب نہیں ہے کہ سنہ ۱۷۹۳ء کے ضابطہ ہشتم کی شرائط کافی طور پر کاشتکار کی پشت پناہ بنی ہوئی تھیں چنانچہ اس کی تحقیق بنگال میں نفاذ بندوبست دوامی کی کچھ ہی مدت کے بعد صاف طور پر ہو گئی لیکن سنہ ۱۸۵۹ء تک جامع و ہمہ گیر قانون (قانون دہم سنہ ۱۸۵۹ء) وضع نہ ہو سکا۔ موجودہ قانونِ مروّج سنہ ۱۸۸۵ء کا قانون ہشتم ہے جس میں اس سنہ تک ترمیم کی گئی ہے۔

طریق جدید کے تحت پٹواری[۱] کو جس کے فرائض کا ذکر ہو چکا ہے بحال رکھنا ضروری خیال کیا گیا مگر ضابطہ ہشتم سنہ ۱۷۹۳ء کی بنا پر اُسے زمیندار کے ایک خدمت گزار کی حیثیت اس غرض سے دی گئی کہ وہ (دیہات کا حساب کتاب رکھنے کے علاوہ) اُن زمینوں کی نسبت اطلاع بہم پہنچائے جن کے بارے میں کلکٹر یا عدالتی محکموں کی طرف سے نیلام کے احکام کسی وقت بھی صادر ہو سکتے ہیں لیکن قانون گو اشخاص کے لیے جن کے فرائض بھی بیان ہو چکے ہیں کوئی خدمت ضروری معلوم نہ ہوئی اس لیے حکومت نے اُن کے عہدے کی موقوفی کا اعلان کر دیا اور وہ زمینیں جو حق الخدمت کے طور پر اُن کے قبضے میں تھیں اور جن میں سے بعض پشت بہ پشت موروثی بن گئی تھیں اس اصول پر قابل ضبطی قرار پائیں کہ قابضان اراضی سلطنت کے محض ملازم ہیں اور حسب مرضی ہٹائے جا سکتے ہیں۔ اس فیصلے کی سختی میں بعد کو اس حد تک کمی کی گئی کہ بڑے بڑے قانون گویوں کی معاش کا انتظام ہو گیا مگر بنگال اور بہار میں رُسوم یا اُن سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اور اُن کے عُہدے انہیں واپس نہیں دیے گئے۔

جب ہم قانون گویوں کے قدیم عُہدے کی شکست و ریخت پر غور کرتے ہیں تو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ حکومت نے اس کی انتظامی خرابیوں کے متعلق شہادت کی جانب جلد توجہ نہیں کی اور مفید قواعد کے تحت اُس کے بکار آمد ہونے کا کافی لحاظ نہیں کیا۔ اس بے پروائی کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بنارس اور اضلاع مفوضہ و مفتوحہ میں اسی وقت سے ضوابط بنگال کی بنا پر جن کا نفوذ بعد کو ان صوبوں کی حکومت میں ہوا قانون گو کا عہدہ برقرار رکھنے کی ضرورت داعی رہی۔ سنہ ۱۸۰۳ء کے ضابطۂ پنجم کی رُو سے یہ حکم دیا گیا: "چونکہ قانون گو کا عہدہ صوبہ جات مفوضہ و مفتوحہ کی سابقہ حکومتوں کے زمانے میں نہایت منفعت بخش ثابت ہوا ہے اور ان صوبوں میں اور صوبۂ بنارس میں خاص قواعد و قیود کے تحت رفاہ عام کا بڑا حامی سمجھا گیا ہے" اس لیے وہ جاری رکھا جاتا ہے مگر تھوڑے سے اصولی اختلاف کے ساتھ یعنی یہ کہ وہ آیندہ موروثی نہ ہوگا اور تنخواہ رسوم سے نہیں بلکہ براہ راست حکومت کے خزانے سے ادا ہوگی۔

غیر منقولہ جائیداد اور دیگر مقامی حالات کے تغیرات کے اندراج میں دفترِ قانون گو کی فرو گذاشت کی تکمیل کے لیے جس کا جدید طریقے سے بآسانی انجام پانا ممکن

---

[۱] طریق پٹواری کی دوبارہ تنظیم بجز بنگال کے دیگر دوامی بندوبست یافتہ رقبے میں ضابطۂ دوازدہم سنہ ۱۸۱۷ء کے ذریعے عمل میں آئی جس کو سنہ ۱۸۱۹ء کے ضابطۂ اول کی رو سے بنگال تک وسعت دی گئی۔ طریقِ مذکور کی تشکیلِ جدید کامیاب ثابت نہ ہوئی۔

نہ تھا غیر منقولہ جائیداد کا ایک پنج سالہ رجسٹر ایک درمیانی رجسٹر کے ساتھ جو تغیرات سے متعلق تھا قائم کیا گیا اور دیسی افسروں کو حکم دیا گیا کہ ان رجسٹروں کو انگریزی تراجم کے ساتھ ہر ضلع کے کلکٹر کی نگرانی اور معائنے کے واسطے اپنے پاس رکھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رجسٹر کے اوراق کی تنقیح کے متعلق یہ انتظام کیا گیا کہ اُن پر حاکم ضلع کے دستخط ثبت ہوں اور انہیں مستند اور مکمل بنانے کے لیے دیگر احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ یہ عمل وثیقے کے طور پر حکومت کے عہدہ داروں اور عدالتی محکموں کو اُس معلومات کی فراہمی میں سند کا کام دے سکے جس کا تعلق خاص خاص اقطاع اراضی کی تشخیص مالگزاری سے ہے نیز سرحدی فسادات اور دیگر حالات کے جانچنے میں جہاں حکومت کے مطالبات اور افراد کے حقوق و املاک سے واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ ان رجسٹروں کی اس وقت تک تکمیل ہو چکی ہے، اس لیے اب جب کہ کئی برس گذر چکے ہیں یہ شبہ کرنے کی گنجائش ہے کہ آیا وہ کبھی اختتام کو پہنچیں گے اِس تذبذب کو تقویت دینے والی صورت حال نے صوبہ جاتِ بالائی میں عہدۂ قانون گو کے دوبارہ قیام کی ضرورت کا احساس کچھ مدّت سے پیدا کر دیا ہے اور اس کی نسبت آپ کی مجلس منتخبہ معقول طور پر یہ یقین رکھتی ہے کہ زیر بحث رجسٹروں کی غایت اس ضرورت کی تکمیل[1] ہے۔

آپ کی مجلس منتخبہ امور بالا اور اسی نوع کے دیگر حالات کے اظہار کی جانب اس خیال کی بنا پر مائل ہوئی ہے کہ مختلف احاطوں کے زیر اقتدار جدید ملکی مقبوضات میں مالگزاری کے تعین اور مستقل ضوابط کے نفاذ کے وقت (جس اہم کام پر اب حکومت ہند حقیقۃً لگی ہوئی ہے) بنگال کے مروج طریق جدید کا نتیجہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے تاکہ ان مقبوضات میں ایسی غلطیوں سے جو بے پروائی، جلد بازی یا ناتجربہ کاری کے باعث سرزد ہو سکتی ہیں آیندہ موقعوں پر پرہیز کیا جا سکے۔

اس عنوان کے تحت باقی ماندہ ضوابط جن کا تذکرہ آپ کی مجلس منتخبہ ضروری سمجھتی ہے وہ ہیں جن کی رُو سے حکومت ایسی اراضی کی ضبطی عمل میں لاتی ہے جو دھوکا دہی یا

---

[1] ۔ مذکور بالا رجسٹروں کی کبھی تکمیل نہیں کی گئی۔ البتہ اُس وقت جبکہ سنہ ۱۸۲۲ء کے قانون ہفتم کا نفاذ ہوا تعلقوں کے رجسٹروں میں کامل طور پر اندراجات کیے گئے۔

ناجائز حقوق کے ذریعے ادائے مالگزاری سے مستثنٰی ہے۔

جو زمین "بعضی زمین"[1] کے عام نام سے موسوم تھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۸۲ء[2] میں حکومتِ بنگال کی کارروائیوں کے ضمن میں اُس کی حقیقتِ حال پر بڑی حد تک غور و خوض ہوا اور اس وقت یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ "اس قسم کی اراضی کی حدود اور سالانہ رقم کی تحقیق کے لیے مختلف زمانوں میں خاص خاص کوششیں کی گئیں" مگر کوئی عام رجسٹر تا حال تیار نہیں ہوا اور سابقہ تحقیقات کی رُودادیں غیر موجود یا منتشر تھیں اور جن چیزوں کا وجود پایا جاتا تھا وہ غیر صحیح ہونے کے باعث ناقابل اعتماد تھیں۔ ۱۷۷۲ء میں اگرچہ بے ضابطہ انتقالِ اراضی کے رواج کو روکنے کی تدابیر کام میں لائی گئیں تاہم یہ تسلیم کرنے کی وجہ موجود تھی کہ زمینداروں کی جانب سے برابر بے جا عمل جاری رہا اور اس کی روک تھام کے لیے ایک دفتر کا قیام جس کا نام "بعضی زمین دفتر" ہو ضروری تھا۔ چنانچہ قایم شدہ "بعضی زمین دفتر" کے مہتمم کو جس کے ساتھ دیسی افسروں کا ایک قابل عملہ تھا مجاز کیا گیا کہ معلومات حاصل کرنے اور زیرِ بحث اراضی کا رجسٹر تیار کرنے کی غرض سے بنگال و اوڑیسہ کے صوبوں کا دورہ کرے اور اس کے فرائض کی انجام دہی میں محنت شاقہ کی ترغیب پیدا کرنے کے واسطے تنخواہ کے علاوہ اُسے ایسی زمینوں کی تمام ضبطیوں پر جن کو وہ اپنے ذرائع کی بدولت حکومت کی باجگزار بنا سکے کمیشن بھی مقرر ہوا۔ اس چھان بین سے صوبۂ بہار مستثنٰی رہا جہاں یہ گمان غالب تھا کہ صوبہ جاتی کونسل نے پہلے ہی سے نفس معاملہ کی ضروری تحقیقات کر لی ہے۔ اس دفتر کے وجود سے کسی مفید خدمت کے انجام دیے جانے کا کوئی ذکر سرکاری کاغذات میں نہیں ہے۔ اس کے برخلاف وہ سرکاری مالگزاری کے تغلب کا حامی ہونے کے باعث حکومت کو سخت اعمال بیجا کا منبع دکھائی دیا۔ ۱۷۸۶ء میں بعضی زمین دفتر (یعنی تادیۂ مالگزاری سے مستثنٰی اراضی کی رجسٹری کا دفتر)

---

[1] "بعضی زمین" سے مُراد متفرق اراضی ہے مگر اس اصطلاح کا استعمال خاصکر ایسی اراضی کے اظہار کے لیے ہوتا تھا جو جائز یا ناجائز طور پر ادائے مالگزاری سے مستثنٰی تھی۔

[2] ۔ ۱۷۸۲ء میں بعضی زمین دفتر قائم کیا گیا اور اس کا دائرۂ عمل صرف اضلاع بردوان و مدناپور تک محدود رہا۔ ۱۶ اکتوبر ۱۷۸۶ء کو اس دفتر کی وہ حیثیت جاتی رہی جس کی بنا پر جائیدادِ معافی ضبط کی جاتی تھی مگر بحیثیتِ دفترِ وثیقہ وہ ۱۷۹۳ء تک جاری رہا جبکہ اسے بالکل برخاست کر دیا گیا۔

برخاست ہوگیا اور اس کے کچھ فرائض، دیگر ضوابط کے تحت مالگزاری کے کلکٹروں کو اُن کے متعلق اضلاع میں سپرد کر دیے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں کوئی مزید تبدیلی ۱۷۹۰ء تک عمل میں نہیں لائی گئی جب کہ لارڈ کارنوالس نے سرکاری مالگزاری کے تادیے سے مستثنیٰ اراضی پر حق قبضہ رکھنے والے یا اُس کے طلبگار اشخاص کے دعاوی کی واجبیت کو جانچنے کے لیے ضوابط[1] جاری کیے جو بعد کو ۱۷۹۳ء کے شائع شدہ مجموعۂ قوانین میں شامل کر لیے گئے۔ ان ضوابط کا مقصد اُن حالات کو واضح کرنا تھا جن کے تحت مختلف النوع عطیاتِ مذکور کے حقوق، جائز متصور ہو سکتے تھے مثلاً کمپنی کے حصول دیوانی سے قبل کے حاصل کردہ حقوقِ قبضہ یا اس واقعے کے بعد کے معتبر سند یافتہ حقوق، نیز ان کا منشا ضلع کے کلکٹر کو اس امر کا اختیار دینا تھا کہ جہاں حقوق قبضہ کی برقراری ناممکن ہو وہاں ضبطی کے لیے دیوانی عدالت میں حکومت کی جانب سے مقدمات دائر کرے لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کوئی بڑی بڑی ضبطیاں عمل میں لائی گئی ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو تجویز سرکاری مقبوضات کی وافر منقلبوں کا کھوج لگانے کے لیے کی گئی تھی اُس کی ابتدائی ناکامی کے نتائج کا احساس صریح طور پر تاحال موجود ہے اور لگاتار فائدہ رساں ہونے کے باعث فریب دہندوں سے اُن کی بازیافت غالباً اب غیر ممکن العمل[2] ہوگئی ہے۔

نمک اور افیون کے اجارے کی بنا پر جو محاصل وصول کیے جاتے تھے اُن کے متعلق بیان پیش کردہ میں کچھ اضافہ کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ان اشیاء کے اجارے کو مستحکم بنانے، محصول نمک کی چوری اور افیون کی آمیزش کو روکنے، اشیائے مذکور کی تجارت میں شرکت کے متعلق لوگوں پر جبر کرنے سے حکومت کے نمائندہ عہدہ داروں کو باز رکھنے، عہد و پیمان کی ٹھیک ٹھیک بجا آوری کا جو تاجروں نے برضا و رغبت کیے ہوں یقین

---

[1] محولِ بالا قوانین سے مُراد ۱۷۹۳ء کے ضوابط نشان ۱۹ و ۳۷ ہیں۔

[2] ۔ ضابطۂ دوم ۱۸۱۹ء اور ضابطۂ سوم ۱۸۲۸ء کے نفاذ کے زمانۂ مابعد میں بہت کم ضبطیاں واقع ہوئیں۔ ان ضوابط کی رُو سے خاص خاص عدالتیں دستور العمل کے ساتھ قائم ہوئیں۔ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۴۵ء تک کی درمیانی مدت میں زمین کا ایک وسیع رقبہ جس پر بہ معافیٔ مالگزاری ناجائز قبضہ تھا بنگال، بہار و اوڑیسہ میں ضبط کر لیا گیا۔

دلانے اور کارکنانِ حکومت کے ظلم و تعدی کی صورت میں محکمہ جاتِ عدالت کے اختیارات کی مدد سے ان کی دادرسی کرنے کے لیے جو ضوابط نافذ ہوئے تھے وہ بعد نظرِ ثانی سنہ ۱۷۹۳ء کے اشاعت یافتہ قانون میں شامل کیے گئے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نمک سے متعلق ضابطے میں بعد کو کوئی اہم تغیر ہوا ہو بجز اس کے کہ سرقے کی روک تھام کے لیے ملازمان متعہد کے زیرِ نگرانی چوکیاں قائم کی گئیں اور نمک کے کارکنوں کی منظور شدہ شرح دستوری گھٹا دی گئی۔

چونکہ آمیزش کی وجہ سے افیون کی بے قدری کے باعث آمدنی محصول میں بڑی حد تک کمی ہو گئی اور اس کی تجارت بھی انحطاط پر آ گئی اس لیے افیون کے بارے میں ٹھیکے کا طریق انتظام موقوف کر دیا گیا اور اس کی بجائے سنہ ۱۷۹۹ء[۹] میں کمپنی کے ایک ملازم متعہد کی نیابت قائم کی گئی۔ افیون کے اجارے کے انتظام کی اس تبدیلی سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ ہر لحاظ سے پوری ہوئیں اور محاصل خالص کی رقم جو گذشتہ چہار سالہ اجارے کی آمدنی کا اوسط نکالنے پر (۸۱۹۴۰۰) روپیے یا (۹۵۰۵۰) پونڈ تھی اب اسی قدر مدت کے مداخل کا اوسط لینے پر جس کے تازہ حسابات وصول ہو چکے ہیں (۵۹۸۰۱۰۰) روپیے یا (۶۹۳۷۰۰) پونڈ ہو گئی۔

نمک اور افیون کے انتظام پر جو کارکن مقرر ہوتے ہیں انہیں لازم ہے کہ اپنا کام شروع کرنے سے پہلے ایک حلف نامے پر دستخط کریں جو ان کو حکومت کے مقرر کردہ معاوضے کے علاوہ اپنی ذات کے لیے کوئی فائدہ حاصل کرنے یا دیدہ و دانستہ کسی دوسرے شخص کو ایسا کرنے کی اجازت دینے سے باز رکھتا ہے۔

عدالت ہائے دیوانی

بنگال میں قانون جدید کے نفاذ سے قبل محکمۂ عدالت کی جو حالت تھی

---

۹ ضابطہ ششم سنہ ۱۷۹۹ء۔

۱۰۔ چوکی: اس کے لفظی معنی بیٹھک کے ہیں مگر یہ لفظ محصول راہداری، چنگی اور پہرے کے مقامات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس کا ذکر آپ کی مجلس منتخبہ نے پہلے ہی کر دیا ہے۔ اُس وقت جن صوبوں کو ضلعوں میں تقسیم کیا گیا ان میں سے ہر ضلع کا صدر ایک یورپین عہدہ دار تھا اور وہ مالگزاری کے کلکٹر، عدالت کے جج اور پولیس کے مہتمم کی حیثیت سے مختلف فرائض ایسے قواعد کے تحت انجام دیتا تھا جن کی بنا پر ان صیغوں میں سے ہر ایک کے متعلق اس کی کارروائیاں صاف اور علیحدہ طور پر رکھی جاتی تھیں۔

یہ تھا حکومت داخلی کا دستور جسے مجلس نظار نے اپنے ملکی مقبوضات ہند کے لیے پسند کیا تھا۔ بعد کو ۱۷۸۶ء میں لارڈ کارنوالس کا تقرر ہوا تاکہ وہ ان اصلاحات کو بروئے عمل لائے جنھیں مجلس نظما نے اپنے مقبوضات کے نظم و نسق کے متعلق تجویز کیا تھا۔ اس موقع پر نظما کے احکام کے ساتھ حسب ذیل خیالات[1] بھی شامل تھے۔

"مقبوضات ہند کی حفاظت و حکومت کی نسبت ہمارے تمام خیالات اس ضرورت کی جانب مائل ہیں کہ ہم اپنے اغراض و مفاد میں رعایا کے مروج اطوار و رسوم کے مطابق عمل کریں بجائے اس کے کہ دیگر ممالک کے اُن مجرد نظریوں سے کام لیا جائے جو جداگانہ صورت حالات پر منطبق ہوتے ہیں۔ پس ہم نے نفس موضوع پر کافی غور و فکر کر کے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ دیوانی عدالت کے محکموں کی نگرانی صوبجاتی عہدہ داروں یعنی کلکٹروں کو دوبارہ تفویض کرنے میں زیادہ سہولت و تقویت اور عدل گستری و کفایت شعاری مضمر ہے"

یہ امر تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ہر ضلع میں انفرادی حکومت کا مجوزہ انتظام دیسی طریق حکومت سے مطابقت رکھتا تھا جس میں بادشاہ سے لے کر ادنیٰ درجہ کے ملازم کے درجے تک قریب کے عہدہ دار متعلق کا حکم بجائے خود قطعی ہوتا تھا اور عام طور پر بے چون و چرا اس کی تعمیل کی جاتی تھی بجز اس صورت کے کہ ناانصافی یا ظلم و تعدی کے باعث کسی حاکم بالاتر کے پاس مرافعہ دائر کرنے کی مجبوری لاحق ہو۔ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ اس طریق حکومت کے فوائد و نقصانات اس کی

---

[1] مراسلہ متعلقہ بنگال مورخہ ۱۲ اگست ۱۷۸۶ء فصل ۸۵۔

خوبی یا برائی کا انحصار بیشتر حکمران شخصیتوں کی عادات و خصائل پر ہوگا بہ نسبت
اُن ضوابط کے جو ان کی رہنمائی کے لیے بنائے جائیں۔ جس طرح یورپین حاکم
یا کلکٹر کو جو دار الحکومت اور اس کی راست نگرانی سے دور متعین ہو ہوشیار مستعد
اور راست باز یا کاہل و بد دیانت ہونا چاہیے یہ توقع کیجاتی ہے کہ اسی تناسب
سے اس کے معمولی عہدہ داروں کا طرز عمل جو ضلع میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں
انھیں صفات کا حامل نظر آئیگا۔ اور یہ کہ باشندوں کی فلاح و بہبود اس طرح ایک
حد تک اس شخص کے انتخاب پر موقوف رہے گی جسے ان پر حکومت کرنے کے
لیے مقرر کیا جائے۔ بدگمانیوں کے باعث جو اس قسم کے انتخاب پر ہو سکتی ہیں
اور دیگر وجوہ کی بنا پر جن کا ذکر لارڈ کارنوالس کی یادداشت[عـب] میں تفصیل سے ہوا
یہ طریقہ ترک کر دیا گیا اور اس کی بجائے دوسرا اقرار پایا جس کی نسبت
لارڈ موصوف کے الفاظ یہ ہیں کہ "وہ اپنے اساسی اصول پر قائم رہے نہ کہ نگرانکار
اشخاص کی ذاتی صفات پر مبنی ہو"۔ یہ ایک ایسا طریقہ تھا جس کے تحت آیندہ
لوگوں کو سر پرست شخصیتوں کی دربارداری یا اپنی جان و مال کی حفاظت کے لیے
چارہ جوئی کی ضرورت نہ تھی۔ اصول مذکورہ بالا کے بموجب ضوابط عام کے
مختلف فقروں میں اس امر کی تلقین کی گئی ہے کہ حقوق کی پامالی کے باعث افراد
کی شکایات نیز سرکاری عہدہ داروں کے اختیارات کے بے جا استعمال کے متعلق
دادرسی کے لیے عدالتی محکموں تک بلا مزاحمت رسائی ہو سکتی ہے۔ اور ضابطہ
سوم (۱۷۹۳ء) میں ایک راہ بتلائی گئی ہے جس کے ذریعے حکومت سے بازپرس
ہو سکتی ہے اور اسے اس کی رعایا کے حقیر ترین شخص کے اس نقصان کی جوابدہی
پر مجبور کیا جا سکتا ہے جو اس کے عہدہ داروں کے مختارانہ طرز عمل سے یا حقوقِ
افراد سے متعلق مضرت رساں قواعد خواہ وہ کسی قسم کے ہوں نافذ ہونے
کی بنا پر خود اس کے کسی فعل سے پہنچا ہو۔ تمہید ضابطہ سوم (۱۷۹۳ء) میں ذیل کی

عـب ۔ یادداشت مورخہ ۱۱ فروری ۱۷۹۳ء ضمیمہ نشان ۹ دفعہ ۲ متعلقہ رُوداد دوم مجلس منتخبہ
۱۸۱۰ء مراسلہ بنگال مورخہ ۶ مارچ ۱۷۹۳ء۔

یہ عبارت موجود ہے "حکومت نے قرار دیا ہے کہ محکمہ جات عدالت سے متعلق قوانین وضوابط کی عملداری نہ صرف دیسی افراد کے باہمی مقدمات کی حد تک رہیگی بلکہ حکومت کے عہدہ دار جو مالگزاری کی تحصیل، کمپنی کی آمدنی کے انتظام اور دوسرے تمام مالی یا تجارتی امور عامہ پر متعین ہیں بہ حیثیت سرکاری اپنی خلاف آئین کارگزاریوں کے لیے محکمہ جات مذکور میں جواب دہ ہوں گے اور یہ کہ خود حکومت سلطنت کے ذرایع آمدنی کی ان مختلف شاخوں کے انتظام میں ایسی خانگی جائداد پر دست اندازی کرنے سے باز رکھی جا سکتی ہے جس کی نسبت وہ یہ طے کر چکی ہے کہ اس قسم کے معاملات میں عوام کے اعتراض و دعاوی کو محکمہ جات عدالت میں پیش کر کے بالکل اسی طریقے پر تصفیہ کرایا جائیگا جس طرح افراد کے حقوق کا ہوتا ہے۔"

ضابطۂ دوم بابت ۱۷۹۳ء کی تمہید میں جس کے ذریعے عدالتی اور مالی اختیارات کا انتزاع ہوا اس عمل کے لیے حسب ذیل وجوہ ظاہر کی گئی ہیں :-

"کلکٹران مالگزاری عدالتہائے محال میں بحیثیت جج کے اجلاس کرتے ہیں اور ان کی تجویزوں کا مرافعہ مجلس مال میں کیا جاتا ہے۔ اور اس مجلس کے فیصلوں کا مرافعہ محکمۂ مال میں گورنر جنرل کے اجلاس کونسل پر ہوتا ہے۔ مالکان اراضی اُن اختیارات کو جو انہیں عطا کیے گئے ہیں کبھی محفوظ نہیں تصور کر سکتے جبکہ عہدہ داران مالگزاری کو عدالتی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ علاوہ ان اعتراضات کے جو ان عدالتوں کی بے ضابطہ، سرسری اور اکثر و بیشتر یک طرفہ کارروائیوں سے نیز کلکٹروں کی ان مجبوریوں سے پیدا ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے عدالتی اختیارات کو اس وقت معطل کرنا پڑتا ہے جب کہ ان سے ان کے مالی اختیارات میں مداخلت ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ اگر سرکاری مالگزاری کی تشخیص و تحصیل کے قواعد کی خلاف ورزی ہو تو خلاف ورزی کرنے والے خود عہدہ داران مالگزاری ہوں گے اور وہ اشخاص جنہیں ان کی ایک حیثیت سے نقصان پہنچا ہو ان کی دوسری حیثیت سے اپنی دادرسی کی توقع نہیں کر سکتے۔ ان کے مالی اختیارات بھی ان کو اسی طرح

ناکارہ کر دیتے ہیں۔ لہذا غیر منقولہ جایداد اور اس کے متعلقہ حقوق کی نسبت ایک دیگر ضمانت دیجانی چاہیئے تاکہ زراعت میں خاطر خواہ ترقی کی توقع کیجا سکے۔" مذکورہ بالا اصول کی رہنمائی میں اور بیان شدہ وجوہ کی بنا پر لارڈ کارنوالس نے یہ عمل شروع کیا کہ مجلس مال سے عدالت مرافعہ کے اختیارات اور کلکٹروں سے ان مقدمات کے انفصال کے اختیارات جو وصول یابی مالگزاری سے متعلق ہوں علیحدہ کر لیے جائیں اور ایسے مقدمات کا انفصال دیگر مقدمات دیوانی کی طرح ایک نئی عدالت میں کیا جائے جو اب ایک ایسے یورپین عہدہ دار متعہد کے زیر نگرانی جس کا درجہ کلکٹر سے زیادہ تھا ہر ضلع میں قائم کر دی گئی تھی اور اسی عہدہ دار کی شخصیت میں ناظم دیوانی اور ناظم فوجداری کے اختیارات متحد کر دیے گئے اور اس کے علاقے کی حدود کی پولیس کا انتظام بھی اسی کے سپرد کیا گیا۔

عدالتوں کا اس طرح قیام ہونے کے بعد ایک عہدہ دار عدالت[1] اور یورپین ملازمان متعہد کے ادنی تر طبقے سے ایک یا زیادہ مددگاروں کا تقرر کیا گیا اور جو لائق ترین افراد دیسیوں میں تھے ان میں سے بھی بعد انتخاب ایک ہندو اور ایک مسلمان فقیہہ ہر عدالت کے لیے مقرر کیا گیا تاکہ وہ ایسے مقدمات کا تصفیہ کریں جن کا تعلق قرآن شریف یا دھرم شاستر کے احکام سے ہو۔ ہر عدالت میں ایک واقف کار عملہ مقرر تھا اور فریقین مقدمہ کی امداد کے لیے وکلاء یا دیسی مختار جو خاص اس غرض کے لیے نامزد ہوتے تھے مقرر کیے گئے تاکہ معین قواعد کے مطابق کارروائی کریں جو عدالتی کارروائی کی حد تک اُن قواعد سے مختلف نہ تھے جو اسی قسم کی عدالتوں میں ۱۷۸۱ء میں نافذ کیے گئے تھے۔

مختلف عدالتوں کے اختیارات کی مقامی حدود ان تمام مقامات تک

ج۔ بنگال کے مطبوعہ ضوابط۔

[1] اس سے مراد ایسا عہدہ دار تھا جس کا کام مقدمات کی ترتیب کے علاوہ رجسٹروں کو بھی باقاعدہ مرتب رکھنا تھا۔

پھیلی ہوئی تھیں جو ایسے ضلعوں یا شہروں کی حدود میں شامل تھے جہاں وہ علی الترتیب قائم کی گئی تھیں۔ تمام ہندوستانی اور یورپین اور دیگر اشخاص جو برطانوی رعایا سے نہ ہوں اور کلکتہ سے باہر رہتے ہوں، عدالت ضلع اور عدالتہائے شہر کے اختیار سماعت میں داخل سمجھے جاتے تھے۔ لیکن برطانوی رعایا خواہ وہ ملک معظم کی فوجی یا سیول ملازمت میں ہو یا نہ ہو ایسے قواعد کی پابند کی گئی ہے جو اس غرض کے لیے مناسب ہیں اور کمپنی کے مذکورہ بالا طبقہ ملازمین کی حد تک صدر عدالت کلکتہ کے اختیارات کے تحت ہیں۔ برطانوی رعایا کو جو سرکاری ملازمت میں نہ ہو اگر موخر الذکر علاقے کی حدود سے دس میل کے فاصلے پر قیام کرنے کی اجازت دی جائے تو وہ اس امر کی پابند ہے کہ فوجداری معاملات میں اپنے کو عدالت ہائے ضلع کے اختیار سماعت میں سمجھے اور ایسے دیوانی مقدمات میں بھی جن میں پانچسو روپیے (۵۰۰) سے زیادہ مالیت کا دعوی نہ کیا گیا ہو۔ مذکورہ مداخلت کو ہز اکسلنسی نواب صاحب مرشد آباد کے زیر دستوں یا خانگی ملازموں کی حد تک روکنے کے لیے بھی قواعد میں احتیاط برتی گئی ہے اور اس کو عدالت متعلقہ کی صوابدید پر نظر انداز کرنے کے قابل سمجھا گیا بدیں شرط کہ ہمیشہ اور تمام معاملات میں نواب موصوف کے قدیم مسلم حقوق اور اعزاز کا پورا پورا لحاظ کیا جائیگا"۔

شہر و ضلع کے ججوں کے وقت کو چھوٹے چھوٹے مقدمات کی تحقیقات میں صرف ہونے سے بچانے اور اس طرح بڑے مقدمات کا زیادہ عجلت کے ساتھ تصفیہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے انہیں اپنے زیر دست عہدہ داران عدالت کو دو سو روپیے تک کی مالیت کے مقدمات کے انفصال کی اجازت دینے کا اختیار دیا گیا۔ لیکن یہ اختیار جج کی نگرانی سے متعلق ذمہ داریوں اور پابندیوں کے تحت دیا جاتا تھا جس کے باعث اس کا وقت بچانے کا مقصد فوت ہو گیا اور یہ عمل بے سود ثابت ہوا۔ لہذا اس قاعدہ کا قابل اعتراض حصہ منسوخ کر دیا گیا اور ذیلی عہدہ دار عدالت کا فیصلہ ایک خاص حد تک قطعی قرار دیا گیا بجز اس کے کہ جج خود اس کی تنسیخ یا نظر ثانی کی ضرورت سمجھے مذکورہ بالا مالیت سے زیادہ کے متعلق ذیلی عہدہ دار موصوف کے فیصلوں کو عدالت مرافعہ میں قابل مرافعہ قرار دیا گیا لیکن اس وقت سے مرافعے عدالت ضلع یا شہر کے

جج کے پاس پیش ہونے لگے۔ جج کا بار ہلکا کرنے کے لیے اسی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی زیادہ مالیت کے مقدمات بھی بغرض فیصلہ اسے اپنے زیر دست کے پاس منتقل کرنے کے اختیارات حال ہی میں دیے گئے ہیں لیکن موخرالذکر کے فیصلے کسی مقدمے میں بھی قطعی نہیں سمجھے جاسکتے کیونکہ ان کا مرافعہ جج کے پاس ہوسکتا ہے۔ علاوہ بریں جج کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ کسی وقت وہ اپنے زیر دست کے پاس سے مقدمہ اٹھالے اور اس کی خود سماعت کرے۔

مزید برآں چھوٹے چھوٹے مقدمات کی سماعت سے ضلع و شہر کی عدالتوں کو نجات دلانے اور عدالت مستقر سے دور رہنے والے فریقین مقدمہ کو سہولت بہم پہنچانے اور مزید ذیلی عدالتوں کے ذریعے عدل گستری کو بصیغۂ دیوانی ترقی دینے کی غرض سے ایک ضابطہ بنایا گیا ہے تاکہ دیسی کمشنروں کا تقرر عمل میں آئے اور انہیں ایسے مقدمات کی ابتدائی سماعت اور فیصلے کرنے کا اختیار دیا جائے جو ذاتی جائداد کے متعلق ہوں اور جن کی مالیت پچاس روپیے سے زاید ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں یعنی امین، ثالث اور منصف۔ یہ لقب خود ان کے کام کو کافی طور پر ظاہر کر دیتے ہیں اگرچہ جیسا جیسا وقت گزرتا گیا ان کے ابتدائی نوعیت کار میں ایسی تبدیلیاں ہوتی گئیں جو مناسب معلوم ہوئیں۔ چار بڑے شہروں اور دیگر چھوٹے شہروں کے قاضی[1] اپنی خدمت کی نوعیت کے لحاظ سے امین اور ثالث ہیں اور ایک ضابطہ بابت ۱۸۰۳ء کی رو سے کاشتکاروں، اراضی کے مالکوں، تحصیلداروں اور قابل اعتماد تاجروں کو حسب صوابدید جج اس خدمت پر قابل مامور ہی قرار دیا گیا لیکن منصف یا دیسی جج کے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ اس کا انتخاب خاص احتیاط کے ساتھ کیا جائے اور تقرر کے بارے میں اعلیٰ ذمہ دار کو اطلاع دی جائے۔ یہ دیسی یا تو حلفیہ ذمہ داری یا ایک تحریری اقرار نامے کے پابند ہوتے ہیں اور ایسی قیود کے تحت کام کرتے ہیں جو دیانت داری کے ساتھ فرائض مفوض انجام دینے کے لیے ان پر عائد کی جاتی ہیں۔ ان کے اختیارا

---

[1] قاضی: ملاحظہ ہو فرہنگ۔

ذاتی جائداد کے مقدمات میں پچاس روپیہ کی مالیت سے زاید کے نہیں ہوتے اور ان کے فیصلے کے خلاف شہر یا ضلع کے جج کے پاس مرافعہ کیا جا سکتا ہے اور صرف وہی ان کے فیصلے کو نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہے ان دیسی کمشنروں کو کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی اور نہ ان کو کوئی دفتر رکھنے کی اجازت ہے بلکہ وہ کامل معاوضے کی صورت میں ان تمام مقدمات کی مالیت پر جن کی انھوں نے تحقیقات کی ہو یا جن کو فریقین کی مصالحت سے فیصل کر دیا ہو بطور حق الخدمت ایک آنہ فی روپیہ یعنی چھ فی صد سے کچھ زاید پاتے تھے۔

تمام باقاعدہ و مہذب حکومتوں میں یہ امر واجب سمجھا گیا ہے کہ ذیلی عدالتوں میں غلط یا غیر منصفانہ فیصلوں کے نفاذ کو روکنے کے لیے عدالتہائے نگرانی یا مرافعہ قائم کی جائیں ان کو موثر اور مفید بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان عدالتوں تک رسائی بآسانی ہو سکے۔ لیکن ۱۷۹۳ء سے پیشتر جیسا کہ اس سے پہلے ظاہر کیا گیا ہے جتنی عدالتہائے مرافعہ بھی احاطۂ بنگال کے تحت تھیں وہ سب کلکتہ میں تھیں۔ وہ مقدمات جو لگان یا مالگزاری سے متعلق ہوں عدالتہائے دیوانی کے اختیار سماعت سے خارج کر دیے گئے تھے اور بعینہٖ ابتدائی کلکٹر ان کی سماعت کرتے تھے جن کے فیصلوں کی ناراضی سے مجلس مال میں اور بالآخر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے پاس مرافعہ کیا جا سکتا تھا۔ جن مقدمات کے فیصلے صوبجاتی عدالتہائے دیوانی میں ہوتے تھے ان کا مرافعہ گورنر جنرل باجلاس کونسل اور ارکان مجلس اعلیٰ کے پاس ہو سکتا تھا اور اس ضمن میں (ان کا وقت اس سے زیادہ صرف نہ ہونے کے لیے جو دوسرے سررشتہ جات سرکاری کے کام کے بعد بچ رہتا ہے) قابل مرافعہ مقدمات کی مالیت ایک ہزار روپیے تک محدود ہو گئی۔ لیکن اس شرط کے تحت یہ معلوم ہوا کہ صوبجاتی عدالتوں کے منفصلہ مقدمات کی ایک بڑی تعداد ناقابل مرافعہ قرار پانے لگی۔ مزید برآں مسافت اور مصارف سفر بھی مرافعہ کی راہ میں حائل ہونے لگے۔ ان نقائص کو رفع کرنے کے لیے جو سابق نظام عدالتی میں پائے گئے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے بذریعہ ضابطۂ پنجم (۱۷۹۳ء) چار صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ قائم کیں، ایک کلکتہ کے قرب وجوار میں، دوسری

شہر پٹنہ میں تیسری ڈھاکے میں اور چوتھی مرشد آباد میں۔ ہر عدالت (متعہدہ ملازمت کے) تین ججوں کے زیر انتظام تھی جو اپنی اپنی متعلقہ عدالت کے لحاظ سے ناظم اول و دوم و سوم کہلاتے تھے۔ اسی طرز کی ایک پانچویں عدالت مرافعہ صوبۂ بنارس کے لیے ۱۷۹۵ء میں قائم کی گئی اور ۱۸۰۳ء میں ایک چھٹی عدالت کا قیام صوبجات مفتوحہ ومفوضہ کے لیے عمل میں آیا۔ ان عدالتوں میں سے ہر ایک میں یورپین سیول سروس کے ایک یا زیادہ مددگاروں کے ساتھ ایک عہدہ دار عدالت متعین کیا گیا۔ تین دیسی عہدہ دار (قاضی، مفتی اور پنڈت) بھی مع کافی دیسی عملۂ دفتر کے مقرر کیے گئے۔ ان قواعد وقیود کی مختلف ترمیمات کے بعد جن کی بنا پر عدالتہائے تحت سے صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ میں ۱۷۹۳ء سے چارہ جوئی کی اجازت تھی نیز ان ضوابط مابعد سے جو ۱۷۹۴ء و ۱۷۹۵ء اور ۱۸۰۳ء میں نافذ ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ میں جو بنگال، بہار، اوڑیسہ اور بنارس میں قائم ہیں ان تمام مقدمات کا مرافعہ ہو سکتا ہے جن کی سماعت بصیغۂ ابتدائی عدالت شہر یا ضلع کے جج نے کی ہو لیکن موخرالذکر کی وہ ڈگریاں جو دیسی کمشنروں کے فیصلوں پر بصیغۂ مرافعہ صادر ہوئی ہوں قطعی ہیں اور اسی طرح اس کے وہ احکام بھی قطعی ہیں جو اس نے اپنے نائب کے فیصلوں پر بصیغۂ مرافعہ جاری کیے ہوں بجز ان مقدمات جائداد غیر منقولہ کے جنہیں موخرالذکر کا فیصلہ منسوخ ہو جائے۔ اس صورت میں صوبجاتی عدالت مرافعہ میں مرافعہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن موخرالذکر عدالت کو یہ اختیار تمیزی حاصل ہے کہ وہ کسی مقدمے کے مرافعے کو بھی منظور کرے جہاں اُسے ایسا کرنے کی خاص وجوہ معلوم ہوں۔ عدالتہائے صوبجاتی کو مقدمۂ پیش شدہ کے منصفانہ تصفیے کے لیے اگر مزید شہادت کی ضرورت محسوس ہو تو وہ طلب کر سکتی ہیں یا عدالت ابتدائی کو ہدایات کے ساتھ مقدمہ واپس کر سکتی ہیں کہ وہ ایسی مزید شہادت طلب کرے جو مقتضائے انصاف ہو اور ہر صورت میں اختیارات محصلہ کے استعمال کی وجوہ بھی قلمبند کی جائیں۔ عدالتہائے صوبجاتی بھی عدالتہائے شہر و ضلع کی طرح اپنے اختیاری معاملات کے متعلق فریقین مقدمہ سے یا آپس میں خط وکتابت کرنے سے ممنوع ہیں۔

تمام دفتری مراسلت تحریری طور پر سرکاری مہر و دستخط کے ساتھ کیجائیگی اور ہر طلب نامہ یا حکمنامے کی تعمیل اور واپسی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا جائے گا۔ عدالت ماتحت کی عدول حکمی یا غفلت کے متعلق اگر صدر عدالت دیوانی کلکتہ کو مطلع کیا جائے تو اس عدالت کو ناظم کے معطل کر دینے کا اختیار ہے جس کی اطلاع وہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کی منظوری کے لیے بھیجدیگا۔" اگر کوئی شخص صوبجاتی عدالت دیوانی کے سامنے کسی ناظم عدالت شہر یا ضلع پر حلفیہ اقرار کے خلاف رشوت ستانی کا الزام لگائے تو اس عدالت کو چاہیے کہ اس شکایت کی سماعت کرے اور صدر عدالت کے پاس پیش کرے بشرطیکہ شاکی خود اس سے قبل حلفاً اپنی شکایت کی معقولیت کا اقرار کرے اور اس امر کی ضمانت کہ جب وہ طلب کیا جائیگا مقدمے کی پیروی کے لیے حاضر ہو جائیگا۔ ایک ایسی رقم کے ساتھ داخل کرے جسے عدالت مناسب سمجھے" اس قسم کے الزام پر صدر عدالت دیوانی جو طریقِ کارروائی اختیار کرتی ہے وہ بعد کو بیان کی جائیگی۔ ان قواعد سے جو عدالتہائے شہر و ضلع کے متعلق صوبجاتی عدالت کو ذاتی اختیارات نافذ کرنے سے روکتے ہیں یہ مقصود ہے کہ جو اعزاز سرکاری عہدے کی حیثیت سے ہونا چاہیے وہ برقرار رہے۔ برخلاف اس کے قوانین کی سخت پابندی اور ایسی اطاعت کیشی کی نگرانی جو سرکاری ملازمت میں ضروری ہے صدر عدالت دیوانی ان اختیارات کے تحت کرتی ہے جو اس کو گورنر جنرل باجلاس کونسل کے زیر اقتدار عطا کیے جاتے ہیں لیکن ان اصول کی توضیح جن پر یہ قواعد مبنی ہیں زیادہ بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے اگر لارڈ کارنوالس[عہ] کی اُس یادداشت کا ایک اقتباس پیش کیا جائے جس کے ذریعے اس نے ۱۱ فروری سنہ ۹۳ء کو قواعد مذکور نافذ کیے تھے "ججوں کے طرز عمل پر ناملائم الزامات عاید کیے جانے کا انسداد کرنے کے لیے ایسے قواعد بنائے جانے چاہئیں جن کی وجہ سے لوگ بے بنیاد الزامات لگانے سے احتراز کریں۔ صوبجاتی عدالتوں کو یہ اختیار نہ دیا جانا چاہیے کہ وہ خود ہی ابتداً ایسے الزامات کی تحقیقات کریں

عہ۔ ضمیمہ نشان (الف) متعلقہ رُوداد دوم مجلس منتخبہ سنہ ۱۸۱۰ء۔

جو عدالت ضلع وشہر کے ناظموں کے مقابلے میں قائم کیے جائیں۔ البتہ ان کو ہدایت کی جا سکتی ہے کہ وہ ان درخواستوں کو صدر عدالت دیوانی روانہ کردیں۔ اور یہ عدالت صوبجاتی عدالت کے نام ایک خاص کمیشن جاری کریگی کہ الزامات عاید شدہ کے متعلق تحقیقات کرے یا ایسی شہادت طلب کرے جو وہ مناسب سمجھے اس ضابطے کی تعمیل ضروری ہوگی یہ ضابطہ معقول اور موجہ الزامات کے پیش ہونے میں حائل ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ عوام کو بے بنیاد الزامات لگانے سے روکے گا صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ کو ایسے الزامات کی تحقیقات بلا استصواب صدر عدالت دیوانی کا اختیار دیدینا گویا عدالتہائے ضلع وشہر کے ناظموں کو راست ان کے ماتحت قرار دینا ہوگا۔ اس سے عوام کی نظر میں عدالتہائے ضلع وشہر کی اہمیت اور اثر میں کمی ہوجائیگی اور وہ وقعت گھٹ جائیگی جو ان کے متعلق عوام کے دلوں میں ہونی چاہیے۔ عدالتہائے صوبجاتی کے ناظموں کو ذاتی طور پر عدالتہائے ضلع وشہر کے ناظموں پر کوئی اختیار نہ ہونا چاہیے ان کا اختیار صرف ایک بالاتر عدالت کا سا ہونا چاہیے جس کی نگرانی عدالتہائے تحت کے ایسے ڈگریوں پر ہو سکتی ہو جو اس کے سامنے باضابطہ طور پر پیش کیے جائیں۔"

عدالتہائے صوبجاتی کی تمام ڈگریوں کے متعلق جن کی مالیت ایک ہزار روپیہ سے زیادہ ہو مرافعہ ابتدائی صدر عدالت دیوانی میں ہو سکتا تھا۔ یہ عدالت گورنر جنرل ارکان مجلس اعلیٰ قاضی القضات، دو مفتی، دو پنڈت، ایک سررشتہ دار، مددگار اور دیگر عہدہ داران عملہ پر مشتمل ہوتی تھی لیکن جو مرافعے پیش کیے جاتے تھے وہ چونکہ عدالت کا بہت سا وقت لے لیتے تھے لہٰذا مرافعہ کے لیے حد مالیت سنہ ۱۷۹۶ء میں زر نقد یا ذاتی جایداد کے ایسے مقدمات تک بڑھا دی گئی جن کی مالیت مبلغ پانچ ہزار روپیہ ہو۔ اور یہ قید چونکہ مطلوبہ مقصد کے لیے ناکافی ثابت ہوئی اس لیے دوسرے سال ہی وہ اسی مالیت کے مقدمات جائداد غیر منقولہ پر بھی عاید کردی گئی۔

ع۔ ضابطہ نشان ۱۲ سنہ ۱۷۹۶ء۔

ف۔ ضابطہ نشان ۵ سنہ ۱۷۹۷ء۔

قواعد حدود مرافعہ کی ان ترمیمات کے باوجود غیر منفصلہ مقدمات کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ گورنر جنرل کے پاس دیگر فرائض حکومت کی انجام دہی کے بعد جو وقت آسانی سے بچ رہتا تھا اس سے زیادہ صرف کرنے کی ضرورت ہوئی اور یہی حال صدر عدالت نظامت فوجداری کا ہوا جو خود بھی مشتمل تھی ارکان مجلس اعلیٰ پر جن کی امداد مذکورِ بالا قانونی عہدہ دار و عہدہ داران عملہ کیا کرتے تھے۔ مزید برآں لارڈ ولزلی نے یہ ضروری تصور کیا کہ "غیر جانبدارانہ عاجلانہ اور مستعدانہ عدل گستری کے لیے نیز ان صوبوں کے دیسی باشندوں کی ذات اور جائداد کی حفاظت کی غرض سے گورنر جنرل باجلاس کونسل جو حکومت کے اعلیٰ ترین قانونی و انتظامی اختیارات کا استعمال کرتے ہیں حکومت کے عدالتی امور کو بھی ایسی عدالتوں کے ذریعے انجام دیں جو قانونی و انتظامی اختیارات سے علیحدہ ہوں۔" لہٰذا یہ تصفیہ ہوا کہ حکومت کو صدر عدالت دیوانی اور نظامت عدالت کے اختیارات ترک کردینا چاہیے اور ایسی عدالتوں کو عطا کرنا چاہیے جو نئے سرے سے قایم کی جائیں اور جو مشتمل ہوں تین ججوں پر جن میں سے ایک ناظم اول (صدر) اور دوسرے ناظم دوم و سوم کہلائیں۔ صدر یعنی ناظم اول مجلس اعلیٰ کے جدید الخدمت ارکان میں سے ہو اور باقی دو دیوانی ملازمان متعہدین سے منتخب ہوئے جو مجلس اعلیٰ کے ارکان نہ ہوں۔ لیکن بعد کے ایک سرکاری قانون کے لحاظ سے صدر عدالت دیوانی اور نظامت عدالت تین تین ایسے ارکان پر مشتمل قرار دی گئی جن میں سے کوئی بھی مجلس اعلیٰ کا رکن نہ ہو پھر یہ انتظام سنہ ۱۸۱۰ء میں منسوخ کردیا گیا اور ایک نیا انتظام قائم کیا گیا جس کی رو سے ناظموں کی تعداد چار قرار دی گئی اور ان کا میر مجلس سابق کی طرح مجلس اعلیٰ کا رکن ہونے لگا۔ اس زمانے میں ایک قانون منظور ہوا کہ ارکان عدالت عالیہ

گ ضابطہ نشان ۹ سنہ ۱۷۹۳ء۔

ھ ضابطہ نشان ۲ سنہ ۱۸۰۱ء۔

ح ضابطہ نشان ۱۰ سنہ ۱۸۰۵ء۔

ک ضابطہ نشان ۱۵ سنہ ۱۸۰۰ء۔

ل ضابطہ نشان ۱۲ سنہ ۱۸۱۱ء۔

کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اجرائے[۱] کار کی ضرورت کے لحاظ سے اضافہ ہوسکیگا۔
تمام مقدمات میں خاص مرافعوں کو منظور کرنے کا جو اختیار صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ کو حاصل تھا وہ اسی طرح صدر عدالت دیوانی کو بھی حاصل ہے[۲]۔ اور ان تمام عدالتوں میں جو مقدمے اور مرافعے ابتدائً دائر ہوں ان کے داخل ہونے، تحقیقات عمل میں آنے اور فیصل پانے کے قواعد حتی الوسع ایک ہی اصول پر مبنی ہیں[۳]۔ صدر عدالت دیوانی کے فیصلے کل مقدمات میں ان قیود کے تحت قطعی ہیں جو قانون موضوعہ نشان[۴] جارج سوم باب ۷۰ دفعہ ۲۱ کی رو سے عاید کی گئی ہیں یعنی پانچ ہزار پونڈ کی حد تک جو اوسط شرح سے پچاس ہزار روپیے ہوتے ہیں اور اس حد سے متجاوز مقدمات کا مرافعہ حسب قانون محول بالا ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں ہوسکتا ہے۔
لیکن اس قانون موضوعہ میں چونکہ مرافعے کے داخل ہونے سے متعلق کوئی قواعد مقرر نہیں کیے گئے ہیں اس لیے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل حسب ذیل قواعد اس وقت تک قابل نفاذ قرار دیتے ہیں جب تک ملک معظم کا منشا اس خصوص میں ظاہر نہ ہو جائے: "ان تمام اشخاص پر جو صدر عدالت دیوانی کے کسی فیصلے کی ناراضی

۱۔ یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ بنگال میں صدر دیوانی عدالت اور صدر نظامت عدالت کمپنی کی دو بڑی عدالتہائے مرافعہ تھیں۔ صدر عدالت (سپریم کورٹ) جسے قانون تنظیم ۱۷۷۳ء کے تحت اختیارات حاصل ہوئے اور جو منشور شاہی مورخہ ۲۶ مارچ ۱۷۷۴ء کے ذریعے قائم ہوئی صرف ان اشخاص پر اپنا اقتدار رکھتی تھی جنہیں اب یوروپین برطانوی رعایا سے موسوم کیا جاتا ہے ۱۸۱۳ء کے قانون کی بنا پر صدر عدالت (سپریم کورٹ) کے تمام اختیارات جو مالی معاملات سے متعلق تھے سلب کرلیے گئے لیکن اس کے دیگر اختیارات کو کلکتے کے تمام باشندوں تک وسیع کردیا گیا۔ صدر عدالت (سپریم کورٹ) اور کمپنی کی عدالتوں کے یہ متوازی اختیارات سنہ ۱۸۶۱ء تک جاری رہے جبکہ ہندوستانی عدالتہائے عالیہ (انڈین ہائی کورٹس) کے قانون کی رو سے ان کو ضم کردیا گیا۔

۲۔ ضابطہ نشان ۶ سنہ ۱۷۹۳ء۔

۳۔ ضابطہ نشان ۱۲ سنہ ۱۷۹۷ء۔

۴۔ ضابطہ نشان ۱۶ سنہ ۱۷۹۷ء۔

سے ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں مرافعہ کرنا چاہیں لازم ہے کہ تاریخ فیصلۂ مرافعہ عنہا سے چھ ماہ کے اندر درخواست مرافعہ صدر عدالت دیوانی میں بذاتِ خود یا اس عدالت کے کسی ایسے وکیل کے ذریعے پیش کریں جو ان کی جانب سے اسے پیش کرنے کا مجاز ہو۔ ملک معظم بہ اجلاس کونسل کی خدمت میں مرافعہ دائر ہونے کی صورت میں صدر عدالت دیوانی کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مصدرہ فیصلے کی تعمیل کے احکام اس طرح جاری کرے کہ جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ ہو اُس سے اس امر کی ضمانت لے لے کہ وہ ایسے حکم یا ڈگری کی تعمیل کرے گا جو ملک معظم، ان کے وارث یا قایم مقام صادر فرمائیں یا دوران مرافعہ میں عدالت مذکور اپنے فیصلے کی تعمیل کو ملتوی کردے اور موخر الذکر حالت میں بھی اسی طرح اس فریق سے ضمانت داخل کرائے جو جائداد پر قابض ہو لیکن ہر صورت میں مرافعہ کرنے والے کو صدر عدالت دیوانی کے اطمینان کے قابل ایسے خرچے کے متعلق ضمانت داخل کرنی ہوگی جو اس عدالت کی رائے میں مرافعے کے متعلق یا ایسے فیصلے یا ڈگری کی تعمیل میں لاحق ہوگا جو ملک معظم، ان کے وارث یا قایم مقام صادر فرمائیں۔"

تمام عدالتہائے دیوانی سے متعلق اب ایسے عام قواعد کی طرف توجہ کرنا باقی ہے جو ان کے علیحدہ علیحدہ بیان میں مذکور نہ ہو سکے۔

عدالتہائے دیوانی کے اہلِ مقدمہ[عہ] کی سہولت کی خاطر اور ان کے لیے ایسے تعلیم یافتہ اور خوش خلق دیسیوں کی امداد مہیا کرنے کی غرض سے جو ان کے خانگی کارکنوں سے زیادہ لائق ہوں دیسی وکلا کے انتخاب اور تقرر کے متعلق ایک قانون بنایا گیا تاکہ وہ شہر عدالتہائے ضلع عدالتہائے دیوانی اپیل اور صدر عدالت دیوانی میں ایسی قیود اور قواعد کے تحت وکالت کرسکیں جن سے ان کے موکلین کو ان کی دیانت دارانہ انجام دہی فرائض کا اطمینان ہو سکے۔ اس زمانے کے متعدد قوانین اور وہ جو بعد کو نافذ ہوئے اور وہ تمام باقاعدگی اور احتیاط جو عدالتی کارروائیوں میں ضروری ہوتی ہے اس امر کی مقتضی تھی کہ دیسیوں کو جنہیں بالعموم ناخواندہ کہا جاتا تھا ایسے رہنما

عـــہ ضابطۂ ہفتم بابت سنہ ۱۷۹۳ء۔

دستیاب ہوں جوان نئے معاملات کی پیچیدگیوں میں ان کی رہبری کر سکیں۔ وکالت شروع کرنے سے قبل وکلا پر لازم ہے کہ اپنے فرائض کو ایمانداری سے ادا کرنے کا حلفی اقرار زبانی اور تحریری طور پر کریں۔ اور (چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ سابق اعمال کے متعلق حلف لینے سے مسلمانوں کے ضمیر پر زیادہ اثر پڑتا ہے) مسلمان وکلا کو ہر ششماہی پر ان کے ان فرائض کے متعلق سچائی اور ایمانداری کا حلف دیا جاتا تھا جنہیں فی الواقع انھوں نے انجام دیا ہے۔ وکلا اور دیگر تمام اشخاص کو برطانوی حکومت کے مصدرہ قوانین کا علم حاصل کرنے کے ذرائع بہم پہنچانے کے لیے ہر عدالت کے کمرے کی ایک میز پر جو اس غرض کے لیے مخصوص ہوتی ہے مطبوعہ نقول اور تراجم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ لوگ ان کا عام طور پر مطالعہ کر سکیں اور ان کی نقول لے سکیں۔ مزید برآں ہر عدالت میں متعدد نسخے قوانین وضوابط کے مہیا رہتے تھے تاکہ وہ وکلا میں اور دیگر اشخاص میں جہاں تک ان کی ترسیل ممکن تھی تقسیم کیے جائیں۔ وکیل ایک مختصر سی ابتدائی فیس پر مقرر کیا جاتا ہے اور اس کو آخر میں رقم متدعویۂ مقدمہ پر کچھ فیصد محنتانہ دیا جاتا ہے جس کو وہ خود اپنے موکل سے یا فریق مخالف سے جیسا بھی فیصلے میں طے پائے وصول کر سکتا ہے۔ بہت سے قواعد وضوابط وکلا کی رہبری اور موکلین کے ساتھ ان کی راست بازی کی نگرانی کے لیے نافذ کیے گئے ہیں جن کا تذکرہ یہاں غیر ضروری ہوگا لیکن وہ حکومت کے مطبوعہ مجموعۂ ضوابط میں درج کیے جاتے ہیں۔

چوتھائی یا جائداد کی مالیت کا چوتھا حصہ جو بذریعۂ عدالت حاصل ہوا ہو ہندوستان کے مختلف حصص میں عدل گستری کے معاوضے کے طور پر حکومت کا حق سمجھا جاتا ہے اس حصۂ حکومت کی موقوفی کا جو برطانوی حکومت کے قبضۂ بنگال کے وقت عمل میں آئی اور اس کی بجائے ایک مختصر سی فیصد فیس کا جو نالش دایر ہونے پر مقرر کی گئی پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ رسوم عدالت متعدد ترمیمات کے بعد اس وقت تک لیجاتی رہی جب تک کہ سنہ ۱۷۹۳ء میں عدالتہائے دیوانی و عدالتہائے مرافعۂ جدید انتظام کے تحت قایم نہ ہوئیں۔ اس اثناء میں ان اشخاص

کو سہل ترین ذرائع دادرسی بہم پہنچانے کے لیے جو بذریعۂ عدالت چارہ جوئی پر مجبور ہوئے ہوں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ سوائے ان وکلا کی فیس کے جن کو وہ منتخب کریں یا خود ان کے گواہوں کی واقعی فیس طلبانہ کے کوئی مزید خرچہ کسی دیوانی مقدمے یا مرافعے میں عاید کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ رعایت جو انسانی ہمدردی کے خیال پر مبنی تھی چونکہ ایک ایسی قوم کے ساتھ غلطی سے کی گئی جو خاص طور پر مقدمہ بازی کی طرف مائل تھی اس لیے فوراً یہ دیکھا گیا کہ اس کی وجہ سے مقدمات کا ایک ایسا طومار بندھ گیا اور عدالتوں میں کام کی اس قدر کثرت ہوئی کہ اس سے خود عدالتی کام کے بالکل رک جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔ لہذا حکومت کو سنہ ۱۷۹۵ء[1] میں مجبوراً رسوم عدالت اور دستاویزات پر فیس اس شرح کے ساتھ عاید کرنی پڑی جو قانونی چارہ جوئی کو گراں تر کر دے لیکن ساتھ ہی ساتھ جہاں مقدمے کی معقول بنیاد ہو اس کے پیش کرنے میں دشواری بھی نہ ہو۔ مقدمہ بازی کی مزید روک تھام عمل میں لانے اور اسٹامپ کے ذریعے جو رقم وصول ہو اس میں اضافہ کرانے کی غرض سے تمام دیوانی مقدمات کے عرضی دعووں کے لیے جو عدالتہائے شہر و ضلع اور عدالتہائے مرافعہ کے ججوں اور دیگر عہدہ داران عدالت کے سامنے داخل ہوں نیز متفرق درخواستوں کے لیے جو ان عدالتوں میں پیش ہوں ایک خاص قسم کے کاغذ مختوم پر پیش ہونا لازم کر دیا گیا ہے جسکی نوعیت و مقدار مالیت مقدمے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ لیکن لگان یا قبضۂ اراضی سے متعلق نالشوں کے ابتدائی فیصلوں میں اس سے زیادہ عجلت پیدا کرنے کی خاطر جو عدالتوں کی باضابطہ کارروائیوں میں معمولاً ہو سکتی ہے اور جو اب اس لیے اور بھی زیادہ لازم ہو گئی تھی کہ کلکٹر کے دفتر سے تمام مقدمات کا اختیار عدالتوں میں منتقل ہو گیا تھا، سرسری طریقِ کارروائی کے لیے ایک قانون بنایا گیا جو ان مصارف سے مستثنیٰ تھا جو دیگر مقدمات پر عاید ہوتے ہیں۔ خرچے سے اسی قسم کا استثناء مفلسی کی حالت میں بھی جائز رکھا گیا۔ لیکن مدعی یا مرافعہ پیش کرنے والے کو جو بصیغۂ مفلسی

---

[1] ضابطہ نشان ۳۸ بابت سنہ ۱۷۹۵ء۔

۱۲ سنہ ۱۸ء

رجوع ہو پہلے شہادت کے ذریعے اپنی حالت ثابت کرنی ہوتی ہے اور ایسی ضمانت داخل کرنی پڑتی ہے کہ جب عدالت طلب کرے وہ حاضر ہو جائیگا اور اس پر ایسی قیود عاید کی جاتی ہیں جن سے غیر ضروری یا محض پریشان کن مقدمہ بازی کی روک تھام ہو جائے۔ رشوت ستانی یا استحصال بالجبر کے مقدمات کے لیے خواہ وہ کسی عدالت دیوانی یا فوجداری کے ہندوستانی یا یوروپین عہدہ داروں سے متعلق ہوں طریق کارروائی کے قواعد مقرر کر دیے گئے ہیں اور اسی طرح حکام عدالتہا ئے ضلع یا شہر یا کسی عدالت مرافعہ کے حاکم کے خلاف بھی اس قسم کے الزامات کی تحقیقات کے قواعد مرتب کر لیے گئے ہیں کہ ایسے مقدمات کی تحقیقات خاص کمیشن کے ذریعے ہو یا صدر عدالت دیوانی کرے یا اُن قواعد کے تحت جو پارلیمنٹ نے وضع کیے ہیں ان کی سماعت صدر محکمۂ عدالت میں کیجائے۔

اس طریقِ عمل اور ضابطۂ کارروائی کے علاوہ جو عدالتوں میں مقدمات کے دایر ہونے، سماعت ہونے یا فیصل پانے کے متعلق مقرر کر دیا گیا ہے مختلف قسم کے ضمنی قواعد بھی مرتب ہوئے ہیں جن سے دیسیوں کی حفاظت اور فائدہ متصور ہے اور ان میں شاید سب سے اہم قاعدہ یہ ہے کہ ان کے لیے بعض مقدمات کے بارے میں انھیں کے قوانین و معمولات محفوظ کر دیے جائیں۔ یہ عمل ابتداءً سنہ ۱۷۷۲ء کے انتظام عدالت میں کیا گیا تھا اور اسی کو موجودہ قانون میں بہ الفاظ ذیل جاری رکھا گیا ہے: "تمام مقدمات میں جو قائم مقامی، وراثت، نکاح، ذات پات، مذہبی رسم و رواج یا ادارات سے متعلق ہوں مسلمانوں کے لیے شرع اسلام اور ہندوؤں کے لیے دھرم شاستر کے قوانین کو ایسے عام قواعد سمجھنا چاہیے جن کے مطابق حکام عدالت کو اپنے فیصلے کرنے ہوں گے"۔ یوروپین حکام عدالت کی مدد کے لیے مسلمان مفتی یا ہندو پنڈت جو ہر عدالت میں مقرر رہتے ہیں اپنے مذہب کے معاملات کے متعلق قانون کی تشریح کرتے ہیں جو تحریری طور پر ان سوالات کے جوابات کی صورت میں ہوتی ہے جو ان سے کیے جاتے ہیں اور جس کی تائید

ہیں وہ اپنی متعلقہ مستند کتابوں کے نام بھی پیش کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ ضروری نہیں سمجھا گیا ہے کہ ہر وہ کارروائی عہدہ داران قانونی سے مشورہ طلب کرنے کی خاطر طوالت میں ڈالی جائے جو افراد کے مابین معاہدے یا اور معاملات سے پیدا ہوئی ہو۔ لیکن تمام پیچیدہ یا خاص مقدمات میں جن کے متعلق قوانین میں صریح احکام نہ ہوں یا خود فریقین خواہش کریں تو یہ عملدرآمد ہے جو عام قاعدے کے مطابق بھی ہے کہ امر متنازع فیہ فریقین کے قانون کے لحاظ سے تصفیہ پائے۔ جب سے کمپنی نے زمینداروں کے مالکانہ حقوق تسلیم کیے ہیں[س] اُس وقت سے صرف ایک مقدمے میں جہاں زمینداری کی وراثت کا رواج، جائیداد غیر منقولہ کی وراثت کے قانون سے مختلف تھا حکومت نے موخر الذکر کی موافقت میں مداخلت کی تھی۔ یہ رواج جو انگلستان کے قانون عام کے مطابق تھا زمانۂ قدیم سے بنگال، بہار اور اوڑیسہ میں جاری تھا جس کی رُو سے وسیع زمینداریاں قابض کی وفات کے بعد اس کے وارث پر دیگر رشتہ داروں کا لحاظ کیے بغیر منتقل ہوتی تھیں اور[ط] یہ رشتہ دار اس جائداد کی آمدنی سے صرف مناسب نفقے کے مستحق ہوتے تھے! اس رواج کو ملک کی عام ترقی میں حائل سمجھ کر ضابطۂ یازدہم سنہ ۱۷۹۳ء کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔

مذکورِ بالا قانون اور اس کے علاوہ ایک اور قانون جو مسلمانوں کے قانون کے معلوم کردہ نقایص متعلقہ سود و قرض کی بابت نافذ کیا گیا مع ان احکام کے جو زمینداروں اور کاشتکاروں کے حقوق معین اور محفوظ کرتے ہیں مجموعہ ہیں ان تمام قوانین کا جو برطانوی حکومت نے اب تک ملک کے رسم و رواج اور قوانین میں ترمیم کرنے کی ضرورت محسوس کر کے خانگی معاہدات و وراثت کے متعلق جاری کیے ہیں۔ لیکن یہ حق محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور اس کا

؎ر۔ ضابطۂ سوم بابتہ سنہ ۱۷۹۳ء۔

؎س۔ ہیرنگٹن کی شرح قوانین وضوابط بنگال۔

؎ط۔ ملاحظہ ہو ضابطۂ دہم بابت سنہ ۱۸۱۰ء۔

اعلان کر دیا گیا ہے کہ حکومت جس وقت مناسب سمجھے آیندہ تجربے کے لحاظ سے ضمنی قوانین یا چارہ جوئی کے قوانین نافذ کر سکے گی جو رعایا کی عام بہبودی کے لیے معقول اور ضروری معلوم ہوں۔ اور ان قوانین کے متعلق یہ لازم گردانا گیا ہے کہ جب ان کی ضرورت داعی ہو تو ان کو طبع کر کے پہلے شہنشاہی حکومت کی منظوری کے لیے اس طریقے سے پیش کیے جائیں جو قانون پارلیمنٹ میں مقرر ہے۔

عدالتی محکموں کی امثلہ کی حفاظت اور ان کو دیکھنے میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے فوجداری و دیوانی عدالتہائے ضلع و شہر، صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ اور صدر عدالت دیوانی و نظامت فوجداری، ہر عدالت میں دو دیسی محافظ دفتر مقرر کیے گئے ہیں۔ اور دیوانی کی مختلف عدالتوں میں بھی اسی طرح کارروائیوں کا ایک روزنامچہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے جس میں بیانات فریقین، مدخلہ اشیاء، دستاویزات اور دیگر کاغذات کے متعلق جو کسی مقدمے میں پڑھے یا پیش کیے گئے ہوں، عدالت کا ہر حکم یا عمل اسی زبان میں درج کیا جائے جس میں وہ صادر ہو اور صدر عدالت دیوانی کی اطلاع کے لیے ضلع و شہر کے ججوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن مقدمات کی ماہواری رُوداد روانہ کریں جو وہ خود یا ان کے ذیلی عہدہ دار یا دیسی کمشنر اپنی حدودِ اختیار میں فیصل کریں۔

صوبجاتی عدالتہائے ضلع و شہر کو اجازت ہے کہ وہ ہندوؤں کے تہوار موسوم بہ دسہرہ[1] میں جو معینہ تاریخ پر انگریزی ماہ ستمبر و اکتوبر کے درمیان واقع ہوتا ہے کام بند رکھیں اور مسلمانوں کے ماہ رمضان[2] میں جس کی تاریخ میں تغیر ہو سکتا ہے کام بند رکھنے کا اختیار صدر عدالت دیوانی کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے[3]۔

ف۱۔ ایک تہوار جس کو عدالتیں اب تک تسلیم کرتی ہیں اور جو عام طور پر دُرگا پوجا سے موسوم ہے۔

ف۲۔ روزوں کا زمانہ جو ایک ماہ ہلالی تک جاری رہتا ہے اور عید پر ختم ہوتا ہے۔ اب عدالتیں روزوں کے دنوں میں بند نہیں ہوتیں۔

ف۳۔ عدل گستری بصیغۂ دیوانی کے طریقوں میں جیسا کہ رُوداد میں بیان کیا گیا ہے بہت تبدیلی ہو گئی ہے۔

عدالتہائے فوجداری

اس سے قبل بیان ہو چکا ہے کہ داخلی حکومت کے جدید انتظام بابت سنہ ۱۷۹۳ء کے نفاذ کے بعد کلکٹروں سے جج اور مجسٹریٹ کے فرائض علیحدہ کر لیے گئے اور انہیں ضلع و شہر کی عدالتوں میں منتقل کر دیا گیا۔ مجسٹریٹ اپنی خدمت کا جائزہ لینے سے پیشتر بذریعۂ حلف اپنے کو پابند کرتا ہے کہ احکام سرکاری کے لحاظ سے جو فرائض اُس پر عاید ہوتے ہیں ان کی بجاآوری حتی الامکان بخوبی کرے گا، غیر جانبداری اور دیانت سے کام کرے گا اور خود کو یا جان بوجھ کر اپنے کسی ماتحت کو کوئی فیس یا انعام یا نذرانہ قبول کرنے سے باز رکھیگا۔ بجز اس کے جس کی منظوری حکومت نے دی ہو۔ بحیثیت مجسٹریٹ اس کا علاقہ اسی قدر وسیع ہوتا ہے جسقدر جج کی حیثیت میں۔ اور تمام اشخاص خواہ دیسی ہوں یا یورپین بجز برطانوی رعایا کے اس کے زیر اقتدار ہوتے ہیں۔ البتہ اس قاعدے میں ایسے باشندے جو شہر کلکتہ میں یا صدر محکمۂ عدالت کے علاقے میں مقیم ہوں شامل نہیں ہیں۔ اُن بُرے نتائج کو روکنے کے لیے جو دور دراز مقام کی برطانوی رعایائے یورپ کے حق میں استثنا کے عمل سے برآمد ہو سکتے ہیں مجسٹریٹوں (نظمائے فوجداری) پر لازم ہے کہ وہ صدر عدالت کے کسی حاکم کے روبرو حلف اٹھائیں کہ وہ ناظم امن کی حیثیت سے کام کریں گے اور مذکور بالا طبقے کے ایسے اشخاص کی گرفتاری اور کلکتہ تک ان کی روانگی کے متعلق خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں جو صدر عدالت میں کسی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ابتدائی عدالتیں وہ ہیں جو منصفوں اور سب ججوں کی ہیں۔ ہر ضلع میں عدالت ضلع اعلیٰ عدالت مرافعہ ہے اور عدالت عالیہ آخری عدالت مرافعہ ہے۔ کلکتہ خاص علاقوں اور خاص حدود و اختیار کے تحت رکھا گیا ہے۔ عدل گستری اب بجز مقدمات وراثت و شادی وغیرہ کے شرع اسلام اور دھرم شاستر کے مبہم احکام اور رسم و رواج پر مبنی نہیں ہے۔ اکثر مسائل پر مخصوص قوانین مرتب ہو گئے ہیں اور ضابطہ بھی مدون ہو گیا ہے۔

ع۔ مطبوعۂ قوانین بنگال۔

فوجداری کارروائی کے متعلق مستوجب چالان ہوں۔
مجسٹریٹ کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ قاتلوں، رہزنوں، سارقوں، نقب زنوں اور ایسے اشخاص کو گرفتار کرے جن پر جرایم اور بدمعاشی کا الزام عاید کیا گیا ہو[1] اور بعض مقدمات جیسے دشنام دہی، اتہام بیجا، حملہ یا بلوہ میں اس کو خود سزا صادر کرنے کا اختیار ہے گو ایسا حکم سزا عدالت دورہ و نظامت عدالت کے اختیارات کے تحت ہوتا ہے نیز وہ جسمانی سزا یا قید یا جرمانے کی سزا معینہ حدود تک دے سکتا ہے۔ اس کے بعد ان اختیارات میں بذریعۂ ضابطۂ نہم (سنہ ۱۸۰۰ء) توسیع ہوئی جس کے لحاظ سے مجسٹریٹوں کو معمولی سرقوں یا دیگر جرایم کے متعلق ایک سال کی سزائے قید اور دو سو روپیے تک جرمانہ صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس ضابطے میں مجسٹریٹ کو یہ اختیار تمیزی بھی دیا گیا ہے کہ جن اشخاص کو بذریعۂ سمن طلب کرنے یا گرفتار کرنے کی ضرورت ہو سوسائٹی میں ان کے درجے اور حیثیت کو پیش نظر رکھے تا کہ محض ضابطے کی تکمیل کی پابندی کرنے سے کہیں وہ تہذیب و شایستگی کے اصول کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھے جن کا دیسی باشندے خصوصیت کے ساتھ بہت خیال رکھتے ہیں۔ اور اس طرح کہیں ان کی نارو اتوہین یا ان کے نئے جرایم کے مرتکب ہونے کا باعث نہ بن جائے۔ دیسی باشندوں کے رسم و رواج اور گہرے تعصبات کے بارے میں اسی لحاظ سے ان قواعد میں بہت سی ترمیمیں ہوئیں جو ابتداءً مجسٹریٹ کے سامنے اہم مقدمات میں ملزمین کو حاضر کرانے یا ان کی جائیداد کے ضبط کرنے یا کسی کو ناقابل اصلاح حالت میں ہونے یا طلب نامے وغیرہ کی عدول حکمی کی صورت میں مجرم اشتہاری قرار دینے کے متعلق مرتب ہوئے تھے۔ اور یہ بہت ممکن ہے کہ ایسے صوبجاتی باشندوں کے لیے جو حال میں برطانوی حکومت کے زیر اقتدار آئے ہیں ان ابتدائی قواعد کی سختی میں جو یورپ کی عدالتوں کے اصول پر مبنی ہیں اس سے زیادہ رعایت ملحوظ رکھی جائے جو بنگال یا دیگر ایسے

---

[1] ضابطہ نہم بابت سنہ ۱۷۹۳ء۔

حصص ملک کے باشندوں کے ساتھ کی جاتی ہے جو برطانوی حکومت کے زیر اثر زیادہ مدت سے ہیں اور جہاں کے باشندے نتیجۃً اس نظام کی معقولیت کو سمجھنے کے زیادہ قابل ہوگئے ہیں جو مدارج کا لحاظ نہیں کرتا اور عدل گستری میں تقریباً تمام مجلسی امتیازات کو معطل کر دیتا ہے۔

عدالت شہر یا ضلع کا رجسٹرار اور اُس کے مددگار مجسٹریٹ کے مددگار ہوتے ہیں اس لیے دیسی قانون داں عہدہ دار اور عملے کی ضرورت دونوں عدالتوں میں یکساں ہے جن کے ساتھ بعض صورتوں میں سہ بندی یا صوبے کی دیسی فوج بھی متعین کر دی گئی ہے جس کا اصل کام قید خانے کی حفاظت کرنا ہوتا ہے اور دیگر خدمات بھی جو مجسٹریٹ چاہے اُسے انجام دینی پڑتی ہیں۔

سابق میں قید خانے سے مراد ایسا مکان ہوتا تھا جو عدالت کے قرب وجوار میں حاصل کیا جاسکتا یا کرایہ پر لیا جاسکتا تھا۔ جدید انتظام کے تحت گراں مصارف سے قید خانے تیار کرائے گئے ہیں جن کی تعمیر اس طور پر کی گئی ہے کہ مدیون کو مجرم سے اور سزا یافتہ قیدی کو زیر دریافت ملزم سے علٰحدہ رکھا جاتا ہے۔ ان قید خانوں میں عورتیں مردوں سے الگ رکھی جاتی ہیں اور قیدیوں کی صحت اور مناسب آسایش کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ مستقر کے یورپین سرجن پر لازم گردانا گیا ہے کہ وہ اپنے زیر دست دیسی مددگار کے ساتھ طبی امداد بہم پہنچائے اور ان مقاصد کے لیے جو قواعد بنائے گئے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرانے کی غرض سے نظامت عدالت ہر حلقے کے جج کو حکم دیتی ہے کہ وہ بذاتِ خود قید خانے کا معائنہ کرے اور اس کی موجودہ حالت کے متعلق کیفیت پیش کرے۔

مجسٹریٹ کے روبرو جو بیانات ہوتے ہیں وہ عموماً فارسی و بنگالی زبان و رسم الخط میں لکھے جاتے ہیں؛ انہیں علٰحدہ علٰحدہ کاغذ پر قلمبند کر کے ان پر دستخط لیے جاتے ہیں اور تاریخوار ان کی ترتیب عمل میں آتی ہے۔ لیکن قدیم قانون جو اب تک نافذ ہے کہ تمام استغاثے اور ان سے متعلق احکام انگریزی زبان میں محفوظ کیے جائیں اس قدر دشوار اور بیکار پایا گیا ہے کہ عملاً وہ مفقود ہوگیا ہے

اور یہ صورت بہت ہی قابل افسوس ہے۔ آپ کی مجلس یہ محسوس کرتی ہے کہ انگریزی اشلہ کا دفتر کچھ مدت کے بعد برطانوی ہند کے لیے نیز یورپ کے عالموں اور فلسفیوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا کیونکہ اس سے سوسائٹی کے طور و طریق اور جدید خیالات ظاہر ہوں گے۔

جب مجسٹریٹ مقدمہ پیش شدہ کے متعلق اپنا اطمینان کر لیتا ہے تو وہ ملزم کو رہا کر دیتا ہے یا اس کی ضمانت قبول کرتا ہے یا اپنے اختیارات مصلہ کے اندر اس کو سزا سناتا ہے یا تحقیقات کے لیے دورہ کنندہ ججوں کے سپرد کر دیتا ہے۔

مجسٹریٹ یہ اطلاع پانے کے بعد کہ فلاں وقت دورہ کنندہ جج آرہے ہیں اعلان عام کے ذریعے ان تمام اشخاص کو طلب کرتا ہے جو ضمانت پر چھوٹے گئے تھے اور اُن مستغیثوں اور گواہوں کو بھی جو دورہ کنندہ ججوں کے سامنے حاضر ہونے کے پابند کر لیے گئے تھے۔ دورہ کنندہ ججوں کی آمد کے بعد مجسٹریٹ ان کے سامنے ایسے ملزمین کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جو حوالات میں رکھے گئے ہوں یا ضمانت پر رہا ہوئے ہوں اور مستغیثوں اور حوالاتیوں کے نام کے ساتھ ہر مقدمے کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ فہرست مذکور ہر الزام کے متعلق تمام اہم دستاویزات متعلقہ کے ساتھ مجسٹریٹوں کی کارروائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک دوسری فہرست مع تفصیل و کارروائی مقدمات ایسے ملزمین گرفتار شدہ کی پیش کی جاتی ہے جن کے مقدمات کی سماعت دورہ کنندہ ججوں سے متعلق ہے لیکن جو نقص شہادت کی وجہ سے رہا کر دیے گئے۔ اور ایک تیسری فہرست مع صراحت الزام و سزا ایسے اشخاص کی پیش کی جاتی ہے جو جرائم اور اعمال بد کے مرتکب ہوئے تھے اور جن کے مقدمات کی سماعت خود مجسٹریٹ اور ان کے مددگار کر سکتے ہیں۔

مجسٹریٹوں کی جانب سے نظامت عدالت کو ہر ماہ جو رُودادیں روانہ ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ اولاً ان اشخاص کے متعلق بصراحت نام و الزام جو گرفتار ہوئے اور جن کو حکم سزا سنایا گیا یا تحقیقات کے لیے دورہ کنندہ ججوں کے

سپرد کر دیا گیا یا رہا کر دیا گیا۔ دوسری رُوداد اموات اتفاقی کی واردات، ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی یا فراری یا ملزمین کی رہائی کے متعلق تیسری رُوداد اُن ملزمین کی جو ہر ماہ دورہ کنندہ حاکم عدالت سے سزا پاتے ہیں۔ چوتھی اُن اشخاص کی جن کی تحقیقات کے متعلق نظامت عدالت سے استصواب کیا گیا ہو پانچویں اُن احکام سزا کے متعلق جو نظامت عدالت نے ماہ حال میں صادر کیے ہوں۔ چھٹی اُن ملزمین کی جو مجسٹریٹ کے زیر حراست ہوں اور جن کے مقدمات کی سماعت دورہ کنندہ جج کرنے والے ہوں۔ مجسٹریٹ، نظامت عدالت کو سزا یافتہ مجرموں کی شش ماہی رُودادیں بھی دورہ کنندہ ججوں کے اجلاس ختم ہونے کے بعد بیس روز کے اندر روانہ کرتے ہیں اور ماہ جنوری میں دو سالانہ رُودادیں بھی ایک حالیہ ضابطے کے لحاظ سے پیش کرنی ہوتی ہیں جن میں سے ایک اُن تمام فوجداری مقدمات کے متعلق مع صراحت نام ملزم وخصوصیات مقدمہ ہوتی ہے جو مجسٹریٹ کے یا اس کے مددگاروں کے اجلاس پر دایر ہوتے ہیں۔

دوسری رُوداد ایک خلاصہ ہوتی ہے اُن ڈکیتیوں اور سنگین جرموں کی تعداد کا جو گذشتہ سال عیسوی میں عہدہ داران کوتوالی کے متعلقہ علاقوں میں واقع ہوئے ہوں اور جن کی اطلاع ان کی جانب سے دی گئی ہو۔ اس رُوداد میں ان اشخاص کی تعداد بھی درج ہوتی ہے جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ جرایم کیے اور اُن کی تعداد بھی جو گرفتار ہوئے سزا پائے یا تحقیقات کے لیے دورہ کنندہ ججوں کے سپرد کیے گئے۔ آخری رُوداد کا مقصد حکومت کو باخبر رکھنا معلوم ہوتا ہے تاکہ اسے علم ہو جائے کہ کون سے جرایم کن اضلاع میں زیادہ پھیلے ہوئے ہیں اور اُن کے انسداد کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئی ہیں وہ کس حد تک کارگر ہوئی ہیں۔

جب مجسٹریٹ کے اُن متعدد فرایض کا خیال کیا جاتا ہے جو اسے بحیثیت مجسٹریٹ و جج انجام دینے پڑتے ہیں اور اُن قواعد کی سختی اور پابندی کا تصور کیا جاتا ہے جن کے تحت اسے عمل کرنا پڑتا ہے تو اسے اس امر کی اجازت

دینا غیر معقول نہ معلوم ہو گا کہ وہ اپنی مجسٹریٹی کے کچھ اختیارات اپنے مددگار کے تفویض کر دے۔ چنانچہ ۱۷۹۳ء کے ابتدائی قانون کے لحاظ سے مجسٹریٹ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مددگار کو حسب دستور حلف اٹھانے کے بعد الزامات خفیف و جرایم خفیف کے مقدمات کے فیصلے کرنے کا اسی حد تک مجاز کرے جس حد تک خود اسے اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن یہ اختیارات صرف عدیم الفرصتی کی صورت میں اور چند قیود کے تحت دیے جاتے ہیں اور اگر اس کا مددگار زیادہ غلطیاں کرے تو مجسٹریٹ قابل ملامت سمجھا جاتا ہے۔ دورہ کنندہ ججوں کے طریق کارروائی کی تفصیل بتانے سے پیشتر ان قوانین کی نوعیت کے متعلق کچھ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کے تحت وہ کام کرتے ہیں۔

عدالت فوجداری کے انتظام میں شرع اسلام کو قانون قرار دے کر برطانوی حکومت نے مغلیہ سلطنت کی تقلید کی ہے اور ایسی تبدیلیاں اور ترمیمیں صادر کرنے کا اختیار اپنے لیے محفوظ کر لیا ہے جو مقتضائے عقل و انسانیت ہوں۔ قرآن شریف عام طور پر شرع اسلام کا مستند معیار سمجھا جاتا ہے لیکن چونکہ اس میں روزمرہ زندگی کے واقعات کے متعلق زیادہ صریح احکام نہیں ہیں اس لیے اس کمی کو متعدد مفسرین نے نہ صرف متن کی تفسیر کر کے بلکہ پیغمبر اسلام کے احکام، افعال، فیصلہ جات اور روایات قدیم کی تشریح کر کے پورا کر دیا ہے۔ یہ تصنیفات ان دو مذہبی فرقوں کے جلیل القدر فقیہوں کی ہیں جن میں دنیائے اسلام منقسم ہے یعنی ایک اہل تشیع جو حضرت علیؓ کے پیرو ہیں اور دوسرے اہل سنت والجماعت جو عام روایات مذہب کے پابند ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کی مستند تصانیف جو موخر الذکر فرقے کے تھے ہندوستان کے عدالتی فیصلوں پر حاوی ہیں۔ جب ان مستند کتب میں کوئی نظیر نہیں ملتی ہے بلکہ بعد کے فقیہوں کے فیصلوں میں پائی جاتی ہے تو قاضی کو حسب قاعدۂ شرع اسلام حکم ہے کہ وہ موخر الذکر کی رائے کے مطابق فیصلہ کرے اور جب کوئی نظیر

دستیاب ہی نہ ہوتی ہو تو قاضی کو اپنی صوابدید استعمال کرنے کا اختیار ہے۔ اسلامی شرع تعزیری کی تفصیلات کو حسب ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے: اول، قصاص یا بدلہ جس میں دِیَت یا خونبہا بھی شامل ہے۔ دوم، حدود یا معینہ سزائیں۔ سوم، تعزیر و سیاست یعنی تادیب اور سزا جو اختیار تمیزی پر مبنی ہو۔ صرف پہلی قسم کی نوعیت ہی اُس ضرورت کو پیدا کرنے کے لیے کافی ہے جو برطانوی حکومت نے اپنے انتظام کے ابتدائی زمانے میں ہی محسوس کر لی تھی کہ ایسے فتاوی یا ناظم کے احکام سزا پر نگرانی کے لیے مداخلت کرنی چاہیے جو قصاص یا خونبہا کے اصول پر جاری کیے جائیں۔ سنہ ۱۷۷۲ء میں مزید قواعد ان عام رہزنوں کے گروہوں کی سزا کے متعلق نافذ کیے گئے جو ڈکیت کہلاتے ہیں اور جن کے متعلق پولیس کے باب میں مزید ذکر آئیگا۔ لیکن سنہ ۱۷۹۰ء میں نظامت یعنی عدالت فوجداری کے انتظام کے قیام، دورہ کنندہ ججوں کی عدالتوں کی اصلاح اور سنہ ۱۷۹۳ء کے جدید مجموعۂ ضوابط کی ترتیب کے وقت شرع اسلام کی کمیوں کو پورا کرنے اور ان میں ترمیمیں کرنے کے متعلق زیادہ وسعت سے کام لیا گیا تاکہ صوبجاتی عدالتہائے فوجداری کے فیصلے ان پر مبنی ہو سکیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضروری اور اہم وہ ترمیمات تھیں جن سے ان امتیازات کو مٹا دیا گیا جو امام ابو حنیفہ رح نے قائم کیے تھے اور یہ قرار دیا گیا کہ جرم قتل عمد کی سزا تجویز کرتے وقت انسان کی نیت کو بہ نسبت اُس طریقے یا آلے کے زیادہ ملحوظ رکھنا چاہیے جو استعمال کیا گیا ہو، اور جن کے ذریعے سیاست یا تادیب مبنی بر اختیار تمیزی پر بھی قیود عاید کی گئیں اور اُس خلل انصاف کو رفع کرنے کے لیے جو ورثائے مقتول کی مداخلت یا غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا یہ قرار دیا گیا کہ بجائے قطع اعضا وغیرہ کے قید اور مشقت سخت مقرر کی جائے۔ دروغ حلفی یا جعل سازی یا اسی قبیل کے اور جرایم کی جو ہندوستان کے باشندوں میں عجیب و غریب طریقے سے عام ہو گئے ہیں مناسب سزادہی کے بارے میں مسلمان فقیہوں کی جو فروگذاشتیں تھیں ان کی تکمیل کی گئی اور اس غرض کے لیے

علاوہ معمولی سزا کے سنگین جرم کی صورت میں مجرم کی پیشانی پر ناقابل حک نشانات لگائے جاتے ہیں۔

ڈکیتی کی سزا کے متعلق حکومت کو ۱۸۰۳ء میں خاص قواعد بنانے کی ضرورت لاحق ہوئی کیونکہ شرع اسلام میں اس مخصوص قسم کے قزاقوں کے بارے میں جو ڈکیت کہلاتے تھے کافی توضیح موجود نہ تھی۔ یہ ڈکیت بنگال کے صوبجات نشیبی میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت سابق کے اب اپنی کارستانیاں زیادہ وسیع پیمانے پر کر رہے ہیں۔ تازہ ترین تدابیر جو حکومت نے ڈکیتوں کی بیخ کنی کے لیے اختیار کی ہیں اس رُوداد کے تیسرے حصے میں بیان کی جائیں گی۔

حکومت کا یہ حق کہ شرع اسلام میں وہ تبدیلیاں کرنے کی مجاز ہے معلوم ہوتا ہے کہ عملاً قانون نشان ۱۳ اجارج سوم، باب ۶۳، دفعہ ۔ کے ذریعے تسلیم کیا گیا جس کی بنا پر اُس کو اسی طرح (جیسا کہ قانون مذکور میں درج ہے) احکام دینے، نگرانی رکھنے اور انتظام کرنے کے اختیارات حاصل تھے "جس طرح کہ اب یا اس سے قبل کسی وقت صدر اور مجلس اعلیٰ نے مجلس منتخبہ کے اجلاس میں استعمال کیے ہوں" کیونکہ اسی وقت صدر اور مجلس اعلیٰ نے قانون ساز جماعت سے اختلاف کرکے ۱۷۷۲ء میں صوبے کا فوجداری قانون بدل دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تغیرات نیز ترمیمات مابعد کے فقرۂ بالا کی رُو سے قانوناً منظوری دی گئی۔ اور یہ واضح رہے کہ مذکورہ تبدیلیاں معقولیت اور انسانیت کے اصول کے لحاظ سے بالکل حق بجانب ہیں۔

حکومت نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ بعض ہندوؤں کے وحشیانہ رسم و رواج کو جن کی سند اُن کے شاستروں سے نہیں ملتی موقوف کر دیا جائے جیسے تبرک دریاؤں پر کمسن بچوں کو بھینٹ چڑھانا یا بنارس کے بعض اعلیٰ طبقے کے برہمنوں کا یہ عمل کہ جب وہ خود کو اپنی لڑکیوں کی پرورش کے قابل نہ پاتے تو اکثر ان کو مار ڈالتے۔ یا ہندوؤں کے دیگر فرقوں کا یہ طریقہ کہ قانونی احکام کی تعمیل کو رد کرنے یا کسی فرضی نقصان کے انتقام کے لیے وہ

اپنی عورتوں یا بچوں کو اس خیال سے مار ڈالتے کہ اس طرح سے وہ روحانی انتقام کو اپنے مخالفین پر لازماً عاید کر سکتے ہیں۔ لیکن ان مختلف قسم کی قربانیوں کے بارے میں جو ہمیشہ ایثار کرنے والے مظلوم ہندوؤں کی جانب سے ہوا کرتی تھیں مجسٹریٹ اس سے زیادہ دخل نہیں دے سکتا تھا کہ اُسے فریق سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہو کہ اس نے قربانی کا جو ارادہ کیا وہ بخوشی و رضامندی تھا اور اس پر ناجائز اثر یا دباؤ نہیں ڈالا گیا[1]۔

عام قوانین بابت سنہ ۱۷۹۹ء و سنہ ۱۸۰۴ء میں ایسے اشخاص کے متعلق تحقیقات کے قواعد نافذ کیے گئے جن پر جرائم خلاف سلطنت کا الزام عاید ہو اور جنگ یا علانیہ بغاوت کے ظہور کی صورت میں جب وہ برطانوی صوبوں میں کسی مقام پر ہو تو ایک خاص قانون بابت سنہ ۱۸۰۴ء کی رو سے گورنر جنرل کو اختیار ہے کہ وہ فوجداری عدالتوں کی معمولی کارروائیوں کو عارضی طور پر ملتوی کر دے اور مارشل لا (فوجی قانون) نافذ کر دے۔ اور "مصالح سلطنت" کے لحاظ سے حکومت نے اپنے لیے یہ حق محفوظ کر رکھا ہے کہ جہاں کہیں صورت حال کے تقاضے سے ضرورت داعی ہو وہ بلا امتیاز کسی شخص کو بھی گرفتار کر کے محبوس رکھ سکتی ہے[2]۔

ابتداءً چار عدالت ہائے دورہ تھیں جن میں سے ہر ایک تین ججوں پر مشتمل تھی اور یہ عدالتیں دیسی قانونی عہدہ داران متعلقہ کے ساتھ مل کر صوبجاتی عدالت ہائے مرافعہ بن جاتی تھیں۔ وہی ذیلی عہدہ دار عدالت اور وہی دیسی عہدہ دار دونوں عدالتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ جج خاص طرح کے معین حلف کے پابند ہوتے ہیں اور عدالتہائے دورہ کے دیسی عہدہ دار ہر ششماہی

---

[1] یہ رواج جو ستی کہلاتا تھا قطعی طور پر سنہ ۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم بنٹنک کی گورنر جنرلی کے زمانے میں بذریعۂ قانون منسوخ کر دیا گیا۔

[2] تمام اصلی قانون فوجداری بعد کو مجموعۂ تعزیرات ہند (قانون نشان ۴۵ بابت سنہ ۱۸۶۰ء) میں مدوّن ہو گیا ہے۔

پر سابق زمانے کے کام کے متعلق حلف اٹھاتے ہیں۔ اس حلف کی وجہ دیسی وکلا کے باب میں پہلے ہی بتادی گئی ہے۔ سنہ ۱۷۹۵ء میں ایک پانچویں عدالت علاقۂ بنارس کے لیے قایم کی گئی اور سنہ ۱۸۰۳ء میں ایک اور عدالت دورہ اُن علاقوں کے لیے قائم ہوئی جو نواب اودھ سے بذریعۂ معاہدہ حاصل کیے گئے تھے۔ بعد کو (سنہ ۱۸۰۵ء) میں موخرالذکر عدالت کی حدود اختیار میں وہ حصۂ ملک بھی شامل کیا گیا جو دوآبے میں اور جمنا کے داھنے کنارے پر سندھیا سے جنگ میں لے لیا گیا تھا۔ اور چونکہ سنہ ۱۸۰۶ء میں عدالت ہائے ضلع و شہر کے متعلق ایک تنظیم (جو احاطۂ بنگال کے تمام صوبوں پر حاوی تھی) عمل میں آئی اس لیے عدالتہائے دورہ کی تقسیم میں وہ حسب ذیل ترتیب سے شامل ہوگئیں۔

قسمت کلکتہ

"۱۔ بردوان ۲۔ جنگل محال ۳۔ مدنا پور ۴۔ کٹک ۵۔ جیسور ۶۔ ندیا ۷۔ ہگلی ۸۔ اقوام غیر کی نوآبادیات چنسورہ، چندرنگر و سیرام پور ۹۔ چوبیس پرگنے"

صوبۂ ڈھاکہ

"۱۔ میمن سنگ ۲۔ سلہٹ ۳۔ ٹپرہ ۴۔ چٹگانگ ۵۔ باقرگنج ۶۔ ڈھاکہ جلال پور ۷۔ شہر ڈھاکہ"

قسمت مرشدآباد

"۱۔ بھاگلپور ۲۔ پورنیا ۳۔ دیناج پور ۴۔ رنگ پور ۵۔ راج شاہی ۶۔ بیربھوم ۷۔ شہر مرشدآباد"

قسمت پٹنہ

"۱۔ رام گڑھ ۲۔ بہار ۳۔ ترہُت : ۴۔ سارن ۵۔ شاہ آباد
۶۔ شہر پٹنہ "

قسمت بنارس

"۱۔ مرزا پور ۲۔ الٰہ آباد ۳۔ بندیل کھنڈ ۴۔ جون پور
۵۔ گورکھ پور ۶۔ شہر بنارس"

قسمت بریلی

"۱۔ کانپور ۲۔ فرخ آباد ۳۔ اٹاوہ ۴۔ آگرہ ۵۔ علی گڑھ
۶۔ جنوبی سہارنپور ۷۔ مراد آباد ۸۔ بریلی "

حوالاتیوں کی تحقیقات چار بڑے شہروں میں ماہواری ہوتی ہے۔ چوبیس پرگنے میں (جو کلکتے سے قریب ہے) سہ ماہی اور دیگر اضلاع میں ششماہی ہوتی ہے۔ سنہ ۱۷۹۳ء کے ابتدائی قانون کی رو سے ہر قسمت کے ججوں سے عدالتہائے دورہ تشکیل پاتی تھیں، ایک ناظم اول جس کی معیت میں ذیلی عہدہ دار عدالت اور مفتی ہوتے تھے دوسری ناظم دوم، ناظم سوم، مددگار دوم و قاضی سے ترکیب پاتی تھی اور چونکہ ججوں کی غیر موجودگی میں صوبجاتی عدالت کا بند رہنا لازمی ہو جاتا تھا اس لیے سنہ ۱۷۹۴ء میں حکم دیا گیا کہ دو جج دو عدالتہائے دورہ ترتیب دیں اور تیسرا باری باری سے مستقر پر رہے تاکہ عدالت دیوانی کا کام روز انہ انجام پاتا رہے۔ لیکن اس سے ان مرافعوں کے فیصلوں میں بہت کچھ رکاوٹ ہوتی رہی جن کے

لیے دو ججوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ۱۷۹۱ء میں حکم دیا گیا کہ حوالاتیوں کی تحقیقات دو ججوں کے ذریعے ہونے کی بجائے دو جدید الخدمت ججوں میں سے ہر ایک باری باری سے دورے پر جایا کرے اور قدیم الخدمت جج دوسرے جدید الخدمت جج کے ساتھ دیوانی مقدمات کے مرافعوں کا کام صدر مستقر پر انجام دے۔ یہ قاعدہ اب تک نافذ ہے بجز اس استثناد کے (جو ۱۸۰۶ء کے ایک قانون سے کیا گیا) کہ قدیم الخدمت جج بھی دوسرے دو ججوں کی طرح دورے پر جایا کرے۔

دورہ کرنے والا جج جو حوالاتیوں کی شش ماہی تحقیقات کرتا ہے اپنے علاقے میں ہر ضلع کے مجسٹریٹ کے مستقر پر جاکر اس وقت تک قیام کرتا ہے جب تک کہ وہ فہرست مقدمات ختم نہ ہو جائے جو مجسٹریٹ نے اس کے پہنچتے ہی پیش کی ہو۔ عدالت دورہ کی کارروائی حسب ذیل طریقے پر انجام پانے کا حکم دیا گیا ہے:۔ "ملزم کے خلاف عاید کردہ الزام، اس کا اقبال اگر وہ کرے جو بہت احتیاط اور نرمی سے سنا جائیگا، مستغیث کی شہادت، ملزم کی صفائی اور وہ تمام شہادت جو وہ پیش کرنا چاہیے اس کی حاضری میں سماعت کرنے کے بعد مفتی یا قاضی (جو ساری تحقیقات کے دوران میں موجود رہیگا) کارروائی ختم کے اختتام پر شرع اسلام کے لحاظ سے فتویٰ تحریر کرے گا جو حالات مقدمۂ پیش شدہ پر منطبق ہو اور اُس پر اپنے دستخط اور مُہر سے تصدیق کرے گا۔ اگر قانونی عہدہ داروں کا فتویٰ ملزم کو بری کر دے اور جج مقدمے کی شہادت اور حالات پر خوب غور کرنے کے بعد اس بریت سے اتفاق کرے یا اگر فتوے میں ملزم کو کسی جرم کا یا اس کے کسی جزو کا مرتکب قرار دیا گیا ہو اور جج کو اس استقرار جرم سے اتفاق ہو اور اسے اس مقدمے میں نظامت عدالت کی منظوری کے بغیر قانوناً حکم سزا صادر کرنے کا اختیار ہو تو وہ حسبہٖ حکم سزا صادر کرے گا اور مجسٹریٹ کے نام حکمنامہ جاری کرے گا کہ وہ اس کی تعمیل کرائے۔ اگر دورہ کرنے والا جج فتوے سے متفق نہ ہو اور کسی قانون کے تحت اسے حکم سزا صادر کرنے کا اختیار نہ ہو تو ایسی صورت میں باوجود اس کے کہ فتویٰ،

ملزم کی سزا یا اس کی بریت اور رہائی کے متعلق ہو اگر ملزم صحیح طور پر مجرم قرار دیا گیا ہو اور وہ مستوجب سزائے موت یا حبس دوام ہو تو کارروائی مقدمہ بغرض تجویز مناسب نظامت عدالت روانہ کردی جائیگی۔ اگر دورہ کرنے والے جج کو عہدہ داران قانونی کی آراسے ملزم یا ملزمین کو مرتکب جرم قرار دینے میں اتفاق ہو اور ان میں سے کوئی مستوجب سزائے موت نہ ہو تو جج کو حکم سزا صادر کرنے کا اختیار حاصل ہوگا لیکن ان تمام مقدمات میں جو قابل استصواب بہ صدر نظامت عدالت ہوں یہ حکم قطعی نہ ہوگا جب تک کہ نظامت عدالت سے اس کی توثیق نہ ہو۔ ان تمام مقدمات میں جو بغرض تجویز سپرد کیے جائیں ججوں کو مثل کے ساتھ ایک مراسلے میں ان تمام مخصوص حالات کا حوالہ دینا چاہیے جو احکام قانون کے لحاظ سے سزائے موت یا حبس دوام یا ازدیاد یا کمی یا معافی سزا کے متقاضی ہوتے ہیں اور انہیں تفصیل کے ساتھ اپنی رائے کی وجوہ ظاہر کرنی چاہئیں خواہ وہ ملزم کے موافق ہوں یا مخالف۔"

اگر کسی امر قانونی کے متعلق دورہ کرنے والا جج عہدہ داران قانونی کی رائے طلب کرے یا ایسے سوال کے بارے میں ان کی رائے لی جائے جو دوران تحقیقاتِ مقدمہ میں پیدا ہوا ہو اور جس کے حل کے لیے قوانین سرکاری میں کوئی توضیح نہ ہو اور اس رائے سے جج کو اتفاق نہ ہو تو بھی اسے اس رائے کے مطابق عمل کرنا ہوگا لیکن وہ اس وقت تک فیصلہ صادر کرنے سے احتراز کرسکتا ہے جب تک کہ مثل مقدمہ اس کے اعتراضات کے ساتھ نظامت عدالت کے ملاحظے سے نہ گزر جائے۔

ان طریقوں میں جو گواہوں کو طلب کرنے اور ان کے اظہارات قلمبند کرنے کے متعلق مقرر کیئے گئے ہیں ذکور واناث کی حرمت اور حالت کا حسب رواجِ ملک لحاظ رکھا گیا ہے۔

ہر مقدمے کے اختتام کے ساتھ ہی بعجلت ممکنہ مثل کی ایک نقل نظامت عدالت کو ایک انگریزی مراسلے کے ساتھ روانہ کردیجاتی ہے جس میں جج شہادت پیش شدہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ مثل میں تمام کارروائیاں مع تمام

اظہارات قلمبند شدہ و دستاویزات پیش شدہ و حاصل شدہ ہوتی ہیں اور اس میں ایسے اظہارات کے فارسی تراجم بھی شامل کیے جاتے ہیں جو کسی اور زبان میں لیے گئے ہوں۔ اور وہ تمام کارروائیاں اور کاغذات بھی جو مقدمۂ محولہ کے متعلق مجسٹریٹ کو وصول ہوتے ہیں روانہ کر دیے جاتے ہیں۔

ججوں کے اپنے دورے سے واپس آنے کے بعد انہیں ایک رُوداد نظامت عدالت کو ارسال کرنی ہوتی ہے جو ان کے دورے کے مشاہدات پر مشتمل ہوتی ہے اور جس میں جرایم کی سزا اور انسداد کے متعلق موجودہ نظام کے کیا اثرات ہیں، قید خانوں کی کیا حالت ہے قیدیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوتا ہے اور ان سے کیا کام لیا جاتا ہے اور دیگر امور کے متعلق جو قابل توجہ عدالت نظر آئے ہوں اظہار رائے کرنا ہوتا ہے۔

یہ رُودادیں نظامت عدالت، حکومت کی خدمت میں اپنی رائے کے ساتھ روانہ کر دیتی ہے جس میں توقع کی جاتی ہے کہ ملک کی حالت کا صحیح ترین نقشہ اور داخلی نظام حکومت کے اثر و عمل کا اصلی خاکہ بھی پیش ہوگا۔ یہ دستاویزات بہت اہم ہیں اور اس ملک کے اعلیٰ عہدہ داروں کی خاص توجہ کے مستحق ہیں۔

نظامت عدالت یا اعلیٰ فوجداری عدالت جیسی کہ وہ ۱۷۹۳ء میں قانون کے ذریعے قایم کی گئی تھی گورنر جنرل اور مجلس اعلیٰ کے ارکان پر مشتمل تھی لیکن ان وجوہ کی بنا پر جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۸۰۱ء میں یہ قانون بنایا گیا کہ نظامت عدالت تین ارکان پر مشتمل ہوا کرے گی جو علی الترتیب صدر ناظم، ناظم دوم و ناظم سوم کہلائیں گے اور ان کی امداد بنگال، بہار، اوڑیسہ و بنارس کا صدر قاضی اور دو مفتی کریں گے صدر ناظم مجلس اعلیٰ کے دو جدید الخدمت ارکان میں سے ایک ہوگا اور اس کا تقرر گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کرے گا اور باقی دو کا تقرر بھی وہی کرے گا لیکن ان کا انتخاب کمپنی کے ایسے ملازمان متعہدین میں سے ہوگا جو مجلس مذکور کے رکن نہ ہوں۔ یہ قاعدہ کہ صدر ناظم مجلس اعلیٰ کے ارکان میں سے ایک ہو ۱۸۰۵ء میں ضابطہ ۹ کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا جس میں یہ حکم دیا گیا کہ صدر ناظم کا انتخاب بھی دوسرے ناظموں کی طرح ایسے ملازمان متعہدین میں سے ہوا کرے جو مجلس اعلیٰ کے رکن نہ ہوں لیکن یہ قاعدہ بھی ضابطہ بابت ۱۸۰۷ء کے

ذریعے جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے تبدیل کر دیا گیا۔ اس میں یہ حکم دیا گیا کہ صدر عدالت دیوانی اور نظامت عدالت بالکل اسی حالت میں کر دیے جائیں جس میں وہ ۱۸۱۰ء میں تھے اور ہر عدالت میں ایک ناظم چہارم کا اضافہ کیا جائے جس کا انتخاب بھی دوسرے دو ناظموں کی طرح کمپنی کے دیوانی ملازمان متعہدین میں سے ہو اور ۱۸۱۱ء میں ایک قاعدہ اور نافذ کیا گیا جس میں حکومت کو اختیار دیا گیا کہ وہ حسب ضرورت ناظموں کی تعداد میں اضافہ کرے۔

نظامت عدالت یا اعلیٰ عدالت فوجداری کے حکام بھی دورہ کرنے والے ججوں کی طرح حلف اٹھاتے ہیں ذیلی اور دیگر قانونی عہدہ داروں کو بھی اسی طرح حلف دیا جاتا ہے جس طرح عدالتہائے دورہ کے اس قسم کے عہدہ داروں کو کارروائی کا طریقہ اس کی ترتیب اور ضابطے کی تکمیل تمام فوجداری عدالتوں میں یکساں ہے بجز اس کے کہ حال کی کثرت کار کے باعث نظامت عدالت کے حکام علیحدہ علیحدہ اجلاس کر کے حکم سزا صادر کر سکتے ہیں مگر اس صورت میں نہیں جہاں اس طرح کا اجلاس کرنے والا تنہا جج اس دورہ کرنے والے جج کی رائے سے متفق نہ ہو جس نے ابتداءً کسی مقدمے کی تحقیقات کی ہو ایسی صورت میں ایک اور جج کی موجودگی کی ضرورت قبل صدور حکم سزا ناگزیر ہوتی ہے۔ اور اسی قسم کا ایک قانون اور نافذ کیا گیا ہے جس کے ذریعے ایک عہدہ دار قانونی اس کام کے کرنے کا مجاز گردانا گیا ہے جس کے لیے سابق میں دو عہدہ دار درکار ہوتے تھے۔

نظامت عدالت، مقدمات کی سماعت کرتی ہے اور گورنر جنرل کی خدمت میں ان تمام معاملات پر اپنی رائے پیش کرتی ہے جو فوجداری مقدمات میں عدل گستری نیز پولیس سے تعلق رکھتے ہوں اور اُن عام اختیارات کا بھی استعمال کرتی ہے جو سابق نائب ناظم نواب محمد رضا خاں کو حاصل تھے۔ لیکن اس کے اختیارات اور ان کے استعمال کے طریقے زیادہ واضح ہیں اور اُن قوانین کے ذریعے جنھیں ملک کی زبانوں میں طبع کرایا جاتا ہے اُن کا علم عام کرانا مقصود ہے۔ حیات و ممات کے مقدمات اور جسمانی سزا، جرمانہ اور قید کے مقدمات میں نظامت عدالت کے احکام قطعی ہوتے ہیں۔ لیکن گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے لیے سزا کی کمی یا معافی کا

اختیار محفوظ کیا گیا ہے[1] تاکہ غیر معمولی سختی یا ایسے عذرات کو جو شرع اسلام کی خاص نوعیت کے لحاظ سے فتوے کے متعلق پیدا ہو سکتے ہوں رفع کیا جا سکے۔[2]

پولیس

دیسی حکومت کے تحت زمینداری کا جو حال بیان کیا گیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے افسروں کی مدد کے ساتھ ساتھ جو مختلف مواضع میں مامور ہوتے تھے زمیندار اپنے علاقے میں اختیارات عظیم رکھتا ہوگا خصوصاً ایسی صورتیں جبکہ اس کی زمینداری بہت وسیع ہو۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایشیائی حکومتوں کا رجحان انفرادی اختیارات کو فرماں روا سے لے کر موضع کے مقدم یا مندل تک علی قدر مراتب قایم رکھنے کی طرف رہا ہے۔ یہ اس اصول کے مطابق تھا کہ زمیندار سب سے زیادہ اختیارات استعمال کرے اور اسے اپنے ضلع یا زمینداری میں امن کے قیام کا ذمہ دار قرار دیا جائے۔ سرکاری حیثیت سے اس کا یہ فرض تھا کہ وہ قاتلوں، رہزنوں، نقب زنوں اور عام طور پر نقض امن پیدا کرنے والے اشخاص کو گرفتار کرے۔ اگر وہ سارق کو گرفتار کرنے یا مال مسروق کے برآمد کرنے میں ناکام رہتا تو مالک مال مسروق کے نقصان کی حد تک وہ جواب دہ ہوتا۔ اگر زمینداری قابل کاشت اراضی کے متعلق ہوتی تو با اختیار کاشت کار بھی اسی طرح ذمہ دار ہوتا۔ اور اگر وہ ذمہ داری کسی عہدہ دار کے سپرد منجانب حکومت کی جاتی تو ذمہ داری اور اس کے برقرار رکھنے کے ذرایع اس عہدہ دار سے متعلق ہو جاتے۔ اس طرح جو ذرایع مہیا ہوتے تھے وہ امن قایم رکھنے کے

---

[1] ضابطہ ششم بابت سنہ ۱۷۹۳ء۔

[2] عدالتوں کی کارروائیاں اب مجموعۂ ضوابط فوجداری (قانون پنجم بابت سنہ ۱۸۹۸ء) کے مطابق ہوتی ہیں۔ فوجداری مقدمات کی سماعت مجسٹریٹ کیا کرتے ہیں یہ مجسٹریٹ ضلع کے مجسٹریٹ کے تحت ہوتے ہیں جو کلکٹر بھی ہوتا ہے معمولی مقدمات کے فیصلے مجسٹریٹ کیا کرتے ہیں اور اہم مقدمات عدالت سشن کے سپرد کیے جاتے ہیں

(دیکھو صفحہ آیندہ)

لیے کافی تھے اور اگر ان کا مناسب طریقے سے استعمال ہوتا تو نہایت عمدگی سے کام انجام پا سکتا تھا کیونکہ ایسے اشخاص کی تعداد بہت زیادہ تھی جو کسی وقت بھی حملے کی مدافعت، یا رعایا کی حفاظت کے لیے طلب کیے جا سکتے تھے اور ان میں نہ صرف وہ پاسبان یا محافظان مواضع شامل تھے جن کا یہ خاص فرض ہوتا تھا کہ وہ اس مقصد کے لیے ہر وقت تیار رہیں بلکہ وہ اشخاص بھی جن پر زمینداری کے اختیارات کا اثر پڑتا تھا۔ لیکن یہ ادارہ سابق حکومت کے تحت بد انتظامی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اسے از سر نو قایم کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اس معاملے کے متعلق اس زمانے کے بعض اور معاملات کی طرح استدلال کا زور جیسا کہ ضابطۂ دوازدہم بابت ۱۷۹۳ء کی تمہید سے بھی ظاہر ہے زیادہ تر زمینداروں کے اختیارات کے ناجائز استعمال کے نقصانات بتانے پر صرف کیا گیا اور ان ذرایع کا خیال نہیں کیا گیا جنہیں اختیار کر کے اور اس ادارے سے متعلق کر کے عوام کے لیے مفید بنایا جا سکتا تھا۔ اور آخر میں اسے اس اعلان پر ختم کیا گیا کہ زمینداروں سے یہ ضروری مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے پولیس کے انتظامات برخاست کر دیں اور آیندہ اس قسم کا کوئی محکمہ اپنے یہاں قایم نہ رکھیں۔ اس اختیار کے سلب ہو جانے سے ظاہر ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش ہو گئے جو ان کی حدود میں سرقے کی واردات کے متعلق ہوا کرتی تھی بجز اس صورت کے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ انھوں نے اغماض سے کام لیا یا اس جرم میں شرکت کی یا عہدہ دارانِ سرکاری کو مجرمین کے گرفتار کرنے میں اپنی ممکنہ اختیاری مدد دینے سے احتراز کیا۔"

محولِ بالا قانون[ی] کے ذریعے پولیس کا جو جدید انتظام نافذ ہوا اس میں ملک کو پولیس کے علاقوں کی حدبندی کے لیے دس دس کوس یعنی بیس بیس مربع میل کے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر علاقے کی نگرانی ایک داروغہ کے سپرد

(باقی حاشیہ صفحۂ گزشتہ) جس کی صدارت ایک ایسا سشن جج کرتا ہے جو ناظم ضلع بھی ہوتا ہے مختلف مقدمات میں مرافعے ضلع کے مجسٹریٹ یا سشن جج کے پاس یا عدالت عالیہ میں ہوتے ہیں۔

[ی] ضابطہ نشان ۲۲ بابت ۱۷۹۳ء۔

ہوتی ہے اور اس کے تحت مسلح اشخاص ہوتے ہیں جن کا انتخاب اور تقرر ضلع کا مجسٹریٹ کرتا ہے۔ داروغہ کو اختیار ہے کہ وہ تحریری الزام کی بنا پر کسی کو گرفتار کرے یا الزام قابل ضمانت ہونے کی صورت میں مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق ضمانت لے۔ دوسرے مقدمات میں وہ اشخاص گرفتار شدہ کو ایک معیّن وقت کے اندر مجسٹریٹ کے پاس بھیجنے کا پابند ہوتا ہے بجز ان مقدمات کے جو معمولی حملے وغیرہ کی قسم سے ہوں جن میں مجسٹریٹ خود سماعت کرتا ہے اور فریقین ایک دوسرے کے مقابلے میں کارروائی ترک کر دینے پر رضامند ہوتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں داروغہ کو اجازت ہے کہ وہ مصالحت کا تحریری وثیقہ جسے راضی نامہ کہتے ہیں حاصل کر لے اور ملزم کو چھوڑ دے۔

پاسبان، پایک اور دیگر اقسام کے پاسبان موضع جواب تک حسب دستور موضع سے اپنی مدد معاش پاتے ہیں محوّل بالا قانون کی رُو سے داروغہ کے زیر اختیار کر دیے گئے ہیں جو ان کے اسماء کا ایک رجسٹر رکھتا ہے اور ان میں سے کسی کی جائیداد خالی ہونے پر زمیندار سے جواب تک اس حق کا مالک ہے اس کو پُر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ داروغوں کی کارگزاری میں حوصلہ افزائی کی خاطر انہیں ہر ڈاکو یا ڈکیت کی گرفتاری پر حکومت سے دس روپیے انعام دیا جاتا ہے اور بازیافتہ مال مسروق کی مالیت پر دس فیصد حصہ بھی دیا جاتا ہے بشرطیکہ سارق گرفتار ہوا ہو۔

پٹنہ، ڈھاکہ اور مرشد آباد کے شہروں کو حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کی نگرانی داروغوں اور مسلح جماعتوں کے سپرد ہوتی ہے اور یہ سب ایک افسر کے زیر اقتدار ہوتے ہیں جو قدیم طریقے پر اب تک بحال رکھا گیا ہے یعنی کوتوال جس کے ذمے شہر کی عام پولیس کی دیکھ بھال اور بازاروں کا انتظام ہوا کرتا ہے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ داروغوں یا کوتوالوں کو عہدے کا جائزہ لینے کے وقت کوئی حلف دیا جاتا تھا۔ لیکن ان کا تقرر مجسٹریٹ کی سفارش پر ہوتا تھا اس لیے وہ ایک حد تک ان کے نیک چلن کا

ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ مزید برآں وہ سب اپنے عمدہ طرزِ عمل کے متعلق ضمانت بھی دیتے ہیں اور انہیں بد دیانتی کی صورت میں قابلِ سزا بھی قرار دیا گیا ہے۔ شہر بنارس صوبۂ بنارس میں بنگال کے طریق انتظام سے انحراف کرنا جائز رکھا گیا[1] اور یہ عمل وہاں کے رزیڈنٹ کی سفارش پر مبنی تھا جو اس ضلع میں مالگزاری کا بندوبست ایک خاص طریقے پہ نافذ کر رہا تھا جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ رزیڈنٹ غالباً ان قوی ذرایع سے واقف تھا جو زمیندار کو ملک میں امن قایم کرنے کے متعلق حاصل تھے بشرطیکہ مناسب نگرانی کے تحت ان کا استعمال کیا جائے۔ اس لیے زمیندار کے اقتدار کو منسوخ کرنے کی بجائے اس نے مناسبِ حال قواعد سے اسے مفید بنانے کی کوشش کی۔ حسبہٗ زمینداروں اور تحصیلداروں کو اُن ذمہ داریوں کے تحت جو سابق انتظام میں ان کے سپرد تھیں پولیس کے عہدہ داروں کا کام دیا گیا اور ان کی رہنمائی کے لیے ایسے قواعد بنائے گئے جو اُن قواعد کے مماثل تھے جو صوبہ جات تشبیہی میں پولیس کے داروغوں کے لیے مقرر تھے۔ شہر بنارس اور اہم مقامات مثلاً جون پور، غازی پور، اور مرزا پور میں رزیڈنٹ کا اپنے مقامی تجربے کی بنا پر ایسے قواعد پولیس کے متعلق نافذ کرنا حق بجانب ثابت ہوا جو بعض خصوصیات میں اس نظام سے مختلف تھے جو بنگال اور بہار کے بڑے شہروں کے لیے رائج کیا گیا تھا اور یہ قواعد مذکورہ مقامات کے حالات اور وہاں کے باشندوں کی عادات و خصائل کے لحاظ سے نسبتہً زیادہ موزوں ثابت ہوئے جتنا کہ نظام موخرالذکر ہو سکتا تھا۔

سنہ ۱۸۰۳ء[2]

پولیس کا اسی طرح کا انتظام جو بنارس کے متعلق اوپر بیان کیا گیا ان صوبجات اودھ کے لیے بھی نافذ کیا گیا جو حال ہی میں عہد نامے کے ذریعے نواب سے حاصل کیے گئے تھے۔ اور سال مابعد میں ان مقبوضات ملکی میں بھی جاری کر دیا گیا جو دولت راؤ سندھیا سے بذریعہ فتح اور پیشوا کی جانب

---

۱ ضابطہ نشان ۱۷ بابت سنہ ۱۷۹۵ء۔ ۲ ضابطہ نشان ۳۵ بابت سنہ ۱۸۰۳ء

سے جو الگی پر ہاتھ آئے تھے۔ اس قانون میں جس کے ذریعے موخر الذکر انتظام نافذ کیا گیا صریح طور پر حکم ہے کہ "زمینداروں، کاشتکاروں اور قابضان اراضی کو ان فرائض اور ذمہ داریوں سے سبکدوش نہ کیا جائے گا جو اُن پر موجودہ معاہدات کی شرایط کے لحاظ سے عاید ہیں یا جو قدیم اور مسلم معمولات ملک کی بنا پر اُن کی متعلقہ حدود میں سرقوں و بداعمالیوں کی روک تھام اور امن و خوش انتظامی کی برقراری سے متعلق ہیں۔"

پولیس کے انتظامات جو اس طرح ان مقبوضات ملکی کے لیے قایم کیے گئے تھے جو احاطۂ بنگال کے تحت تھے سنہ ۱۸۰۷ء تک نافذ رہے جبکہ ان میں ایک اہم تبدیلی کرنی مناسب معلوم ہوئی۔

تجربے سے حکومت پر ظاہر ہو گیا تھا کہ جو نظام کو توالی سنہ ۹۲-۱۷۹۲ء میں نافذ کیا گیا تھا اور جس کی توثیق سنہ ۱۷۹۳ء کے مطبوعہ قوانین سے کی گئی تھی پیش نظر اغراض کی تکمیل کے لیے وہ ناکافی تھا اور پھر اس کی ضرورت تھی کہ پولیس کے داروغوں کا ہاتھ بٹانے کے لیے زمینداروں سے اعانت طلب کی جائے۔ حکومت نے اس خصوص میں پولیس کے قدیم انتظام کو جزوی طور پر دوبارہ نافذ کرنے کے لیے جو تدابیر اختیار کیں اُن کا بیان اس رُوداد کے آیندہ حصّے میں کیا جائیگا جہاں مجلس نے ان عملی اثرات کی تحقیقات کا ذکر کیا ہے جو اس جدید انتظام حکومت داخلی سے ظہور پذیر ہوئے جس کا نفاذ سنہ ۱۷۹۳ء میں ہوا۔

قبل اس کے کہ مجلس اپنی رُوداد کے تیسرے عام عنوان پر جو مذکورِ بالا نظام کے عملی اثرات کے متعلق ہے توجہ کرے وہ اُن تدابیر کا ذکر مناسب سمجھتی ہے جو حکومت بنگال نے اسی نظام حکومت داخلی کو صوبۂ بنارس نیز ان مقبوضات ملکی میں نافذ کرنے کے لیے کی تھیں جنھیں حال ہی نواب وزیر سے بذریعۂ عہد نامہ اور مرہٹوں سے خراج کے معاوضے میں اور فتح کے ذریعے حاصل کیا گیا تھا۔

---

۱ ضابطۂ چہارم بابت سنہ ۱۸۰۷ء۔

بنارس

اُن سخت اعتراضات کی بنا پر جو لارڈ کارنوالس کو ہندوستان میں ایشیائی طرز کی ملکی حکومتوں کے اصول اور عمل درآمد کے متعلق تھے لارڈ موصوف نے اپنے دورِ حکومت کی ابتدا ہی میں اپنی توجہ بنارس کی طرف معطوف کی تاکہ اس صوبے میں بھی وہی اصلاحات جاری کی جائیں جن کو وہ بنگال میں نافذ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ ضروری تھا کہ راجہ کو اس امر پر راضی کر لیا جائے کہ وہ ان زمینداری اختیارات کو جو کسی قدر شاہانہ اقتدار سے مخلوط تھے ترک کر دے اور جن کے استعمال کا اگرچہ حکومت برطانیہ اسے استحقاقاً مجاز تصور نہیں کرتی تھی لیکن ہمیشہ ان کے استعمال کی اسے اجازت دی جاتی تھی اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ وہ زمینداروں کو دوبارہ حقوق عطا کر دے جو اس کے آباواجداد کی سختیوں کے باعث یا تو صوبے سے جلاوطن ہو گئے تھے یا زمینداری سے تنزل کر کے کاشتکاری اختیار کرنے پر مجبور کیے گئے تھے۔ ان اغراض کی تکمیل کے لیے صدر حکومت کی ہدایات کے تحت ۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۴ء تک مراسلت کے ساتھ ساتھ ابتدائی تدابیر اختیار کی جاتی رہیں جو آخرکار ایک معاہدہ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۴ء پر منتج ہوئیں جس کی رُو سے راجہ نے اپنے زمینداری علاقوں کا انتظام حکومت برطانیہ کے حوالے کر دیا بجز ان ناقابلِ لحاظ وسعت رکھنے والے علاقوں کے انتظام کے جو اس کے افرادِ خاندان کی اس وقت کی میراث تھے جب کہ وہ چھوٹے چھوٹے زمیندار تھے یا جو بحیثیتِ جاگیرات یا عطیات سلطانی مغلیہ سلطنت سے ملے تھے۔ ان خاص علاقوں پر راجہ اب تک اپنے سابق اختیارات کا کچھ حصہ استعمال کرتا ہے لیکن صوبے کے باقی دیگر حصص کے لیے یہ معاہدہ ہوا کہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل عدل گستری

۱؎ ضابطہ نشان ۲ دفعہ ۱ بابت ۱۷۹۵ء۔

اور معاملات مالگزاری کے متعلق وہی نظام اور قواعد نافذ کرے جو ۱۷۹۳ء میں صوبجات بنگال، بہار و اوڑیسہ میں مقرر ہوئے تھے۔"

صوبۂ بنارس کے معاملات مالگزاری میں ہر قسم کی مداخلت سے اس علانیہ دست برداری کے باوجود معاہدے کی دوسری دفعہ میں راجہ کے اقتدار کی ظاہری شکل کو کچھ ایسے عجیب انداز میں قایم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مجلس اسے یہاں درج کرنے پر مائل ہے۔ دفعہ نشان ۲ مد بنارس وغیرہ کے راج میں ممالک کا بندوبست مالگزاری چونکہ راجہ مہیپ نارائن بہادر کی رضامندی اور پسندیدگی سے کیا گیا ہے اس لیے عاملوں، زمینداروں اور کاشتکاروں کے نام پٹے اور فارغ خطیا راجہ موصوف کے دستخط و مہر سے جاری کی جاتی ہیں اور راجہ صاحب کا دفتر اور خزانچی کاروبار ملک (یعنی کاروبار مالگزاری) چلانے کے لیے مستقلاً قایم رہیں گے لہٰذا مذکورہ دستخط، مہر، دفتر اور خزانچی کا دستور نافذہ ہے گا اور یہ سب حسب معمول جاری رہیں گے۔"

کلکٹر مالگزاری نے کلکتہ کے دستوری حکام کی متابعت کے ساتھ ساتھ راجہ موصوف کے دستخط، مہر، دفتر اور خزانچی کو حسب سابق جاری کس طرح رکھا سمجھنا مشکل ہے بجز اس صورت کے کہ یہ سب اس اقتدار کے تحت ہوں جس کو ہر موقع پر تسلیم کر لینا غالباً راجہ نے ایسے مباحثوں میں شرکت کیے بغیر مناسب سمجھا ہو جو شرائط المحول بالا کی مبہم نوعیت کی وجہ سے پیدا ہو سکتے تھے۔ اس معاہدے میں وہ استمراری پٹہ بھی تسلیم کر لیا گیا جو گورنر جنرل نے ۱۷۸۱ء میں نافذ کیا تھا اور جس کی رُو سے زمینداری بنارس کی مالگزاری دوامی طور پر چالیس لاکھ روپے مقرر ہوئی تھی اور اس رقم کے علاوہ صوبے سے جس قدر زیادہ روپیہ جدید انتظام کے تحت وصول ہو جو غالباً ہوگا وہ مقررہ رقم مالگزاری پر ایسا اضافہ ہوگا جسے حکومت، معاہدے کے لحاظ سے جائز طور پر اپنے منافع کے لیے استعمال نہیں کر سکیگی لہٰذا یہ قرار دیا گیا کہ اس اضافہ رقم میں سے ایک لاکھ روپیہ راجہ کو دیا جائے گا اور باقی خواہ اس کی مقدار کچھ ہی ہو، جدید انتظامات عدالت مالگزاری و کوتوالی کے اخراجات اور ایک ہندو کالج کے مصارف منہا

کرنے کے بعد جو ویدوں اور شاستروں کی تعلیم کے لیے قایم کیا جائے گا" کمپنی کی حکومت کے اختیار سے سڑکوں کی مرمت، پُلوں کی تعمیر اور ترقی زراعت وغیرہ میں لگایا جائے گا"۔

ریزیڈنٹ مسٹر جوناتھن ڈنکن[1] نے جس کے سپرد یہ اہم فرض کیا گیا تھا کہ بنگال کے نافذ شدہ قوانین کی ترمیم بنارس کے حالات کے لحاظ سے کرے پہلے ہی سے عمیق مقامی تحقیقات اور عارضی انتظامات اُس آٹھ سال کی مدت میں کر کے جب کہ وہ اس صوبے کے معاملات کی نگرانی پر مامور تھا، مجوزہ اصلاحات کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔ ۲۷ مئی ۱۷۹۵ء کو جو بندوبست مالگزاری اس نے کیا تھا وہ حکومت کے ایک قانون کے ذریعے دوامی قرار دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ تمام مجموعۂ قوانین اس کی پیش کردہ ترمیمات کیساتھ بنارس میں نافذ کر دیا گیا۔[2]

ان قوانین کے تحت شہر بنارس اور اس کے مضافات کے کچھ حصے کو ملا کر ایک عدالتی علاقہ قرار دیا گیا اور باقی صوبے کو تین دیگر حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان میں سے ہر حلقے پر ایک یورپین ملازم متعہد کو جج اور مجسٹریٹ کی حیثیت سے ایسے یورپین مددگاروں اور دیسی عہدہ داروں کے عملے کے ساتھ مقرر کیا گیا جیسا کہ صوبجات شیشی میں کیا گیا تھا۔ ایک عدالت مرافعہ دورہ شہر بنارس میں قایم کی گئی تاکہ تمام صوبے کے فوجداری انتظام عدالت کا کام ہو سکے۔ اس عدالت کے صدر جج کو سیاسی معاملات میں گورنر جنرل کا ایجنٹ قرار دیا گیا۔ سارے صوبے کا صیغۂ مالگزاری ایک کلکٹر کے زیر اہتمام رکھا گیا اور یہ تمام افسر دار الحکومت کلکتہ کے اُن عہدہ داروں کے زیر اقتدار و نگرانی رکھے گئے جو علی الترتیب اپنے اپنے محکموں کے عہدہ دار اعلیٰ تھے۔

۱۔ جوناتھن ڈنکن (۱۷۵۶ء تا ۱۸۱۱ء) اپنے زمانے میں کمپنی کے نہایت قابل و متدین عہدہ داروں میں سے تھا۔ ۱۷۹۵ء میں وہ گورنر بمبئی مقرر ہوا۔

۲۔ ضابطۂ اول و دوم بابت ۱۷۹۵ء۔

قوانین بنگال کو بنارس کے حالات کے مطابق بناتے وقت جن اہم امور کی طرف رزیڈنٹ کو توجہ دلانی پڑی وہ حسب ذیل معلوم ہوتے ہیں:—

راجہ کے ترک فرائض زمینداری کے بعد اور معاملات صوبہ کے متعلق رزیڈنٹ کی تحقیقات کے دوران میں وہ مالکان اراضی جن کے ساتھ بندوبست کرنا تھا اس حیثیت سے کسی قدر مختلف معلوم ہوتے تھے جو صوبجات شیبی میں زمینداروں کی تھی۔ ان کی سرکاری طور پر یوں تعریف کی گئی کہ وہ زیادہ تر ایسے دیہی زمیندار ہیں؎ "جو حکومت کو ایک یا زیادہ پٹہ داروں کی شراکت میں جن کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہوتا ہے زر مالگزاری ادا کرتے ہیں"۔ اس تعریف میں مزید اضافہ یہ ہوا ہے کہ "ان پٹہ داروں میں سے بعض نے اپنی قلمی داریاں ممیز کرالی ہیں لیکن اکثر اپنے خاندان کے بڑے رکن یا اپنی برادری کے سردار کے ساتھ خواہ وہ ایک ہوں یا زیادہ جن کے نام عموماً پٹوں قبولیتوں اور دیگر معاہدات مالگزاری میں درج کیے جاتے ہیں باہم مل جل کر اور مشترک طور پر بسر کرتے ہیں"۔ ان کے علاوہ وہ ہیں "جو تعلقدار کہلاتے ہیں، ان کے تحت زمینداران دیہی کی ایک قلیل یا کثیر تعداد ہوا کرتی ہے جس میں سے اکثر مقررہ جمع تعلقدار کو ادا کرنے کے فرض کے تابع اپنی جائداد کو بذریعہ بیع منتقل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں"۔ ان تعلقداروں کو دوامی بندوبست کی شرائط کی رو سے مجاز کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دیہی زمینداروں کے متعلق اپنی صدر جمع کی مناسبت سے کسی قدر مصارف انتظامی کے لیے گنجائش رکھ کر یا پیداوار کی مقدار و قیمت کے لحاظ سے جیسا بھی کہ مقامی رواج یا فریقین کی خیراندیشی کی بنا پر مناسب معلوم ہو، تشخیص مالگزاری کریں"۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ دوامی بندوبست کے نفاذ کی تیاری سے قبل جو تحقیقات کی گئی تھی اس کے دوران میں قدیم ہندو طریق مالگزاری کے نشانات بنگال کی بہ نسبت بنارس میں زیادہ واضح پائے گئے۔

بنارس کا دیہی زمیندار اس مقدم کے مماثل معلوم ہوتا ہے جو ہمسایہ کے بعض حصص میں پایا جاتا ہے یا اس پٹیل کی مانند جو کرناٹک میں

؎ ضابطۂ دوم بابت سنہ ۱۷۹۵ء

پایا جاتا ہے اور یہ دونوں گاؤں کے افسر سمجھے جاتے ہیں جو حکومت کے نزدیک اراضی کی کاشت و ترقی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور انہیں سابق الذکر علاقوں میں اپنی جائدادوں کو بذریعہ بیع یا ہبہ دوسروں کے نام منتقل کرنے کا اختیار حاصل تھا جن پر اسی طرح خدمت کی ذمہ داریاں عاید ہو جاتی تھیں اور جو بالکل اپنے پیشروں کی طرح اس خدمت کی منفعت سے متمتع ہوتے تھے خواہ وہ پیداوار کے ایک معین حصے کی شکل میں ہو یا بندوبست یا ایسی شرائط پر اراضی کی کاشت کی شرکت کی صورت میں جن کی منظوری حکومت دیدے۔ حکومت اور کاشتکار کے درمیان فصل کی تقسیم اس تناسب سے جو مختلف حصص ملک میں کسیقدر مختلف ہوتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس تشخیص مالگزاری کے معیار کی بانی ہوئی جسے بندوبست دوامی میں اختیار کیا گیا۔ رزیڈنٹ کی ممکنہ کوششوں کے باوجود کہ اس بندوبست میں مالکانہ حقوق اراضی کے اصول کی گنجایش رکھی جائے بہت سے امور قوانین میں ترک ہو گئے ہیں جو اس طرح کے حقوق سے مطابقت نہیں رکھتے اور مقامی قدیم رسم و رواج اور قانون گو کے دفتر کی امثلہ کی مدد کے محتاج رہتے ہیں۔ قانون گو جن کا عہدہ بنگال میں برخاست کر دیا گیا بندوبست دوامی کے تحت بنارس میں برقرار رکھے گئے[1]۔ اور جو معاہدات حکومت اور مالکان اراضی کے مابین ہوئے ان میں اُن کے فرائض کے کامل اختیارات" کی تائید ایک صریح شرط قرار دی گئی۔ از سر نو بحال شدہ زمینداروں کی سرکشی کے باعث یہ لازمی ہو گیا کہ انہیں حسب حال ایک محدود مدت کے لیے اسی دیسی عہدہ دار کے تحت رکھا جائے جو سابق نظم و نسق میں مامور ہوا تھا اور عامل کہا جاتا تھا۔ اس عہدہ دار کے فرائض میں (جو بہ زمانہ سابق اکثر دیسی حکومتوں میں مقرر ہوتا تھا اور اب بھی ہے) کاشت کار اور تحصیلدار یعنی کلکٹر مالگزاری دونوں کے فرائض شامل ہوتے تھے۔ وہ ذاتی اور دیگر ضمنی ضمانتوں کے بموجب اس تمام رقم کو کلکٹر کے خزانے میں جمع کرانے کا ذمہ دار گردانا جاتا تھا۔ جو سرکاری طور پر اس کے علاقے کی اراضی پر مشخص ہوتی تھی اگرچہ اس سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ وہ مالکان اراضی سے ان کے حصے کی معینہ و مشخصہ رقم سے زیادہ وصول نہ کرے گا۔ اور اسی لیے اس محنت، خطرے اور خرچ کے معاوضے میں

[1] ضابطہ دوم بابت ۱۷۹۵ء۔

جو اسے برداشت کرنا پڑتا تھا اس کی جمع کردہ رقم کا ۱۱½ فیصد حصہ بطور مشاہرہ اسے دیا جاتا تھا۔ دیسی حکومتوں کے تحت عاملوں کے لیے یہ بات غیر معمولی نہیں ہے کہ وہ اپنے علاقے میں تمام اختیارات ___ دیوانی و فوجی استعمال کریں اور حیات و ممات کے معاملات میں ثالث کا کام کریں۔ بنارس میں برطانوی اثر کے نفاذ کے بعد عامل کے فرائض کو مالگزاری اور پولیس کے عہدہ دار کے فرائض کی حد تک محدود کر دیا گیا اور جو اخراجات لازمی طور پر موخرالذکر حیثیت سے اس پر عاید ہوتے تھے ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی مذکورہ بالا تنخواہ میں وہ شامل ہیں۔ اس عہدے کو بتدریج برخاست کر دینے کے لیے قانوناً یہ انتظام کیا گیا کہ جب کبھی کوئی مالک اراضی درخواست کرے اور وہ رعایت مطلوب کا مستحق سمجھا جائے تو اسے عامل کے اختیار سے آزاد رہنے اور اپنی مالگزاری براہ راست کلکٹر کے خزانے میں داخل کرنے کی اجازت دیجائے۔

بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے اراضی کو بذریعہ نیلام یا کسی اور طرح فروخت کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت کی جانب سے کمپنی کے مقبوضات میں اس کے نفاذ سے قبل اگر تمام حصص ہند میں غیر مانوس نہ تھا تو کم از کم غیر معمولی ضرور تھا۔ موجودہ بندوبست میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مالکان اراضی کی قبولیتوں میں اس کو حسب ذیل الفاظ کے ساتھ شامل کیا گیا:

مالکان اراضی اپنے کو پابند کرتے ہیں کہ "وہ مقررہ مالگزاری سالانہ پابندی کے ساتھ ادا کرینگے اور اقرار کرتے ہیں کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں تکمیل رقم مالگزاری کے لیے ان کی ذاتی یا غیر منقولہ جائداد فروخت کر دی جاسکے گی"

صوبجات شیبی میں زمیندار اس قسم کی ذمہ داریوں سے سکدوشی اور پولیس کے معاملات میں دخل دینے سے ممنوع کر دیے گئے تھے۔ بنارس میں رزیڈنٹ نے یہ محسوس کر کے کہ جو اختیارات، معلومات اور اثرات فطرۃً عاملوں یا تحصیلداروں اور زمینداروں کو حاصل ہوتے ہیں، وہ بہترین بنیادیں ہیں

گ۔ ضابطہ دوم بابت ۱۷۹۵ء۔

جن پر پولیس کی عمدہ کارگزاری کا انحصار کیا جا سکتا ہے حکومت کو طریق بنگال[ص] سے اس قدر انحراف کرنے پر راضی کر لیا کہ پولیس کے فرائض کی ذمہ داری عاملوں پر اور ان کے زیر نگرانی زمینداروں اور کاشتکاروں پر اس شرط کے ساتھ عاید کی جائے کہ وہ ان ڈکیتیوں یا سرقوں کے متعلق جو ان کی متعلقہ حدود میں واقع ہوں اسی طرح جواب دہی کریں گے جس طرح راجہ کی حکومت کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔ اور ان سب کو مجسٹریٹ کے زیر اقتدار رکھا گیا اور ان کی رہنمائی کے لیے ایسے قواعد بنائے گئے جیسے صوبجات تشبیہی میں رائج تھے۔

مجموعۂ ضوابط متعلقۂ بنگال، بہار و اوڑیسہ کو کسی قدر تبدیلی کے ساتھ بنارس کے لیے بھی نافذ کر دیا گیا[ح] اور دیوانی و فوجداری قوانین مُروّج کمپنی کے مقبوضات کے ان دونوں حصوں میں یکساں ہیں۔ البتہ اس خاص احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو ہندو باشندے اپنی قوم کے طور و طریق کا کرتے ہیں بنارس کے برہمنوں کے ساتھ چند خاص رعایتیں اس طریق کارروائی میں ملحوظ رکھی گئی ہیں جو فوجداری الزامات کی بنا پر ان کے مقابلے میں اختیار کیا جائے اور ان کے حق میں یہ مزید رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر کسی برہمن کے متعلق سزائے موت کا فیصلہ ہو تو اس کو سزائے قید لعبور دریائے شور سے بدل دیا جائے یا حسب صوابدید حکومت سزا میں تخفیف کر دی جائے۔ برخلاف اس کے جب یہ معلوم ہوا کہ بعض حصص ملک کے برہمن اس احترام کو جو ان کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا رعایا کو پریشان کرنے کا اور قانون کی گرفت سے بچنے کا ذریعہ بنانے لگے تو حکومت نے ان طریقوں کو مسدود کرنے کے لیے مداخلت کی۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ برہمن اپنے حریفوں کو دھمکی دیتے تھے کہ وہ خودکشی کر کے یا جان کو خطرے میں ڈال کے یا اپنے بچوں یا قریب کے رشتہ داروں کی قربانی کے ذریعے ان سے

ص ضابطۂ سیزدہم بابت ۱۷۹۵ء۔

ح۔ مطبوعہ ضوابط بنگال۔

روحانی انتقام لیں گے۔ اس قسم کی واردات آیندہ سے خواہ کیسا ہی عذر ہو مجسٹریٹ کے معمولی اختیار سماعت اور قانون فوجداری کے مقررہ عمل سے مستثنیٰ نہ ہوگی ہندوؤں کا ایک اور فرقہ جو راجکمار کہلاتا ہے اپنی شیرخوار لڑکیوں کو مار ڈالا کرتا تھا جس کی وجہ یہ سمجھی جاتی تھی کہ اس کی اعلیٰ ذات کے مطابق ان لڑکیوں کے لیے بَر نہیں ملتے تھے۔ رزیڈنٹ نے راجکماروں کو تعزیری قانون کے تحت اس رواج سے باز رہنے پر راضی کر لیا اور اس رواج کی پابندی کرنے والے کو آیندہ سے قتل کی عام سزا کا مستوجب قرار دیا۔

مذکورِ بالا قوانین کے بنارس میں نافذ ہونے کے بعد غازی پور کا عدالتی محکمہ برخاست کر دیا گیا اور وہ علاقہ اب جون پور و مرزا پور کی صوبجاتی عدالتوں اور بنارس کی شہری عدالت کی حدود اختیار سماعت میں منقسم ہے۔ پولیس کے اس انتظام میں بھی جو سابق رزیڈنٹ کی سفارش پر قایم کیا گیا تھا اس طرح اہم تغیر ہو گیا کہ تحصیلداروں اور زمینداروں سے پولیس کے اختیارات لے لیے گئے اور داروغوں یعنی امن کے ناظموں کے سپرد کر دیے گئے جن کے قلیل مشاہرے مقرر ہوئے جیسا کہ بنگال، بہار و اوڑیسہ کے صوبجات نشیبی میں ہوا تھا۔ اس تغیر کی غیر موزونیت پر جو سابق کے قایم شدہ نظام میں ہوا آپ کی مجلس اُس وقت توجہ کرے گی جب کہ وہ احاطۂ بنگال کی پولیس کے موجودہ حالات کا ذکر کرنے لگے گی۔

صوبہ جات مفوضہ و مفتوحہ

مجلس کو اب اُس وسیع اور کثیر آباد رقبۂ ملک کی تحصیل پر غور کرتا ہے جو بذریعۂ عہد نامۂ صوبۂ اودھ میں حاصل کیا گیا اور اُس داخلی نظم و نسق کی تشریح کرنی ہے جو اُن زرخیز صوبوں میں نافذ کیا گیا جن کو سرکاری طور پر اضلاع مفوضہ متعلقۂ اودھ کہا جاتا ہے۔

محولِ بالا عہد نامے کے ذریعے جو ۱۰ نومبر سنہ ۱۸۰۱ء کا ہے ہز اکسیلنسی نواب وزیر نے امداد کے معاوضے میں معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کو مذکورہ بالا صوبجا

اسکی دوامی ملکیت میں دیدیے جن سے حسب فرد حساب سالانہ ۱،۳۵،۲۳،۴۷۴ روپیہ سکہ لکھنوی یا تقریباً ۱۶ لاکھ پونڈ انگریزی کی آمدنی وصول ہوتی تھی۔

نواب کے عہدہ داروں کو برخاست کر لئے کے بعد اضلاعِ مفوضہ متعلقۂ اودھ کے کاروبار ایک لفٹننٹ گورنر اور مجلس ماموریں کے زیر اہتمام کیے گئے[1] تاکہ بندوبست مالگزاری کا تصفیہ اور داخلی نظم ونسق کا ایک عارضی انتظام ہو جائے جو اس وقت تک کے لیے جاری رہے جب تک کہ ملک کے حالات سے کافی واقفیت نہ ہو جائے اور ایک بہتر دوامی نظم ونسق مقرر نہ ہو سکے۔ اس عارضی انتظام کے تحت کمپنی کے یورپین سیول ملازمین لفٹننٹ گورنر کے زیر اقتدار ہر ضلع پر مقرر کیے گئے جو اپنے اپنے علاقے میں تمام دیوانی اختیارات کا استعمال کرتے تھے یعنی کلکٹران مالگزاری کا بھی کام کرتے تھے اور ججوں اور مجسٹریٹوں کا بھی۔ کمشنروں کے فرائض زیادہ سخت اور صوبجات نشیبی کے عہدہ دارانِ عدالت مرافعہ ودورہ کے فرائض کی بہ نسبت زیادہ اہم تھے کیونکہ ان کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل اور لفٹننٹ گورنر کو حال کے حاصل کردہ ممالک کے حالات کے مطابق قوانین وقواعد بنانے میں مدد دیں اور بحیثیت حکام عدالت مرافعہ ودورہ "ایک وسیع رقبۂ ملک پر اور ایک ایسی قوم پر قانون کے نفاذ کی نگرانی کریں جو کسی قسم کے باضابطہ انتظام یا قانون سے ناواقف اور انتہائی تشدد اور ظلم کرنے کی عادی تھی"۔

کلکٹروں کے فرائض میں ایک نئے ملک کے ذرائع آمدنی معلوم کرنے کی محنت ودقت کے علاوہ قانون اور مالگزاری کے نظام کو جملہ تفصیلات کے ساتھ نافذ کرنا اور پھر مالگزاری وصول کرنا شامل تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس قوم پر جس کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا مجسٹریٹ وجج کی حیثیت سے کارفرما رہنے کی اہم ذمہ داری بھی تھی۔

اضلاعِ مفوضہ متعلقۂ اودھ کے کاروبار اس طرح قایم شدہ انتظام کے

---

[1] ک۔ مراسلہ بجانب گورنر جنرل بنام مسٹر ہنری ولزلی مورخہ ۲۷ فروری سنہ ۱۸۰۲ء۔

تحت ۱۸۰۳ء کے آغاز تک جاری رہے اور جب صد سالہ بندوبست مالگزاری قرار پا گیا اور لفٹنٹ گورنر کے تقرر کی دیگر اغراض بھی پوری ہو گئیں تو لفٹنٹ گورنر نے اپنے عہدے سے استعفا دیدیا۔ اور ان صوبوں کے عارضی انتظام کے لیے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا وہ برخاست ہو گیا۔

اگرچہ کمیشن کی کارروائی پابندی کے ساتھ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے پاس بغرض منظوری بھیجی جاتی رہی تاہم لفٹنٹ گورنر نے اپنے عہدے سے مستعفی ہوتے وقت ان انتظامات کے متعلق جو مفوضہ اضلاع مذکور میں کیے گئے تھے ایک مختصر رُوداد پیش کی[1] جس میں سے حسب ذیل اقتباسات حاصل کیے گئے ہیں

مالگزاری کی تحصیل اس سال کے لیے جبکہ نواب وزیر کے عہدہ داروں سے قبضہ لیا گیا انھیں شرائط پر کی گئی جو زمینداروں اور عاملوں یا دیسی کلکٹروں کے ساتھ طے ہوئی تھیں۔ لیکن اس سال کے اختتام پر اُن تمام مقامات پر جہاں شرائط مجوزہ کے لحاظ سے ممکن ہوا ایک دوامی[2] بندوبست کی بنیاد ڈالنے کے لیے زمینداروں کے ساتھ سہ سالہ بندوبست کیا گیا۔ دوسرے مقامات پر زمینیں کاشت کے لیے دیدی گئیں اور بعض صورتوں میں کاشتکاروں سے مالگزاری وصول کرنے کا کام سرکاری عہدہ داروں کے ذمے کیا گیا۔ مالگزاری کے یہ معاملات بعض اشکال میں یا رسد یا سالانہ اضافے پر جو ترقی پذیر کاشت کی توقع پر مبنی تھا مشروط رہے اور اس طرح جو اضافہ بندوبستِ مذکور کے تیسرے

---

[1] مراسلہ منجانب لفٹنٹ گورنر اضلاع مفوضہ مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۰۳ء۔

[2] صوبجات مفوضہ ومفتوحہ میں بحیثیت مجموعی بندوبست دوامی کبھی نہیں کیا گیا۔ عارضی بندوبستِ مالگزاری کے قواعد ضابطۂ ہفتم بابت ۱۸۲۲ء و ضابطۂ نہم بابت ۱۸۳۳ء کے ذریعے بعد میں مقرر ہوئے۔ جو طریقِ عمل صوبجات مفوضہ ومفتوحہ کے عظیم تر خطے میں اختیار کیا گیا وہ رُوداد کے حصۂ مابعد میں صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

سال ہوا وہ اس اندازے سے جو اراضی کو بطور معاوضہ دیتے وقت کیا گیا ۳۲,۹۹,۵۸۹ روپیے سکۂ لکھنوی ہوا یعنی اس تفویض سے جو فائدہ ہوا وہ وزیر کی فرد مالگزاری کے لحاظ سے انیس (۱۹) فیصد زیادہ تھا مزید برآں لفٹننٹ گورنر کو کروڑ گیری کے ایک جدید قانون سے اور اس محصول سے جو نشہ آور اشیا کی فروخت پر عاید کیا گیا تھا اور نمک کے ٹھیکے کے کمپنی کی حدود تک وسیع کیے جانے سے حوصلہ افزا اضافۂ آمدنی کی توقع تھی جو ایک بہتر نظم ونسق حکومت کے نافذ کرنے کے اخراجات کی منہائی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے مالی ذرایع کو اس کی خالص آمدنی اودھ میں وافر افزونی کر کے اس قدر وسعت دیگا کہ وزیر سے بھی عہدِ معاونت کے ضمن میں اتنی آمدنی کبھی وصول نہ ہوئی ہوگی۔ اصل رقم متوقعہ جو لفٹننٹ گورنر نے بتائی تھی وہ ۵۶,۳۸,۰۱۲ روپیے سکۂ لکھنوی یا پانچ لاکھ پونڈ سالانہ تھی اور اگرچہ جو اندازے اس طرح قایم کیے گئے تھے وہ ہر صورت میں پورے نہ ہونے پائے تاہم جو مالگزاری تفویض کے بعد وصول ہوئی وہ ناساعد موسم کے نقصانات اور گزشتہ جنگ مرہٹہ کے دوران میں فوجوں کی بدعنوانیوں کے باوجود اس رقم سے زیادہ تھی جو سابق میں بطور معاوضہ حاصل کی گئی تھی لیکن ان صوبوں کے حصول میں جو فوائد صدر حکومت کے پیش نظر تھے وہ خاص کر سیاسی نوعیت کے تھے اور داخلی انتظامِ ملک کی درستی پر حفاظتِ جائداد اور امن و خوشحالئ رعایا سے حاصل ہوسکتے تھے۔

اودھ کا جو داخلی نظم ونسق، ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین کے ہاتھوں میں آیا وہ اُن تمام انتظاموں کے مقابلے میں جن کا ذکر اس رُوداد کے ابتدائی حصے میں ہوا ہے بدترین تھا کیونکہ نواب وزیر نے اپنے مقبوضات عاملوں یعنی دیسی کلکٹروں میں تقسیم کر رکھے تھے (جو مقررہ رقم مالگزاری ادا کرنے کے معاہدے کرتے تھے) جن کی صوابدید پر باشندوں کے متعلق ہر قسم کے فوجی اور دیوانی اختیارات چھوڑ دیے گئے تھے۔ مالکان اراضی زیادہ تر اس طبقے کے تھے جسے بنارس کے تذکرے میں زمینداران دیہی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن بعض ان سے بڑے رُتبے کے بھی تھے جنہیں راجہ کا خطاب تھا اور جو بجائے

رعایا ہونے کے باج گزار معاونین معلوم ہوتے تھے۔ اور جب یہ اشخاص بندوبست مالگزاری کا کام انجام دیتے تھے تو انہیں اپنی حدود کے اندر کامل مختاری حاصل ہوتی تھی۔ ان کے مضبوط قلعے ہوتے تھے جو ان کے ہواخواہوں سے بھرے رہتے تھے اور یہ اکثر مالگزاری کا تادیہ اس وقت تک کے لیے بند کر دیتے تھے جب تک کہ اس کے ادا کرنے پر مجبور نہ کیے جائیں یا فوجی دستے کی آمد پر کوئی مزاحمت نہ ہو جائے۔ جو غفلتیں، خرابیاں اور بداعمالیاں حکومتِ اودھ میں پھیلی ہوئی تھیں ان کا ذکر بہت سے سرکاری مراسلوں میں شد و مد کے ساتھ کیا گیا ہے جو معزز ایوان کے سامنے پیش کیے گئے ہیں خصوصاً اُس مراسلے میں جو مارکوئیس کارنوالس آنجہانی نے جبکہ وہ گورنر جنرل تھا سابق نواب وزیر کے نام ۱۲ اگست سنہ ۹۳ء کو روانہ کیا تھا۔ اس مراسلے میں لارڈ کارنوالس نے نواب وزیر کو بہت زور کے ساتھ توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے ملک کے داخلی نظم و نسق میں ایسی اصلاحات کرے جو نہ صرف نواب وزیر کی ذاتی سہولت کے لیے بلکہ اس کی رعایا میں باقاعدگی اور انتظام قایم کرنے کے لیے لازمی تھیں۔ لارڈ موصوف نے اس نظام کو جاری کرنے کی تجویز پیش نہیں کی جو حال میں بنگال میں نافذ کیا گیا تھا بلکہ اس نظم و نسق کی اصلاح کی تحریک کی جو بجا طور پر نواب وزیر کی مملکت سے تعلق رکھتا تھا اور جس کا زیادہ مکمل صورت میں منصفانہ اور قوی نظم و نسق کے تحت عود کر آنا لارڈ موصوف کی رائے میں معاملات اودھ کو خوش حالی کی اس نوبت پر لانے کے لیے کافی تھا جہاں کہ ان کو شجاع الدولہ نے چھوڑا تھا جس کی وفات پر (لارڈ موصوف نے وزیر کو یاد دلایا تھا کہ) اسے "ایک بھرا ہوا خزانہ، باقاعدہ فوج، منظم مالگزاری اور مطیع رعایا میراث میں ملی تھی"۔ ممکن ہے کہ انھیں حالات کے لحاظ سے اور فوری شدید تغیر کی نامناسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لارڈ ولز لی نے ان صوبوں کے حصول کے بعد ان کے انتظام کے لیے اپنے ابتدائی محکموں کا قیام بہ نسبت اس طریق کے جو صوبجات نشیکلی میں نافذ کیا گیا تھا زیادہ تر دیسی حکومتوں کی وضع پر مناسب سمجھا ہو۔

بنابرآں تحصیل مالگزاری، عدل گستری اور تحفظ امن عامہ کے کُل اختیارات ایک واحد ملازم دیوانی کے سپرد کردیے گئے تھے جو ہر صوبجاتی علاقے کی نگرانی پر مقرر تھا۔ وصولیابیٔ لگان کی قیود پر جو پٹواریوں یعنی دیہی محاسبوں اور قانون گویوں کی جانب سے عاید تھیں کوئی توجہ نہیں کی گئی اور پولیس کا انتظام مالکان اراضی اور دیہی کلکٹروں کے حوالے اس ذمہ داری کے تحت کیا گیا جس پر وہ ہمیشہ سے عمل پیرا تھے۔

وہی وجوہ جو اس طرز انتظام داخلی کی باعث ہوئیں اس کے اس وقت تک جاری رکھنے کی بھی محرک ہوئی ہوں گی جب تک کہ دیسی باشندے اپنے یورپین حکمرانوں سے اچھی طرح واقفیت حاصل نہ کرلیں لیکن جو زبردست تعریفیں لارڈ کارنوالس کے قایم کردہ انتظامات کی مسلسل ہوتی رہیں ان سے غالباً سارا منصوبہ متنزلزل ہوگیا کیونکہ قوانین بنگال کو مفوضہ صوبجات اودھ میں کچھ ایسی عجلت کے ساتھ نافذ کردیا گیا جو مذکورہ وجوہ کے سوا اور کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

ل
نواب وزیر نے جو صوبے تحویل میں دیے تھے ان میں مجموعۂ قوانین بنگال کے نافذ ہونے کی تاریخ ۲۴ر مارچ سنہ ۱۸۰۳ء ہے۔ ان قوانین کو عوام کی معلومات کے لیے طبع اور شایع کرایا گیا ہے جیسا کہ صوبجات نشیبی میں کیا گیا اور ان میں ایسی ترمیمات کا اضافہ کیا گیا ہے جو نئے ملک کے باشندوں کی حالت کے لحاظ سے مناسب تھیں۔

صوبجات مفوضہ کو سات اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے[2] جن میں سے ہر ایک پر ایک سیول ملازم بحیثیت جج و مجسٹریٹ اور ایک دوسرا سیول ملازم بحیثیت کلکٹر مالگزاری مقرر کیا گیا ہے۔ ایک عدالت مرافعہ و دورہ شہر بریلی میں قایم کی گئی ہے اور اس کے لیے ذیلی عہدہ داروں، مددگاروں، دیسی قانون دانوں اور اہل عملہ کو اسی طرح مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ بنگال کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

محکمۂ پولیس میں بنارس کے طریق نافذ شدہ کو طریق بنگال پر ترجیح

---

[2] مطبوعہ قوانین بنگال۔

زمینداروں اور تحصیلداروں کو تمام ڈاکوؤں
اور بڑے زمینداروں اور تحصیلداروں کو تمام ڈاکوؤں دے کر اختیار کیا گیا ہے[ن] اور بڑے زمینداروں
اور نقض امن پیدا کرنے والوں کی گرفتاری کا اختیار اس ذمہ داری پر دیا
گیا ہے کہ یا تو وہ مجرم کو پیش کریں یا خود نقصان کی تلافی کریں۔
محکمۂ مالگزاری میں ایک قانون[و] نافذ کیا گیا جس کے ذریعے اس
سہ سالہ بندوبست مالگزاری کو مسلّم اور موثق کیا گیا ہے جو مجلس ماہورین نے
جاری کیا تھا اور اس میں محال اور سائر کے محصول کی تفریق کو جو اسی زمانے میں
قایم کی گئی تھی پسند کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ
سہ سالہ بندوبست کے اختتام پر انھیں اشخاص کے ساتھ (اگر وہ معاہدہ کرنے
پر راضی ہوں) دوسرا بندوبست سہ سالہ کیا جائے گا جو ایک مساوی
معیّن سالانہ مالگزاری پر مبنی ہوگا اور وہ اس طرح مقرر کی جائیگی کہ پہلے
پٹے کی سالانہ رقم اور ختم مدت کے وقت اراضی کی حقیقی سالانہ پیداوار
کی قیمت کا فرق نکالا جائیگا اور اس فرق کے دو ثلث حصے کو پہلے پٹے
کے سالانہ لگان میں شامل کیا جائے گا اور اس مدت کے ختم ہونے کے
بعد ایک اور بندوبست چار سال کے لیے انھیں اشخاص کے ساتھ (اگر
وہ چاہیں) کیا جائیگا اور یہ بندوبست ایک ایسی مساوی معیّن سالانہ رقم پر
عمل میں آئیگا جو دوسرے تین سال کے سالانہ لگان میں اس خالص اضافۂ
مالگزاری کے تین چوتھائی حصے کو شامل کرنے سے ہوگی جو ان سنین میں سے
کسی ایک سال میں ہوا ہو۔ آگے چل کر یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ موخر الذکر چہار
سالہ مدت کے اختتام پر (جب کہ ابتدائی بندوبست سے دس سال کی
مدت مکمل ہو جائیگی) ایک دوامی بندوبست انھیں اشخاص کے ساتھ
کیا جائیگا (اگر وہ چاہیں اور بشرطیکہ کوئی بہتر دعویدار نہ پیدا ہوں) اور یہ
ان زمینوں کے متعلق ہوگا جو اس عمل کے لیے کاشت کی کافی ترقی یافتہ

(ن) ضابطہ نشان $\frac{۳۵}{}$ بابت سنہ ۱۸۰۳ء۔
(و) ضابطہ نشان $\frac{۲۵}{}$ بابت سنہ ۱۸۰۳ء۔

حالت میں ہوں گی اور ایسی شرائط پر کیا جائے گا جن کو حکومت مناسب اور منصفانہ سمجھے۔ ان الفاظ میں صدر حکومت نے اپنے کو زمینداروں کے مقابلے میں ایسی مدت کے اختتام پر دوامی بندوبست کے نافذ کرنے کا پابند کر لیا جو ابتداءً آزمائش کے طور پر اسی غرض کے لیے بنگال میں تجویز کی گئی تھی لیکن بغیر اس قید کے جو اس وقت ملحوظ رکھی گئی تھی کہ معاہدے کی توثیق مجلس نظما کی پسندیدگی پر مشروط ہو گی۔ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ فروگذاشت سہواً ہو گئی جس کی ترمیم بعد کو ایک قانون کے ذریعے اُس وقت ہوئی جبکہ ایک اور وسیع تر رقبۂ ملک کے متعلق جو حال ہی میں اسی حصۂ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقے سے ملحق ہوا تھا حکومت کو یہ تصفیہ کرنے کی ضرورت ہوئی کہ کونسا طریقہ انتظام داخلی کے لیے جاری کیا جائے۔

محولِ بالا صوبجات وہ ہیں جو مرہٹہ سرداروں یعنی سندھیا اور راجہ برار سے فتح کیے گئے تھے اور دیگر وہ جو اسی زمانے میں ہز ہائینس پیشوا نے بمعاوضۂ امدادِ فوجی تفویض کیے تھے۔ سابق الذکر صوبجات دو آبے کے حصۂ عظیم پر محیط ہیں جو دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے اور جو موخر الذکر دریا کے داہنے کنارے پر کشمیر کے سلسلۂ جبل سے شروع ہو کر گنگا سے ملنے کے مقام تک گیا ہے اور صوبۂ کٹک پر جو مدناپور کے مغرب میں واقع ہے سمندری ساحل کی طرف سے احاطۂ بنگال کے محکوم صوبوں کو اُن صوبوں سے ملاتا ہے جو احاطۂ فورٹ سینٹ جارج کے تحت ہیں۔ موخر الذکر مقبوضات یا مفوضہ حصص ملک مشتمل ہیں صوبۂ بندھیل کھنڈ پر جو الہ آباد سے اوپر جمنا کی داہنی جانب واقع ہے۔

یہ صوبہ جات بہ استثنائے کٹک و بندھیل کھنڈ مرہٹوں کی جنگ کے دوران میں سپہ سالار اعظم لارڈ لیک آنجہانی کی عام نگرانی میں دیدیے گئے تھے جس کے احکام کی تعمیل کے لیے دیوانی کے حکام متعلقہ کو ہدایت کر دی گئی تھی۔ لیکن سنہ ۱۸۰۵ء میں حکومت برطانیہ اور مرہٹہ سرداروں کے

درمیان صلح طے پانے کے بعد دوآبے کے اور جمنا کی داہنی جانب کے علاقے شہر اور مضافات دہلی کو چھوڑ کر پانچ اضلاع میں تقسیم کر دیے گئے جو عدالتی اور مالی عہدہ داروں کے زیر انتظام کیے گئے اور یہ عہدہ دار احاطے کے اعلیٰ حکام کے زیر نگرانی اسی طرح رکھے گئے جیسا کہ اُن مفوضہ صوبجات اودھ میں کیا گیا تھا جن سے یہ علاقے ملے ہوئے ہیں۔ شہر دہلی اور اس کی نواح کا کچھ حصہ برائے نام حکومت مغلیہ کے تحت جاری رکھا گیا ہے لیکن دراصل وہ برطانوی رزیڈنٹ کے زیر اقتدار ہے۔ ل

حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ ان صوبوں میں وہی قوانین بروئے عمل لائے جائیں جو وہاں میں مفوضہ اضلاع اودھ اور ان کے مضافات میں نافذ کیے گئے تھے مگر یہاں کی رعایا کی ملتی جلتی عادات کی وجہ سے قوانین میں کچھ زیادہ ترمیم کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس موقع پر حکومت برطانیہ نے ان صوبوں کے مالکان اراضی کو اس خاکے سے واقف کرایا جو بندوبست مالگزاری کے لیے وہ اختیار کرنا چاہتی تھی[ق] یہ خاکہ بالکل وہی تھا جو مفوضہ اضلاع اودھ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے یعنی محال اور سائر محصول کی تفریق اور یک سالہ، سہ سالہ و چہار سالہ بندوبست کا یکے بعد دیگرے استقرار جن میں سے آخری بندوبست دوامی ہو جاتا تھا اگر مالکان اراضی اس پر راضی ہوتے۔

یہ شرائط اگرچہ حکومت کے ایک مطبوعہ قانون کے ذریعے شائع کی گئی تھیں تاہم ہر حصۂ ملک میں ان کی پوری پوری پابندی نہ ہو سکی۔ ایک سخت قحط کی وجہ سے فصل کی پیداوار اس قدر کم ہوئی تھی کہ حالیہ مالگزاری کی معافی لازمی ہو گئی اور آخر کار معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ معینہ مدت کے اختتام پر دوامی بندوبست کا وعدہ کر کے اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا تھا اور وہ اُن اختیارات کی حدود سے بھی آگے بڑھ گئی تھی جن کو سابق میں ایک مرتبہ لارڈ کارنوالس نے استعمال کر کے یہ وعدہ کیا تھا کہ اسی قسم کا بندوبست

عـــ ب ضابطہ ہشتم بابت ۱۸۰۵ء۔

عـــ ق ضابطہ نہم بابت ۱۸۰۵ء۔

دوامی، مالکان اراضی کے حق میں صوبہ جات نشیبی میں کر دیا جائے گا بشرطیکہ اس کے متعلق مجلس نظما کی منظوری بعد میں حاصل ہو جائے۔ لہذا حکومت نے ضابطۂ دہم بابت سنہ ۱۸۰۳ء میں اس فروگذاشت کی تلافی مالکان اراضی کو یہ اطلاع دے کر کر دی کہ چہار سالہ بندوبست جو دوامًا مقرر کیا جائے گا مجلس نظما کی توثیق پر منحصر ہوگا جو اس انتظام کے متعلق حاصل ہو۔

جب سہ سالہ بندوبست کی مدت اختتام کو پہنچی اور یہ ضروری معلوم ہوا کہ چہار سالہ بندوبست کے متعلق احکام نافذ کیے جائیں جو مذکورہ اطلاع کے بموجب دوامی ہو سکے تو حکومت نے اس کارروائی کو اس قدر اہم سمجھا کہ اس پر ایک خاص کمیشن کی نگرانی ضروری معلوم ہوئی جو آخر کار مقرر کر دیا گیا۔ یہ کمیشن ایک رُکن مجلس مالگزاری اور ایک تجربہ کار سیول ملازم پر مشتمل تھا جس کے ساتھ ایک معتمد، ایک محاسب، ایک مددگار اور دیسی عہدہ داروں کا ایک قابل عملہ بھی رکھا گیا تھا۔ اس کمیشن کو اضلاع مفوضہ ومفتوحہ کے معاملات مالگزاری کی عام نگرانی کے اختیارات دیے گئے لیکن اس حصۂ ملک کو جو دہلی کے شاہی خاندان کی امداد سے متعلق تھا نیز صوبۂ کٹک کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ جو اختیارات اور اقتدارات کمشنروں کو عطا کیے گئے وہ وہی تھے جنھیں سابق میں مجلس مالگزاری ان صوبوں میں استعمال کرتی تھی۔

مذکورۂ بالا غرض کے لیے ایک کمیشن کے تقرر کی اطلاع مجلس نظما کو دیتے ہوئے حکومت نے لکھا کہ صوبجات مفوضہ ومفتوحہ کی جو مسافت احاطے سے ہے اور ان صوبوں کے حقیقی ذرایع آمدنی کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے میں جو دشواری ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ اس اہم فرض کے لحاظ سے جو حکومت اور مالکان اراضی دونوں کے حق میں ادا ہونا چاہیے مجلس مالگزاری کا اقتدار جن پر یہ فرض صوبہ جات مفوضہ کی ذیلی حکومت کی برخاست کے بعد سے

---

(۱) دفعہ ۵ ضابطہ دہم بابت سنہ ۱۸۰۳ء۔

(۲) مراسلۂ مالگزاری بخدمت مجلس نظما مورخہ ۳۱ر جولائی سنہ ۱۸۰۷ء۔

عاید کیا گیا ہے) تشخیص و تصفیۂ بندوبست میں اس تناسب سے زیادہ کمزور تھا جو ہونا چاہیے تھا۔ اور اسی بنا پر نیز دیگر مقامی وجوہ سے کمیشن کا تقرر لازمی ہو گیا تھا۔

کمیشن کا کام شروع ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جدید حاصل کردہ رقبۂ ملک میں دوامی بندوبست جاری کرنے کی واجبیت میں شبہات پیدا ہوئے[1] اور یہ مناسب سمجھا گیا کہ کلکٹروں کی رائیں معاملۂ زیر بحث کے مختلف پہلوؤں کے متعلق طلب کی جائیں چنانچہ کمشنروں کے مُرسلہ سوالات کے جواب میں مذکورہ رائیں موصول ہوئیں۔

یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس معاملے میں حکومت اور کمشنروں کی تفصیلی کارروائی ابھی تک ہندوستان سے موصول نہیں ہوئی ہے۔ جو نقول ابتدا میں بھیجی گئی تھیں وہ جہاز کے ساتھ دریا برد ہو گئیں تاہم حکومتِ بنگال کی عام مراسلت سے نتیجہ ماخوذ کر لیا گیا ہے۔

کمشنروں نے اس دلچسپ اور اہم مسئلے پر اپنی آخری رُوداد مورخہ ۱۳ اپریل ۱۸۰۸ء میں بیان کیا کہ ان کی آرا" ان کے زیر اقتدار ممالک میں فوراً دوامی بندوبست جاری کرنے کے "خلاف ہیں اور چونکہ انھوں نے غالباً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حکومت نے مجوّزہ انتظام کو ہر صورت میں بروئے عمل لانے کا عزم بالجزم کر لیا ہے اس لیے ایسی کارروائی میں بحیثیت معین شریک رہنے کی بجائے جس کو وہ اپنے مقامی تجربے کی بنا پر پسند نہیں کرتے تھے انھوں نے اپنی خدمات سے استعفا دیدیا۔

یہ قیاس ناممکن ہے کہ کمشنروں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت بجز اس انتظام کی غیر موزونیت کے کوئی اور غرض ملحوظ رکھی ہوگی اور نہ حکومت نے ان سے کوئی اور غرض منسوب کی ہے۔ لہذا یہ بات قابل افسوس ہے کہ ان کی کارروائیاں اب تک مجلس کے سامنے نہیں آئی ہیں کیونکہ یہ ممکن

---

[1] مراسلۂ مالگزاری بخدمت مجلس نظار مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۰۸ء۔

ہے کہ جو آرا انھوں نے فوراً دوامی بندوبست نافذ کر دینے کے خلاف پیش کی ہیں ان سے یہ ظاہر ہو کہ حالات مقامی کے لحاظ سے ایک ایسے انتظام میں رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں جسکو عام اصول کے تحت خود کمشنر پسند کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ مراسلۂ سرکاری مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۰۸ء میں جس میں کمشنروں کے استعفاء کا ذکر ہے ان کی رُوداد اور یادداشت مرتبۂ مجلس اعلیٰ کا بھی حوالہ موجود ہے جس کو اُس کا جواب ظاہر کیا گیا ہے۔ خود اس مراسلے میں اُس انتظام کی موافقت میں اس سے زیادہ استدلال نہیں ہے کہ صوبہ جاتِ نشیبی میں دوامی بندوبست کے نفاذ کے لیے جو مباحث ہوئے اُن کی طرف اور اُن مفید اثرات کے تجربے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو اس سے اس حصۂ ملک میں مترتب ہوئے۔ اس کے بعد کے ایک مراسلہ مورخہ ۳۱ اگست سنہ ۱۸۱۰ء میں حکومت نے تفصیلی بحث میں پڑنے سے اس بنا پر گریز کیا ہے کہ "جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے" اہم وجوہ جو بدرجۂ اولیٰ اس انتظام کی تائید میں پیش کی جا سکتی تھیں پہلے ہی پیش کر دی گئی ہیں اور جو رُودادیں اور اطلاعیں ایسے جدید مجلس مامورین سے (جو مستعفی مامورین کی بجائے مقرر ہوئی تھی) وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہیں وہ انتظام مذکور کی تکمیل کے بعد اُس کی مناسبت اور معقولیت کو بلاشبہ ثابت کر دینگی"[1]

مجلس نظما کا ایسے استدلال سے جو عام اصول پر مبنی ہو قائل نہ ہونا قطعاً قابل تعجب نہیں ہے جب کہ اس انتظام کی مناسبت جو ان صوبوں میں نافذ کیا جانے والا تھا کلیتہً مقامی وجوہ پر یا حالیہ حاصل شدہ ملک کے ذرائع آمدنی کی معلومات پر اور خود رعایا کی اس واقعی قابلیت پر منحصر تھی جس کے ذریعے اسے وہ فوائد حاصل ہوں جو اس کے لیے تجویز کیے گئے تھے اُس ساری تفصیل میں شہادت کا غالب حصہ ان صوبوں میں فوراً دوامی بندوبست

---

[1] (بہت زیادہ سال نہیں گذرے تھے کہ حکومت کے طرز عمل میں انقلاب پیدا ہو گیا اور ۱۸۱۳ء میں دوامی بندوبست کو جس کے تحت زیادہ ستانی کے باعث کاشت کار بحیثیت مفلسی میں اور انتظام زمینداری کی دیگر متعدد خرابیوں میں مبتلا ہو جاتے قطعی طور پر ممنوع قرار دیدیا گیا)۔

نافذ کرنے کے بالکل خلاف ہے۔ اور اسی کے مطابق نظما نے اپنے جواب میں یہ ظاہر کیا کہ ان کا یہ منشا نہیں ہے کہ صوبہ جات مفوضہ و مفتوحہ میں بندوبست دوامی فوراً نافذ کر دیا جائے" کیوں کہ ان حصص ملک کی زمینوں کا لگان اسقدر جلد دواماً معیّن کر دینا قبل از وقت ہوگا جب کہ ان کے الحاق کو زیادہ مدّت نہیں گزری ہے اور اُس مالگزاری کا علم جو فی الواقع زمینداروں کے ذریعے وصول کی جاتی ہے نیز ان کی قابلیت کا اندازہ لازمی طور پر نامکمل ہوگا اور جب کہ خود رعایا بھی ان کی حکومت سے ابھی تک بہت کم مانوس ہے"۔ مزید برآں انھوں نے یہ بیان کیا کہ " صوبجات نشیبی کے بندوبست میں ان کے ذرایع آمدنی کے طویل تجربے کے بعد بھی جو غلطیاں ہوئیں اور جو دشواریاں اس میں پیش آئیں وہ باوجود اس کے کہ وہاں کے باشندے طویل تر مدّت سے برطانوی حکومت کے تحت رہے تھے، اس خطرے کو ظاہر کرتی ہیں جو مجوّزہ انتظام میں عجلت کرنے سے پیدا ہوگا اور ایک ایسے انتظام کو بروئے عمل لانے میں بہت احتیاط اور غور کرنے کی مناسبت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو ناقابل تنسیخ ہوگا۔"[سلہ]

مجلس نظما کے سامنے اس وقت کمشنروں کی وہ رُوداد نہ تھی جو انگلستان کو ایک ایسے جہاز میں روانہ کی گئی تھی جو غرق ہو گیا تھا۔ اس کی ایک نقل بعد کو وصول ہوئی اور اس پر غور کرنے کے بعد گزشتہ سال کے آخری حصے میں ایک مراسلہ ہندوستان روانہ کیا گیا جس میں مجلس نظما نے صوبجات مفوضہ و مفتوحہ میں فوراً یا عجلت کے ساتھ دوامی بندوبست قایم کرنے کی تجاویز کے خلاف زیادہ واضح و فیصلہ کن الفاظ استعمال کیے اور سمندر پار کی حکومت کو پانچ سال سے زیادہ مدّت کے پٹّوں کا قرارداد کرنے

ے۶ مراسلہ متعلقۂ بنگال مورخہ ۲۰ فروری سنہ ۱۸۱۰ء فصل ۴۵ و ۴۶۔

سلہ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مجلس نظما نے بہت پہلے یعنی سنہ ۱۸۱۰ء میں ہی مالی نقطۂ نظر کے علاوہ اور وجوہ کی بنا پر دوامی بندوبست کی خرابیاں محسوس کر لی تھیں۔

سے رُوکا ہے۔ اس مراسلے[ع۱] میں نظما نے اس طریق نظم ونسق پر اظہار رائے کو ملتوی کر دیا ہے جس کا نفاذ ان صوبوں میں جن کی مالگزاری قطعی طور پر معین نہیں ہوئی ہے انجام کار مناسب سمجھا جائیگا اور مستقبل قریب میں اس موضوع پر اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ ظاہر کرنے کا قصد کیا ہے۔ اور محولہ بالا مراسلے کے ملاحظے[ع۲] کے بعد ان کی جو رائے قائم ہوئی اس کو وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان صوبوں کا آخری مجوزہ بندوبست مالگزاری کسی دوسرے طور پر بالکل ناقابل اعتراض ہے تب بھی وہ قبل از وقت ہوگا اور نتیجۃً اس سے مالگزاری کا کثیر نقصان ہوگا اور یہ کہ وہ کسی طرح بھی ملک کے ذرائع آمدنی سے آگاہ ہیں نہ مالکان اراضی کے مختلف طبقوں کے قدیم رسم ورواج اور حقوق سے اس قدر کافی واقفیت رکھتے ہیں کہ ایک ایسی اہم کارروائی کر بیٹھیں جو بلحاظ نوعیت ناقابل تنسیخ ہوگی۔ رہا یہ کہ آیا یہ تجویز آیندہ کسی وقت قابل پذیرائی ہوگی اور اس میں کسی قسم کی ترمیمات مناسب ہوں گی ایسے سوال ہیں جو مباحثے کے لیے کھلے رہیں گے"

حکومت بنگال کا دوامی بندوبست مقرر کرنے کا ارادہ صوبہ جات مفوضہ و مفتوحہ کے باشندوں کو مدت دراز قبل ایک قانون مورخہ ۲۴ ر مارچ سنہ ۱۸۰۳ء کے ذریعے معلوم کرا دیا گیا تھا جس میں مجلس نظما کی منظوری کی شرط ترک کر دی گئی تھی[ع۳]۔ اس فروگذاشت کی تلافی جیسا کہ مجلس نے پہلے ہی بیان کیا ہے ایک قانون مابعد سے کر دی گئی۔

اگرچہ وہ دو کمشنر جو مستعفی کمشنروں کی بجائے مقرر ہوئے ہیں اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں غالباً زیادہ اطاعت کیش ہونگے اور اپنے بالادستوں کے احکام کی مناسبت کے متعلق دریافت یا بحث کیے بغیر ان کی تعمیل کیا کریں گے تاہم

ع۱ - مراسلۂ مالگزاری متعلقۂ بنگال مورخہ ۲۷ ر نومبر سنہ ۱۸۱۱ء۔

ع۲ - ضابطہ نشان ۲۷ بابت سنہ ۱۸۰۳ء۔

ع۳ - ضابطہ نشان ۱۰ بابت سنہ ۱۸۱۲ء۔

یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ مذکورۂ بالا ہدایات کے وصول ہوتے ہی حکومتِ بنگال مجوزّہ بندوبست کو ملتوی کردے گی تا کہ مجلس نظما کی خدمت میں اہم امور کے متعلق کامل تر معلومات بھیجنے کے لیے موقع ملے مثلاً جدید مقبوضات کی نوعیت و ذرایع آمدنی اراضی کاشت شدہ کی نیز ایسی اراضی کی وسعت جو زیرِ کاشت لائی جاسکتی ہو کیفیت و قیمتِ پیداوار، نوعیت قبضۂ اراضی، وصول یابیٔ لگان کا طریقہ کہ آیا وہ بصورت نقد ہوگا یا بشکل تقسیم فصل جس کا متناسب حصہ حکومت، اس کے افسروں اور کاشتکاروں کے لیے مخصوص ہوگا۔ نظم و نسق مالگزاری کی حالیہ تاریخ اور مقامی رسم و رواج، باشندوں کی عادات و خصایل اور دیگر حالات جو مقامی تحقیقات کے دوران میں ظاہر ہوں۔ مجلس نظمائے فطری طور پر ان تمام امور سے واقف ہونے کی خواہشمند ہوگی قبل اس کے کہ وہ ایسے انتظامات کے متعلق منظوری دیدے جن سے مدت قبضۂ اراضی محدود اور معیّن ہونے کے علاوہ حدود ملک کی وہ مقدار مالگزاری دوامًا مقرر ہو جائیگی جو حکومت کو واجب الوصول ہو۔

مجلس نے اب اس داخلی انتظام حکومت کی کیفیت پیش کردی ہے جس کی بنا لارڈ کارنوالس نے ڈالی اور جو ۱۷۹۳ء کے شایع شدہ ایک مجموعۂ قوانین کے ذریعے نافذ کردیا گیا اور مالگزاری، عدالت اور پولیس کے ہر شعبے سے متعلق ان ترمیمات کا ذکر کردیا ہے جو ساتھ ہی ساتھ قوانین مذکور کو کامل تر بنانے کے لیے اختیار کی گئیں۔

مجلس نے اس طریقے کا بھی ذکر کردیا ہے جس پر محوّلِ بالا انتظام کو صوبۂ بنارس اور دیگر ان ممالک میں نافذ کردیا گیا جو حال میں نواب وزیر اودھ سے بذریعۂ عہدنامہ اور مرہٹہ ریاستوں سے بعوض امداد فوجی و بذریعۂ فتح حاصل کیے گئے ہیں[۱]۔

۱۔ رقبہ متعلقہ رُوداد میں جدید صوبجات بنگال، بہار و اوڑیسہ، صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ

اب مجلس اس جدید انتظام کے عملی اثرات کی تشریح کرے گی جو اس کے زمانۂ نفاذ سے لے کر ہندوستان سے تازہ ترین ہدایات کے موصول ہونے تک مترتب ہوئے۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور کچھ حصۂ پنجاب کلیتہً یا ایک بڑی حد تک شامل ہے۔ اس میں آسام کے دو ضلع گول پارا اور سلہٹ بھی شامل ہیں جو پہلے بنگال کا جزو تھے۔ رُوداد میں جو حصہ اوڑیسہ سے موسوم ہے وہ موجودہ بنگال کا ضلع مدناپور ہے۔ موجودہ اوڑیسہ زیادہ تر مفتوحہ صوبۂ کٹک پر مشتمل ہے۔ جس رقبے کا دوامی بندوبست ہوا ہے اس میں صرف موجودہ بنگال (مع چند مستثنیات کے) آسام کے دو ضلعوں کا کچھ حصہ اور صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ کا ایک حصہ یعنی قدیم صوبۂ بنارس شامل ہے۔

حصۂ سوم

داخلی حکومت کے جدید انتظام کے عملی اثرات کا بیان

محکمۂ مال

دیسی حکومت کے تحت اور ایک حد تک حالیہ تغیّر انتظام سے پیشتر کی برطانوی حکومت صوبہ جات ہند کے تحت ممتاز زمینداروں اور دیگر ذی وقار باشندوں کا یہ عمل درآمد تھا کہ وہ اپنے رُتبے کے مطابق حکمران طاقت سے تعلقات قایم رکھتے تھے اور بذات خود یا ان کی جانب سے وکیل دارالحکومت پر یا اس ضلع کے حاکم کے پاس متواتر موجود رہتے تھے جہاں ان کی اراضی یا املاک واقع ہوتی تھیں. دربار میں کوئی دلچسپی پیدا کرلے یا کسی مقتدر سرپرست کی حمایت حاصل کرنے کی فکر ہمیشہ ان کی دامن گیر رہتی تھی یہ تعلقات اور یہ مشاغل جدید انتظام کے تحت مسدود یا بے سود ہوگئے تھے. زمیندار کو اراضی پر مالکانہ حقوق حاصل ہوگئے. تشخیص مالگزاری جس پر وہ بہ طیب خاطر راضی ہوا تھا دواماً مقرر کردی گئی اور اُسے اپنی جائداد پر طویل تر مدت تک قابض اور اس سے متمتع ہونے کے لیے جس حفاظت کی اب ضرورت رہ گئی تھی اس کے متعلق اُسے مجموعۂ قوانین کی راہ بتادی گئی. جب تک وہ ان قواعد کی جو اس میں اس کی رہنمائی کے لیے درج ہیں سختی کے ساتھ پابندی کرے گا

اُسے کسی خوف کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ اطمینان کے ساتھ نفاذ قوانین کو اپنی حفاظت کا ضامن سمجھ سکتا ہے اور دوسری جانب اس کے لیے یہ لازم گردانا گیا کہ وہ احتیاط کے ساتھ اور ٹھیک طور پر قوانین مذکور کی ماہیت سے واقف ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ خلاف ورزی کی صورت میں مستوجب سزا قرار پائے۔

ملک کی اصلاح اور باشندوں کی حفاظت و خوشحالی جس کے رفتہ رفتہ پیدا ہونے کی توقع جس طرح حکومت کو اس تغیر انتظام سے تھی اسی طرح ان قوانین کی ناگزیر یکسانی پر بھی منحصر تھی جو ساری قوم میں جاری ہوں اسی لیے یہ بات اہم قرار دی گئی کہ قوانین کا عمل خواہ وہ مفید ہو یا مُضر صریح طور پر معلوم ہونا چاہیے۔

اس غرض کے لیے یورپین ملازمین کی جو مختلف محکموں میں مامور تھے عام طور پر ہمت افزائی کی گئی اور ضابطہ نہم بابت ۱۷۹۳ء کے ذریعے دورہ کرنے والے ججوں کا یہ فرض قرار دیا گیا کہ وہ بحیثیت سرکاری اس موضوع پر اپنے مشاہدات کی کیفیت پیش کیا کریں اور ایک قاعدہ مقرر ہوا تاکہ مروج قوانین کے نقائص پر حکومت کو توجہ دلائی جا سکے اور جدید قوانین کی ترتیب میں چارۂ کار تجویز کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس فرض کو پہلی مرتبہ ذیل کے اہم موقع پر انجام دیا گیا۔

جدید انتظام نے سخت سزاؤں کی تحدید سے اس اقتدار کو موقوف کر دیا تھا جو سابق میں زمیندار اپنے اسامیوں اور کاشتکاروں پر اور مالگزاری کے کلکٹر زمینداروں پر استعمال کرتے تھے اور تمام شخصی زیادتیوں اور متنازع حقوق کے تصفیے کے لیے حالیہ قایم شدہ عدالتوں کا دروازہ بتا دیا تھا۔

وہ قانون جو ان اصول کے اتباع میں سرکاری بقایا کے تادیے کے لیے باقیدار کی اراضی کی فروخت کے متعلق مقرر کیا گیا تھا کافی طور پر موثر اور مختصر تھا۔ لیکن فصل یا دیگر جایداد کی ضبطی کے قواعد جو یورپ کے عمل درآمد پر مبنی تھے اور جن کا منشا یہ تھا کہ زمینداروں کو اپنا لگان وصول کرنے کے قابل بنایا جائے کیونکہ صرف اسی صورت میں وہ سرکاری معاہدات کی پابندی کر سکتے تھے، اچھی طرح نہیں سمجھے گئے اور آسان طور پر قابل عمل نہیں پائے گئے۔ عدالتہائے دیوانی میں غیر منفصل مقدمات کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ انصاف کی راہ ہی تقریباً بند ہو گئی یا کم از کم اس

سے زمیندار کے لیے اس توقع کی گنجایش نہیں رہی کہ اس کی نالش متعلقہ وصولیابی لگان کا فیصلہ اس سے قبل ہو جائیگا کہ خود اس کی اراضی ایک زیادہ عجلت پسند طریق کارروائی کے ذریعے جو حکومت نے اس کے مقابلے میں قایم کیا ہے، بقایا کے تصفیے کے ضمن میں نیلام پر چڑھ جائے۔ ان حالات پر ۱۷۹۵ء میں ہی منجانب مجلس مالگزاری حکومت کو توجہ دلائی گئی تھی کیونکہ اس بارے میں مختلف حصص ملک سے اس کے پاس شکایات وصول ہوئی تھیں خصوصاً وسیع وبیش آباد ضلع بردوان سے جہاں دیوانی مقدمات دایر شدہ کی تعداد جج کے اجلاس پر تیس ہزار سے زیادہ بیان کی گئی تھی اور جہاں اندازہ کر کے یہ بتایا گیا تھا کہ مقررہ طریق کارروائی کے تحت کسی مقدمے کا فیصلہ اس کے دایر ہونے کے زمانے سے لے کر مدعی کی ساری زندگی میں بھی ہونے کی توقع نہ تھی[1]۔

حکومت نے اپنے جواب میں جو مجلس مالگزاری کو دیا گیا نیز اپنی رائے میں جو مجلس نظما کو بھیجی گئی یہ تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی کہ جو برائیاں اور شکایتیں بیان کی گئی ہیں وہ سرکاری قوانین کے نقایص سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان چند مخصوص مثالوں کو جو پیش کی گئی تھیں حکومت نے زیادہ تر بدانتظامی سے منسوب کیا جو ایک طویل مدت سے متعدد بڑے زمینداروں کے اطوار میں پائی جاتی تھی اور یہ کہ اس کی اصلاح کی توقع مرور زمانہ سے اور اُن اصول پر عمل پیرا ہونے سے کیجا سکتی ہے جو قوانین میں موجود ہیں۔ مزید برآں حکومت نے یہ رائے ظاہر کی کہ خود شکایات کے جو اسباب پیش کیے گئے ہیں یعنی وہ جن کے ذریعے اسامیوں کو لگان کا تادیہ روک دینے کا موقع ملتا تھا یہ ظاہر کرتے ہیں کہ باشندوں کا ایک کثیر حصہ جو کاشتکاری میں مشغول رہتا ہے اپنے کو قوانین کی بدولت بہت محفوظ پاتا ہے اور اب کسی قسم کے استحصال ناجائز کا شکار نہیں ہوتا۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ جن

---

[1] ضمیمہ نشان ۱۲۔

نقایص کی شکایت کی گئی تھی اُن کا اثر کاشت کاروں پر نہیں بلکہ زمینداروں پر پڑتا تھا جو اب اپنی باری پر مقدم الذکر طبقے کی بہ نسبت بدعنوانیوں سے پریشان حال تھے بلکہ عدالتوں کی اس کمزوری سے بھی کہ وہ ان کی دادرسی نہیں کر سکتی تھیں۔ اور چونکہ اس صورت حال میں ترقی ہونے سے یہ گمان غالب تھا کہ حکومت کے مفاد کو ضرر پہنچے گا کیونکہ نیلام شدہ اراضی کی شرح تشخیص میں اور زمینداروں کی جائدادیں کمی ہو جائے گی اس لیے یہ لازم ہو گیا کہ کوئی چارۂ کار اختیار کیا جائے۔ چنانچہ حکومت نے کارروائی شروع کی اور پہلے ضبطی جائداد کے قواعد کی ترمیم کی کیونکہ جہاں ان کا منشا یہ تھا کہ زمینداروں کو کاشتکاروں اور اسامیوں سے جبراً لگان کا تادیہ کرانے میں سہولت بہم پہنچے وہاں یہ محسوس ہوا کہ ان شرائط کے باعث جو ان قواعد کی کارفرمائی پر عاید ہیں مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قابل اعتراض دفعات منسوخ کر دی گئیں اور ایک نیا ضابطہ ان نقائص کو رفع کرنے کی غرض سے نافذ کیا گیا[ب]۔ مزید عدالتیں قایم کی گئیں اور ان دیسی اشخاص کی تعداد اور اقتدار میں جو چھوٹے مقدمات کی سماعت کا اختیار رکھتے تھے فوراً اضافہ اور وسعت کر دی گئی۔ لیکن اُس تاخیر کے متعلق جو مروج ضابطۂ کارروائی سے منسوب کی جاتی تھی حکومت نے کوئی تبدیلی ضروری نہ سمجھی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ "ضابطے کی پابندی، مناسب عدل گستری اور مقدمات کی جلد یکسوئی کے لیے لازمی ہے[ج]"۔ حکومت نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان نفاذ یافتہ اصلاحات کی تاثیر اس قانون کے عمل سے ظاہر ہو گی جس کی بنا پر دورہ کرنے والے ججوں کو میعادی رُودادیں روانہ کرنی پڑتی ہیں اور عدالتی محکموں کے کاروبار کی حالت کے متعلق ایک نیا قانون وضع کیا گیا جس کی رُو سے یہ لازم گردانا گیا کہ ماہواری اور ششماہی رُودادیں مقدمات منفصل کی نیز اُن مقدمات

[الف] یہ سختی جو برائے نام مسدود کر دی گئی اب بھی ایک بڑی حد تک دوامی بندوبست کی میراث کے طور پر جاری ہے۔

[ب] ضابطہ نشان ۳۵ بابت سنہ ۱۷۹۵ء۔

[ج] مراسلۂ مالگزاری مورخہ ۱۵ رمئی سنہ ۱۷۹۵ء۔

کی جو فیصلہ طلب رہ گئے ہوں تمام ملک کی مختلف عدالتوں سے پیش ہوا کریں۔

مجلس نظار کو ان اصلاحی تدابیر سے مطلع کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا تھا کہ[ے] جو مباحث ان کو اختیار کرنے کا باعث ہوئے ہیں ان سے داخلی حکومت کے جدید انتظام کا مفید عمل ظاہر ہوگا جس میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ اگر کوئی قانون اپنی غرض وضعی کے لیے ناکافی یا موجب دشواری ہو تو اس نقص پر فوراً حکومت کو اس طرح توجہ دلائی جائے گی کہ جہاں اس میں اس کی وسعت اور نوعیت کا ذکر ہوگا وہاں ساتھ ہی ساتھ ایک مناسب چارہ کار بھی پیش کیا جائے گا۔

اس کے بعد کے چار سال کے تجربے نے ان توقعات کو حق بجانب ثابت نہیں کیا جو اختیار کردہ چارۂ کار کے موثر ہونے کے متعلق قایم کی گئی تھیں بلکہ یہ ظاہر کیا کہ جن دشواریوں اور تکلیفوں کی شکایت کی گئی تھی وہ اب بھی جاری ہیں۔ مالگزاری پابندی کے ساتھ وصول نہیں ہوتی تھی۔ اور اراضی ایک بڑی حد تک بقایا کی وصولیابی کے ضمن میں نیلام کے ذریعے مقررہ وقت پر فروخت ہوا کرتی تھی۔ سنہ ۱۲۰۳ھ مطابق سنہ ۹۷-۱۷۹۶ء میں اراضی مشتہرہ برائے نیلام کی جمع ۱۰،۰۶،۰۷،۰۲۸ روپیہ (۳۳۲،۹۲۷ پونڈ) تھی، جو حصص زمین فی الواقع فروخت ہوئے ان کی جمع ۱۴،۱۸،۷۵۶ روپیہ (۱۶۴،۵۷۶ پونڈ) تھی اور زرِثمن ۱۶،۱۴،۰۹۰،۷ اروپیہ (۲۰۷،۶۸۸ پونڈ) تھا۔ سنہ ۱۲۰۴ھ مطابق سنہ ۹۸-۱۷۹۷ء میں اراضی مشتہرہ کی مالیت ۱،۹۱،۶۶،۲۶ روپیہ تھی، جو قطعات فروخت ہوئے ان کی مالیت ۷۶،۰۴،۷۲۲ روپیہ تھی اور زرِثمن ۵۰،۰۵،۴۷،۲۱ روپیہ تھا۔ باقیداروں میں ملک کے بعض قدیم ترین اور معزز ترین خاندان تھے۔ ان میں راجگان ندیا، راج شاہی، بشن پور، کوسی جورہ وغیرہ تھے جن کی جائدادوں

ے۔ مراسلہ بخدمت مجلس نظار۔

۔ یہ بہت مشتبہ ہے کہ زمینداروں کے رقم مالگزاری ادا نہ کر سکنے کی وجہ جس کو مجلس نے کلیتہً

کی علیحدگی ہر سال آیندہ کے اختتام پر انہیں مفلسی اور بربادی پر تنبیہ کرتی تھی اور بعض صورتوں میں سرکاری مشخص رقم کو بلا تخفیف برقرار رکھنے کی کوشش میں عہدہ داران مالگزاری کو بہت دشواریاں پیش آتی تھیں۔

لیکن یہ بتایا گیا ہے کہ دوامی بندوبست کے جاری کرنے کے بعد سے اب تک جو زمانہ گذرا ہے اس میں اگرچہ ایسی باقاعدگی کیساتھ مالگزاری وصول نہیں ہوئی جیسی کہ توقع تھی تاہم جو سرمایہ یا رقم وصول ہوئی وہ کسی سابق زمانے کی رقم سے کم نہ ہونے پائی بلکہ مقابلۃً کچھ زیادہ ہی رہی۔ اس امر کے ثبوت میں حکومت نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۱۳ راکتوبر سنہ ۱۷۹۹ء میں نظار کو ان کے احکام مورخہ ۱۲ راپریل سنہ ۱۷۸۶ء کیطرف توجہ دلائی جن میں بندوبست مالگزاری کے متعلق ان کی رقم متوقعہ ۲٫۶۰٫۰۰٫۰۰۰ روپیے بتائی گئی تھی حالانکہ واقعی جمع کی اوسط مقدار بندوبست مذکور کی تکمیل کے بعد اس رقم کے مقابلے میں سالانہ پانچ لاکھ روپیے کے اضافے سے بڑھی ہوئی رہی اور اس کے علاوہ گزشتہ اپریل کے اختتام پر واجب الوصول بقایا کی رقم ۲۹٫۰۰٫۰۰۰ روپیے بھی تھی۔

حکومت نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ سب کچھ بروئے کار لایا گیا باوجود اس کے کہ شخصی زیادتیوں کو جو سابق میں مروج تھیں ترک کردیا گیا تھا اور بہت احتیاط کے ساتھ سرکاری معاہدات کی بلانقص پابندی کی جاتی رہی اور جب کبھی کوئی انحراف کیا گیا ہے تو وہ حکومت کے ذرایع آمدنی کو بڑھانے کے مقصد سے نہیں بلکہ حکومت کے مفاد کی قربانی سے فریق متعلقہ کو نجات دلانے کے لیے کیا گیا۔

غالباً یہ خیالات اس لیے ظاہر کیے گئے کہ نظار کی خوشنودی محکمۂ مال

(باقی حاشیہ صفحۂ گذشتہ) کاشتکاروں کی بداعمالیوں سے منسوب کیا ہے صحیح ہے۔ مثلاً راج شاہی کی زمینداری کی تباہی کا باعث زیادہ تر یہ ہوا کہ راجہ تارک الدنیا ہوگیا تھا اور اس کے کارکن جایدادیں حاصل کرنے کی سازش میں پڑ گئے تھے۔ یہ مؤخر الذکر وجہ سازے بنگال میں کاشتکاروں کی سرکشی کی بہ نسبت زیادہ قوی تھی۔

کے اُن معاملات کے متعلق حاصل کی جائے جو اور طور پر ناقابل تشفی تھے کیونکہ علاوہ مذکور بالا طریق ضبطی کے جس نے بڑے بڑے زمینداروں کو تباہ کردیا تھا اور اُن مسلسل اشتہاروں کے باوجود جو بغرض وصولیابی بقایا جایداد کے نیلام ہونے کے متعلق سرکاری اخباروں میں شایع ہوتے تھے، مقررہ حدود ملک کی مالگزاری اس آسانی اور پابندی کے ساتھ جو ضروری سمجھی گئی تھی وصول نہیں ہوسکتی تھی حتیٰ کہ بعض ارکان مجلس مالگزاری کو ان کثیر رقوم بقایا کی وجہ سے جو اس زمانے میں واجب الوصول تھیں مالکان اراضی کے جبراً بقایا وصول کرنے کے اختیارات کو محدود کرنے کے لیے سابق طریقے کی سفارش بہت زور کے ساتھ کرنی پڑی[ع] ۔ لیکن حکومت نے اس کو اس بنا پر منظور کرنے سے انکار کیا کہ اس سے مالکان اراضی کی وقعت میں کمی اور ان کے اقتدار اور وقار میں تنزل ہو جائیگا اور اس سے وہ اپنی ذاتی محنت کے پھل سے ایک ایسے وقت محروم ہو جائیں گے جب کہ ان کے کاروبار کی صورت حال نے ذاتی محنت کو ان کی آسایش کے لیے بہت ضروری کردیا ہے[ف] ۔ حکومت کی یہ رائے تھی کہ اپنی جائدادوں کو کھو بیٹھنے کا خوف جو بقایا کے تادیے میں مستوجب نیلام تھیں زمینداروں کو ذاتی بے غرضی کے کسی خیال کی بہ نسبت زیادہ قوت کے ساتھ متاثر کرے گا۔ اور اس نے یہ ضروری سمجھا کہ زمینداروں کے اقتدار کو ان کاشتکاروں پر کمزور کردینے کی بجائے قوی کردیا جائے جو عدالتوں کی عام حفاظت کی آڑ میں ایسا اتحاد قایم کرلیتے ہیں جس کے ذریعے وہ زمینداروں کو بہت مضرت بخش طریقے سے ستا سکتے ہیں اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے ایسے حقوق جن میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہونا چاہیے ایک طویل اور پُرمصارف کارروائی کے ذریعے حاصل کریں۔

ع یادداشت مرتبۂ صدر مجلس مالگزاری مورخۂ ماہ جولائی سنہ ۱۷۹۹ء۔

ف مراسلۂ مالگزاری مورخۂ ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۷۹۹ء۔

گے مجلس نظما کے سامنے اس صورت حال کی تشریح کرتے ہوئے یہ بیان کیا گیا کہ اسامیوں کی شورہ پشتیاں اگرچہ ان کا اثر زمینداروں کو برباد کرنے میں بعض خاص صورتوں میں قابل افسوس ہے تاہم ایک ایسے تغیر حالات کا پتہ دیتی ہیں جس کو اطمینان کی نظر سے دیکھنا چاہیے کیوں کہ اس سے اس عام حفاظت کے حقیقی اور موثر ہونے کا ثبوت ملتا ہے جو عام اور مساویانہ عدل گستری سے مقصود تھا۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابق میں جو ظلم مقتدر زمیندار کیا کرتے تھے اس کو روکنے کے لیے جس احتیاط اور توجہ کو ملحوظ رکھنے کی خواہش مجلس نظما نے تردد کے ساتھ حکومت سے کی تھی وہ ضایع نہیں گئی اور یہ کہ ان کوششوں کی کامیابی کے ذریعے کثیر حصۂ رعایا کی خوشحالی اور ترقی آبادی وزراعت و تجارت کی بنیاد ملک کی عام بہبودی کے لیے ڈالی گئی۔ ایک یادداشت پر جو کسی رکن مجلس مالگزاری نے بعض بڑے بڑے زمینداروں اور مالکان اراضی کی ایک بڑی تعداد کی بربادی کے متعلق مرتب کی تھی حکومت نے یہ رائے ظاہر کی کہ زیر بحث مثالوں میں جو کچھ پیش آیا ہے اس کی تشریح میں معمولی بدانتظامی اور اسراف کے علاوہ کوئی اور وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی نوعیت کی نہیں ہیں جو کئی سال کے دوران میں بھی تعجب خیز ہوں۔ اور یہ پہلے ہی سمجھ لیا گیا تھا کہ بڑی بڑی زمینداریوں کا انتظام بدرجۂ غایت مشکل ہو جائے گا اور یہ بڑی بڑی جائدادیں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہو جائینگی اور رفتہ رفتہ ان کی ذیلی تقسیم ہو جائیگی اور یہ ایک ایسا واقعہ ہوگا جو باوجود اس کے کہ ایک واحد مالک پر اثرانداز ہونے کے باعث قابل افسوس ہو عام طور پر ملک کے لیے غالباً مفید ثابت ہوگا کیونکہ جائدادیں زیادہ قابل اور کفایت شعار منتظمین کے قبضے میں چلی جائینگی"۔ اسی مضمون پر ایک بعد کے مراسلے میں ھے جس میں حکومت نے

گے مراسلۂ مالگزاری مورخۂ ۳۱ر اکتوبر ۱۷۹۹ء۔

ھے مراسلۂ مالگزاری مورخۂ ۵ر ستمبر ۱۸۰۰ء۔

راجگان دیناج پور و راج شاہی کی تباہی کے متعلق رائے ظاہر کی ہے جن کی جائدادیں مختلف اوقات میں قرق کی گئیں اور آخر کار کلیتہً فروخت کر دی گئی تھیں، یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس خیال سے تشفی ہوتی ہے کہ ان بڑی بڑی زمینداریوں پر جو کچھ گذرا ہے اس سے اراضی پر بہتر منتظمین کا قبضہ ہو جائے گا جن سے ملک کو ترقی دینے کی اور اپنے ذاتی مفاد کے ساتھ ساتھ محنتی کاشتکاران ملک کی بہبودی کی اور ملک کی عام خوشحالی میں اضافے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اس طرح حکام انگلستان کے سامنے جدید انتظام کے اثرات اور رجحانات کی تشریح میں حکومت کو عام طور پر کچھ تعریف کرنے کا موقع مل گیا جب کسی ایک شکل میں قوانین کا عمل حکومت کی توقعات کے خلاف ثابت ہوتا تو دوسری شکل میں ایسے کچھ نہ کچھ اپنی تسلی کا سامان یوں مل جاتا کہ ایک دوسری غرض جو مختلف مگر مساوی اہمیت کی ہوتی پوری ہو جاتی تھی پس ضبطی جائداد کے قوانین لئے اگرچہ زمینداروں کو اُن اختیارات کے عطا کرنے کی بجائے جو پہلے وہ استعمال کرتے تھے اسامیوں اور کاشتکاروں کو ان کے مالکان اراضی کی بربادی کے لیے متحد کر دیا تھا (جیسا کہ بیان کیا گیا ہے) تاہم مشاہدے میں اس صورت حال سے یہ ظاہر ہوا کہ باشندوں کی کثیر تعداد قوانین کی حمایت سے بہت متمتع ہوتی ہے اور اب وہ کسی استحصال ناجائز کے عمل کی شکار نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے جب جائدادوں کے نیلام اور بڑے زمینداروں کی بے دخلی کے اعلان کی ضرورت ہوئی تو یہ بیان کیا گیا کہ خواہ ان باقیداروں کی تباہی کتنی ہی قابل افسوس ہو نظام اس امر کو بنظر اطمینان دیکھیں گے کہ اس تباہی کے باعث ان کی جائدادوں کو تقسیم کرنے اور ان کی مملوکہ اراضی کو بہتر منتظمین کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کا مقصد عظیم حاصل ہوا۔

آپ کی مجلس یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ آرا فیاضی اور رحمدلی کے اُن احساسات سے متغایر ہیں جو ہندوستان کی مراسلت میں متعدد مرتبہ ظاہر کیے گئے ہیں اور ان سے حکمران قوت کی نیک نیتی کے بارے میں جو

بڑے زمینداروں[1] کی بہبودی کے متعلق ظاہر کی گئی تھی شبہات پیدا ہو سکتے ہیں اگر یہ یقین نہ ہوتا کہ جس وقت وہ لکھی گئی ہیں اس وقت حکومت اور اس کے اعلیٰ عہدہ دار شکایات پیش شدہ کے متعلق چارۂ کار اختیار کرنے میں سرگرمی کے ساتھ منہمک تھے۔ یہ بات اُن کثیر مباحث سے جو اس موضوع پر ہوئے نیز اُن جدید قوانین کی ترتیب سے آشکارا ہوتی ہے جو اس وقت نافذ کیے گئے مگر ان تدابیر کی تشریح کرنے سے قبل مجلس کچھ خیالات اُن ظاہرا اسباب کے متعلق پیش کرنا چاہتی ہے جن کے باعث زمیندارانِ مذکورِ بالا حالت میں مبتلا ہوئے جو اس صورت سے بالکل مختلف تھی جس کی توقع جدید انتظام کے عمل اور اثر کے تحت کی گئی تھی۔

محولِ بالا قرقی کا اصل سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت سے پیدا ہوا جو دوامی بندوبست کے مقامات پر اس قرارداد سے ظہور پذیر ہوئی تھی کہ مشخص رقم مالگزاری کی ضمانت کے طور پر اور ساتھ ہی ساتھ شرائط مقررہ کے تحت بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے اراضی پر قبضہ کر لیا جائے۔

دیسی حکومتوں کے تحت باقیداروں سے بقایا کی وصولیابی بعض اوقات ذاتی جائداد کی قرقی اور ضبطی یا شخصی جبر کے ذریعے کیجاتی تھی۔ زمیندار کو یہ تحقیر برداشت کرنی پڑتی تھی کہ اس سے زمینداری کا انتظام چھین لیا جائے اور سزاول[2] کے حوالے کر دیا جائے۔ اسے قید کیا جا سکتا تھا کوڑوں سے مارا جا سکتا تھا اور اس خیال سے جسمانی تکلیف میں اسے مبتلا کیا جا سکتا تھا کہ اس سے اس کے پوشیدہ مال کا پتہ چلایا جائے۔ وہ زمینداری سے بے دخل کر دیا جا سکتا تھا۔ اس پر یہ جبر کیا جا سکتا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے یا موت قبول کرے۔ لیکن زمیندار خواہ کتنی ہی

---

[1] یہ خیال ظاہر کرنا ایک غلطی ہے کہ کسی وقت بھی دوامی بندوبست سے بڑے زمینداروں کی خوشحالی متصور تھی لارڈ کارنوالس کی یادداشت سے بالکل صاف طور پر ظاہر ہے کہ اس کا منشا یہ تھا کہ اُس وقت جو زمیندار تھا اگر وہ ناکارہ ثابت ہو تو اس کی بجائے دوسرا بہتر منتظم شخص مقرر کیا جائے۔

[2] سزاول، ملاحظہ ہو فرہنگ صفحہ ۲۷۶۔

مصیبت میں گرفتار ہو جائیں یا کیسی ہی سختی، ناانصافی اور ظلم اُن کے ساتھ کیا جائے انہیں اپنے رُتبے کے برقرار رہنے اور زمیندار تصور کیے جانے سے تسلی حاصل ہو جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ خود ان پر حکومت کا عتاب نازل ہو جس کے باعث انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن اُن کا خاندان اجتماعی تعلقات کی وجہ سے اسی رُتبے کو جس پر زمیندار تھے قایم رکھتا اور اس کو یہ امید بندھی رہتی کہ موافق زمانے میں زمینداری پر دوبارہ قبضہ حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ان حکومتوں کا طرزِ عمل ایسے زمیندار کو بے دخل کرنے کے مخالف تھا جو اپنے خاندان اور ذات پات کے تعلقات کی بنا پر رجوع ہو کر اپنے جانشین کو پریشان کر سکتا تھا۔ اسی سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں بھی جہاں زمیندار بغاوت یا دیگر بداعمالی کی وجہ سے مستوجب سزائے موت قرار دیا گیا ہو اس کی بجائے کسی قریبی رشتہ دار کا یا نابالغ لڑکے یا بیوہ کا جو زیر نگرانی ہو مقرر ہونا بہتر سمجھا جاتا تھا بہ نسبت اس کے کہ ایک اجنبی کو زمینداری پر قبضہ دلایا جائے۔

برطانوی حکومت کے تحت دوامی بندوبست اور جدید مجموعۂ قوانین کے زمانۂ نفاذ تک یہ طریقہ عام نہ تھا کہ بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے اراضی کو نیلام کر دیا جائے اور ایک یادداشت میں جو مجلس مالگزاری کی کارروائی کے متعلق ماہ جولائی ۱۷۹۰ء میں مرتب ہوئی یہ بیان کیا گیا ہے کہ "مفوضہ علاقوں (جو چوبیس پرگنے، اضلاع بردوان، مدناپور و چٹاگانگ پر مشتمل تھے) کمپنی کے قابض ہونے کے وقت سے دوامی بندوبست کے قیام تک یعنی تیس سال کی مدت تک اور حصول دیوانی سے مذکورہ مدت تک کوئی مثال ایسی نہیں پائی جاتی جس میں جائداد غیر منقولہ سرکاری یا خانگی قرضوں کی بنا پر منتقل ہوئی ہو اور یقیناً بڑی جائدادوں میں کوئی ایسی مثال نہیں تھی"[1]۔ اگرچہ پنجسالہ بندوبست کی مقررہ شرائط

۱۔ اس سے قبل ۱۷۷۲ء میں نیلام منعقد ہوئے ہیں لیکن یہ صحیح ہے کہ نیلام کا طریقہ عام طور پر مروج نہ تھا۔

۲۔ یہ استدلال معلوم ہوتا ہے کہ صرف غرض کی تکمیل کے لیے کیا گیا ہے ورنہ صرف ضلع ڈھاکہ ہی کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۳۔ پنجسالہ بندوبست از ۱۷۷۲ء تا ۱۷۷۷ء بقایائے مالگزاری سے متعلق نیلام کے واقعات اس مدت میں بھی پیش آئے۔

میں ایک دفعہ یہ تھی کہ اراضی، بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے نیلام کر دی جائے گی۔ تاہم یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس غرض کے لیے کہیں بھی دفعہ مذکور سے کام لیا گیا ہو حالانکہ بہت سا بقایا نکلا جو ایک بڑی حد تک ناقابل وصول پایا گیا۔ لہذا امکان ہے اراضی اپنے اس تجربے کے لحاظ سے جو انہیں زمانۂ سابق کی دیسی یا برطانوی حکومتوں میں حاصل ہوا ہو گا ان قواعد کے لیے تیار نہ تھے جو بندوبست دوامی کے تحت باقیداروں سے بقایائے مالگزاری وصول کرنے کے متعلق نافذ کیے گئے تھے۔ شاید وہ اس سے ناواقف تھے کہ خود دوامی بندوبست کی نوعیت نے ان قواعد کی سخت پابندی لازم کر دی تھی۔

ان قواعد کی رُو سے جیسے کہ وہ اپنی ابتدائی شکل کے ساتھ مجموعۂ قوانین بابت ۱۷۹۳ء میں موجود ہیں اگر زمیندار کے ذمے ماہانہ قسط کی پوری رقم (جس میں مالگزاری قابل ادا تھی) یا اس کا کوئی حصہ آیندہ مہینے کی پہلی تاریخ تک واجب الادا رہتا تو وہ مستوجب سزائے قید ہوتا اور اس کی اراضی قابل قرقی ہو جاتی تھی۔ اگر ختم سال تک بقایا ادا نہ کیا گیا ہو تو کل جائداد یا اس کا مناسب حصہ نیلام عام کے ذریعے فروخت کر دیا جاتا تھا تاکہ واجب الوصول بقایا بشمول سالانہ بارہ فیصد سود کے ساتھ جو اس پر لگایا جاتا تھا حاصل کیا جا سکے۔

سال آیندہ یعنی ۱۷۹۴ء میں جیسا کہ اس سال کے ضابطۂ سوم کی تمہید میں بیان کیا گیا ہے گورنر جنرل کی اس خواہش کی بنا پر کہ "ہر جبر و سختی کے اس طریقے سے احتراز کیا جائے جو قطعاً "لازمی" "نہ ہو" ایک ترمیم نافذ کی گئی جس نے زمینداروں کو کلیتہً سزائے قید سے مستثنیٰ کر دیا[1] لیکن دیگر خصوصیات میں بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے قواعد کو اس طرح بہت سخت اور قوی کر دیا گیا کہ عہدداران مالگزاری کو اختیار ہو گا کہ اگر ماہانہ قسط ادا نہ ہو تو وہ اراضی کو سال میں کسی وقت بھی نیلام کر سکتے ہیں بجائے اس کے کہ اس غرض کے لیے ختم سال تک انتظار کریں۔

ح ضمیمہ نشانی ۔

[1] ۔ ضابطۂ سوم بابت ۱۷۹۵ء میں زمینداروں کو سزائے قید سے کلیتہً مستثنیٰ نہیں کیا گیا

یہ غالباً پہلے ہی محسوس کر لیا گیا تھا کہ اس قانون سے بلکہ خاص کر محول بالا ترمیم سے زمیندار کی جائیداد بہت خطرے میں پڑ جائیگی گو اس کی ذات کو مستثنیٰ کردیا گیا ہے۔ زمینداری کی پیداوار کا وہ حصہ جو حکومت کے لیے اسامیوں کے ادا کردہ لگان کے ۱۰/۱۱ حصے کی حد تک معین ہوا تھا اگرچہ ہر صورت میں ٹھیک حساب کے لحاظ سے نہیں کیا گیا تھا تاہم اس سے کامل طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکثر صورتوں میں ایک بہت بڑا حصہ تھا اور زمیندار کو اس قابل ہونے کے لیے کہ وہ قانون کے مطابق اپنی اقساط پابندی سے ادا کرے نہایت توجہ اور مستعدی کے ساتھ انتظام کی شدید ضرورت تھی۔ لہذا ان صورتوں میں جہاں بندوبست دوامی کے استقرار کے وقت تشخیص رقم مالگزاری میں کسی زمیندار کے حق میں ناانصافی ہوئی ہوگی تو اس سے اس کے باقیدار بنجانے کے خطرے میں اضافہ ہو گیا ہوگا۔ اور اس پر ایک مرتبہ بقایا نکلنے کے بعد جب کہ اس کی جائیداد ایک دیسی کارکن کے زیر انتظام کردی جاتی جو کلکٹر کی جانب سے اس کو قرق کرنے اور اس سے لگان وصول کرنے کے لیے مقرر ہوتا تو زمیندار کی جائداد کا منتشر ہوجانا اور اکثر صورتوں میں اراضی کا نیلام پر رکھا جانا لازمی ہوجاتا ہوگا۔ جب عام طور پر دیسیوں کے اور خصوصیت کے ساتھ عالی رتبہ زمینداروں کے اُن حالات کو دیکھا جاتا ہے جو لارڈ ٹین ماؤتھ نے بیان کیے ہیں اور اس پر غور کیا جاتا ہے کہ موخرالذکر طبقہ بذات خود اپنے معاملات کی تکمیل کا عادی نہ تھا بلکہ وہ ان کو اپنے ملازمین کے سپرد کردیا کرتا تھا جن کی عادت

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بلکہ صرف ان صورتوں میں کیا گیا جہاں نیلام کی حاصل شدہ رقم بقایائے مالگزاری کے مساوی ہو۔ شاذونادر یہ ہوا ہے کہ ماہانہ قسط ادا نہ ہونے پر نیلام کرنے کے اختیار کو واقعی استعمال کیا گیا۔ ماہانہ اقساط کا طریقہ موقوف کردیا گیا۔ اب اقساط کی مقدار حسب رقم مالگزاری جائداد ایک سے چار تک مختلف ہوتی ہے لیکن نیلام کا عمل کسی ایک قسط کے ادا نہ ہونے کی صورت میں لازمی طور پر ہوجاتا ہے۔ سزائے قید اور تادیۂ سود کا طریقہ بالکل اٹھا دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو قانون یازدہم بابت سنہ ۱۸۵۹ء)۔

ا۔ ۱۰/۱۱ کا تناسب صرف بہار سے متعلق ہے۔ بنگال کی تشخیص مالگزاری گذشتہ سنین کی جمع پر مبنی ہوتی تھی اور انتظام مالگزاری کی سابق تاریخ میں کسی امر سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ہر جائداد کی مجموعی مالیت کا ٹھیک لحاظ کرکے اس کی مناسبت سے کسی وقت بھی مالگزاری مقرر کی گئی ہو۔

۲۔ سرجان شور جو بعد کو سنہ ۱۷۹۸ء میں بیرن ٹین ماؤتھ بنادیا گیا۔

یہ تھی کہ وہ خود کو اپنی ذاتی کوششوں کے ذریعے دشواریوں سے بچانے کی بجائے زیادہ تر اعلیٰ عہدہ داروں سے سازشیں کر لیا کرتے تھے تو وہ واقعات جو نیلام اراضی کے سلسلے میں بیان کیے گئے ہیں اور جن کے باعث مالکان اراضی کا ایک بڑا حصہ تباہ ہوا مذکور بالا قوانین کے لازمی نتائج معلوم ہوں گے جو بعض صورتوں میں ایسے اشخاص پر اثر انداز تھے جو ابھی اس قابل نہ ہوئے تھے کہ ان کے تحت اپنے کو محفوظ رکھ سکیں اور بعض صورتوں میں خود اپنے منشائے وضعی کے خلاف کارفرما تھے۔ موخرالذکر حالت کے متعلق خود حکومت کا یہ اقرار ایک سند قرار دیا جا سکتا ہے جو محولِ بالا مراسلت میں درج ہے کہ قانون ضبطیٔ فصل کے عمل کے تحت اسامیوں نے اس کو قابلِ عمل پایا کہ اپنے لگان کے تادیے کو روک دیں جس کا لازمی نتیجہ ہر صورت میں ان کے زمینداروں کی جائداد کی ضبطی اور اکثر صورتوں میں بہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بربادی ہو سکتا تھا۔

ان نقصانات کے علاوہ جن میں زمیندار مبتلا تھے عدالتی محکموں کے مقدمات کی سُست رفتار بھی قابلِ غور ہے جن کا دروازہ انہیں اپنے باقیداروں کے خلاف چارہ جوئی کے لیے دکھایا گیا تھا، حالانکہ خود ان کی جانب سے جو رقم حکومت کو قابل ادا ہوتی تھی اس میں کوئی توقف روا نہ رکھا جاتا تھا بلکہ فوراً اراضی کو نیلام کے ذریعے فروخت کر کے رقم مذکور وصول کر لی جاتی تھی۔ جو سختیاں اس صورتِ حال سے بعض موقعوں پر عاید ہوتی تھیں اُن کو ایک کلکٹر نے منجانب زمیندار بردوان ایک عرضداشت موسومۂ مجلس مالگزاری میں زور کے ساتھ ظاہر کیا ہے کلکٹر مذکور[ک] لکھتا ہے کہ وہ (یعنی راجہ) یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ اس پر غور فرمایا جائے کہ آیا وہ اپنی اُن ذمہ داریوں کو جو حکومت کے مقابلے میں ہیں قوانین کی عاید کردہ باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ پورا کرنے کے قابل ہے یا نہیں جب تک کہ اس کو بھی ایسے اختیارات سے مسلح نہ کر دیا جائے جن کے ذریعے وہ اسی طرح عجلت کے ساتھ اپنے باقیداروں

ک مراسلہ منجانب کلکٹر بردوان بجمعیت مجلس مالگزاری مورخہ ۹ جنوری سنہ ۱۷۹۴ء ضمیمہ نشان ۵۔

سے لگان وصول کر سکے جس طرح حکومت اس کے مقابلے میں اپنے مطالبات کی تکمیل کے لیے اختیارات کا استعمال کرتی ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ غالباً یہ چیز کسی منصفانہ اور مسلمہ اصول سے نہیں بلکہ تساہل سے پیدا ہوئی ہوگی کہ ایک ہی حکومت کے تحت عدالتی کارروائی کے دو مختلف طریق عمل مقرر کر دیے گئے جن میں سے ایک تو حکومت کے مطالبات کی وصولیابی کے لیے سریع اور موثر ہو اور دوسرا اس کی رعایا کے مطالبات کی تکمیل کے لیے سست اور غیر یقینی ہو خصوصاً موجودہ صورت حال میں جب کہ ایک مطالبے کو بے باق کرنے کی قابلیت دوسرے مطالبے کے اس سے پہلے وصول ہو جانے پر منحصر ہو۔"

ان حالات کے تحت جو بیان کیے گئے یہ غیر معمولی نہ معلوم ہوگا اگر مالکان اراضی کو جدید انتظام کے تصور سے ان تکالیف کا جو اس کے نفاذ اور ابتدائی عمل سے انہیں پہنچیں زیادہ احساس ہوا بہ نسبت اُن قواعد کے جن کے ظہور پذیر ہونے کی توقع اس کے آخری عمل سے کی جا سکتی تھی۔ اس امر کو ذیل کی عبارت ایک حد تک واضح کرے گی۔ یہ عبارت کلکٹر کی ایک رُوداد موسومہ حکومت سے اخذ کی گئی ہے جو ایک استفسار کے جواب میں سنہ ۱۸۰۲ء[1] میں زمینداروں سے مالگزاری وصول کرنے کے متعلق قانون کے عمل کی حالت پر لکھی گئی تھی۔

"تمام زمیندار جن سے مجھے اس ضلع میں اور دیگر اضلاع میں سابقہ پڑا ان قواعد کے متعلق جو اس وقت سرکاری مالگزاری کی وصولیابی کے لیے نافذ ہیں ایک ہی قسم کے احساسات رکھتے ہیں۔ وہ سب یہ کہتے ہیں کہ ایسا سخت اور ظالمانہ طریقہ اس ملک میں اس سے قبل کبھی اختیار نہیں کیا گیا اور یہ کہ بقایائے مالگزاری کی بنا پر مالکان اراضی کو قید کرنے کا طریقہ ان کی رائے میں نسبتاً آسان اور رعایت آمیز تھا اور گو اس میں شک نہیں کہ اس طریقے کو مسدود کرنے سے حکومت کا منشا انہیں اہم فائدہ پہنچانا تھا لیکن افسوس ناک تجربے سے یہ پایا گیا ہے کہ قرقی اور نیلام جائداد کا جو طریقہ اس کی بجائے رائج کیا گیا ہے اس کی وجہ سے چند ہی سال کی مدت میں بنگال

---

(۱) - مراسلہ منجانب کلکٹر مدناپور مورخہ ۱۲ ر فروری سنہ ۱۸۰۲ء۔

کے اکثر بڑے زمیندار پریشانی اور گداگری میں مبتلا ہو گئے ہیں اور بنگال کی جائداد غیر منقولہ میں ایک ایسا زبردست تغیر پیدا ہو گیا ہے جو اتنی مدت میں کسی اور ملک یا زمانے میں محض داخلی انتظام کے قوانین کے اثر سے کبھی نہ ہوا ہوگا۔" اسی رُوداد کے ایک دوسرے حصے میں کلکٹر موصوف ایک قانون پر اظہار رائے کرتے ہوئے جو اسی وقت نافذ ہوا تھا یہ لکھتا ہے کہ "اس زمانے (یعنی ۱۷۹۹ء) سے قبل قوانین کی بے اثری کی شکایات زمینداروں اور بڑی جائدادوں کے مالکوں میں بہت عام تھیں اور یہ محسوس کرنے کے لیے کچھ زیادہ قوت تمیزی کی ضرورت نہ تھی کہ انہیں اپنے اسامیوں پر وہ اختیارات حاصل نہ تھے جو حکومت ان پر استعمال کرتی تھی۔"

"یہ عام شہرت تھی کہ ان میں سے اکثر کو بقایائے لگان کی کثیر رقم واجب الوصول تھی جس کو وصول کرنے کے وہ بالکل ناقابل تھے برخلاف اس کے حکومت ان کی اراضی کو بقایائے مالگزاری کے ضمن میں فروخت کر رہی تھی۔" کلکٹر نے یہ بھی لکھا ہے کہ "کاشتکار اور درمیانی اسامی حال حال تک اپنا لگان بے دھڑک روک دیتے تھے اور اپنے زمینداروں کے اختیارات کے مقابلے میں سرکشی کرتے تھے۔ ان پر مالکان اراضی کی براہ راست نگرانی نہ تھی۔ وہ ان کے مقابلے میں بجز عدالت کے توسط کے کوئی کارروائی نہ کر سکتے تھے اور مقدمات میں تاخیر اور خرچے کی وجہ سے حقیقی انصاف کا خون ہوتا تھا۔"

مجلس کے خیال میں یہ صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ نیلام عام یا زمینداروں کی علٰحدگی سے جائدادہائے غیر منقولہ کی بڑی بڑی منتقلیاں جو دوامی بندوبست مالگزاری کی تکمیل کے چند سال بعد تک بہت کثرت کے ساتھ عمل میں آتی ہوئی دیکھی گئیں کلیتہً مالکان اراضی کی عیاشی، فضول خرچی اور بدانتظامی کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتیں بلکہ ایک حد تک وہ لازمی نتیجہ تھیں سرکاری قوانین کے نقائص کا اور تشخیص بندوبست کی ناانصافیوں کا اور اُن دشواریوں، رکاوٹوں اور وقفوں کا جو اُس جدید مجموعۂ قوانین کے نازک اور پیچیدہ انتظامات کے بروئے عمل آنے میں پیدا ہوئے تھے جو کمپنی کے علاقوں کے اُن بے شمار باشندوں کے لیے نافذ ہوا

تھا جن کی بڑی تعداد ناخواندہ تھی۔[1]

جو نقصانات حکومت کے مفاد کے متعلق محولِ بالا مدت میں ہو رہے تھے وہ اُس دشواری اور عدم تیقن سے پیدا ہوئے جو ان جائدادوں کے ذیلی حصص کی مالگزاری کے مطالبات کے تعین میں رُونما ہوا جن کو مجبوراً بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے وقتاً فوقتاً ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیلام کر دیا گیا تھا۔ حکومت کے وعدے سے اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ جو رقم مالگزاری اراضی پر مشخص ہو گئی تھی اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ کثیر حصۂ تناسب جو مالگزاری کا بمقابلۂ پیداوار مقرر ہوا تھا صحیح تصفیے کو لازمی گردانتا تھا تاکہ مقررہ جمع میں کمی نہ ہونے پائے کیونکہ نیلام شدہ حصۂ اراضی پر اگر بہت زیادہ شرح لگا دی گئی تو ممکن ہے کہ وہ اپنی پیداوار کے اعتبار سے مشخص رقم ادا کرنے کے قابل نہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خریدار کا نقصان ہو گا اور ناگزیر طور پر بقایا کی وصول یابی کے لیے پھر دوسرے نیلام کی ضرورت داعی ہو گی اور آخر کار حکومت کو مجبور ہونا پڑے گا کہ وہ خود ایک جائداد کا قبضہ حاصل کرے جس کی آمدنی مشخص رقم سے بھی کم ہو گی یا اس کی مشخص رقم مالگزاری میں کمی کر کے اس کو کسی اور شخص کی خریداری کے قابل بنائے۔

اس طرح کے معاملے سے اصل جائداد کا جو حصہ زمیندار کے پاس باقی رہ جائیگا وہ ٹھیک اسی تناسب سے مستفید ہو گا جس تناسب سے نیلام شدہ حصے پر تشخیص میں بوقت تقسیم عدم مساوات اور زیادتی ہوئی ہو گی۔ اور حکومت کو مذکورۂ بالا طریقے پر ہمیشہ کے لیے مالگزاری کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔

اس قسم کی ناانصافی کو روکنے کے لیے جائداد غیر منقولہ کو تشخیص کی غرض سے دو یا دو سے زائد حصوں میں تقسیم کرنے کا جو قاعدہ تھا وہ بہت صاف اور معیّن تھا۔ اس کے الفاظ جیسے کہ وہ ضابطۂ اول سنہ ۱۷۹۳ء میں درج ہیں حسب ذیل تھے:

"ہر حصے پر مشخص رقم کی مقدار ایسی ہو گی جس کا تناسب اس کی حقیقی پیداوار کے ساتھ وہی ہو گا جو مالک کی کل اراضی بشمول اراضی نیلام شدہ کی مقررہ شرح تشخیص کو

---

[1] ملاحظہ ہو حصۂ اول، باب ہشتم: مجلس نے زمینداروں کی اصلی حالت کو پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔

اس کی مجموعی حقیقی پیداوار سے ہو۔" جائداد کے نیلام شدہ حصص کی مالگزاری کا تعیّن اس قاعدے کے لحاظ سے بہت آسانی کے ساتھ ہو سکتا تھا بشرطیکہ ضروری مواد کافی صحت کیساتھ موجود ہوتا۔ لیکن کل جائداد یا اس کے حصے کی اصل پیداوار کا حال صرف زمیندار یا اس کے ملازمین کو معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ ذرایع جو اس غرض کے لیے سابق حکومتیں رکھتی تھیں اور جو اب بھی استعمال کیے جا سکتے تھے دوامی بندوبست کی تکمیل کے بعد متروک ہو گئے تھے۔ نظما نے پہلے ہی سے تفصیلی مقامی تنقیحات کی ممانعت کر دی تھی۔ قانون گو کا عہدہ اب برخاست کر دیا گیا تھا۔ اور پٹواری یعنی دیہی محاسب کو سرکاری ملازمت سے خارج کر کے زمیندار کا ملازم قرار دیدیا گیا تھا۔ ان حالات میں کل جائداد یا اس کے کسی حصے کی اصل پیداوار صرف مالک کو معلوم ہو سکتی تھی جس کا فائدہ مذکورِ بالا وجوہ سے اب یہی ظاہر کرنے میں تھا کہ حصۂ مقروق برائے نیلام کی پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بتائے تاکہ اس کے باقی حصے کی شرح تشخیص میں کمی ہو جا۔ اس قسم کا فریب، ان صورتوں میں کام نہ آتا تھا جہاں پوری جائداد ایک ہی مرتبہ نیلام کر دی جاتی تھی۔ لیکن بعض بڑی بڑی زمینداریوں کی تدریجی تقسیم میں راجگان جیسور، ندیا و بردوان کے رازدار ملازموں اور اسی درجے کے دیگر باقیداروں نے اس فریبی عمل کو ایک مدت تک کامیابی کے ساتھ جاری رکھا جو بعض صورتوں میں وہ خود اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرتے تھے اور بعض صورتوں میں اپنے آقا کے فائدے کے لیے لیکن ہر صورت میں اس کا اثر سرکاری مالگزاری کے لیے مُضر ہوتا تھا۔

ان بداعمالیوں کے شیوع اور قوانین کی نامکمل حالت کو ضابطۂ ہفتم بابت سنہ ۱۷۹۹ء کی تمہید میں یوں تسلیم کیا گیا ہے کہ جو اختیارات، مالکانِ اراضی کو اپنے لگان کے جبراً وصول کرنے کے متعلق عطا کیے گئے تھے وہ بعض صورتوں میں ناکافی پائے گئے اور یہ کہ سال رواں کے دوران میں اراضی کے جو متعدد اور مسلسل نیلام ہوئے

ے یہ نقل صورت معاملات کا ایک بہت صحیح خاکہ ہے اور اس سے صاف طور پر اس خطرے کا اظہار ہوتا ہے جو مالگزاری کی ضمانت کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

وہ بلحاظ نتائج، مالکان اراضی اور ان کے ذیلی اسامیوں کے حق میں بھی اتنے ہی مضر ثابت ہوئے جتنے معیّن مالگزاری کی صورت میں خود حکومت کی اغراض کے لیے نقصان رساں تھے۔ اس کے بعد اس میں ان خریداریوں کا بھی ذکر ہے جن کے متعلق یہ باور کیا جاتا ہے کہ بعض زمینداروں کی جانب سے خود ان کی اراضی کے بارے میں فرضی ناموں سے یا ان کے ملازمین کے ناموں سے ہوئیں جن کا منشا بالواسطہ طریقوں سے جو بیان ہو چکے ہیں شرح تشخیص میں تخفیف حاصل کرنا تھا۔ محول بالا ضابطہ اس مقصد سے نافذ کیا گیا تھا کہ ان قبائح و نقایص کو رفع کرنے کے لیے اُن ذرایع کو جنھیں مالکان اراضی اپنا لگان وصول کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے سابق کی بہ نسبت زیادہ مختصر اور موثر بنایا جائے اور سرکاری بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے ان کی اراضی کے نیلام کو ختم سال رواں تک ملتوی رکھا جائے۔ باقیدار مالکان اراضی پر کلکٹر کے اختیار کو اس طرح اور قوی کر دیا گیا کہ اسے اجازت دی گئی کہ وہ ان کو گرفتار کرے اور ایک محدود مدت کے لیے بلا استصواب حاکم عدالت ضلع قید کرے۔

یہ ترمیمات جہاں تک کہ وہ اصلی نافذ شدہ قوانین سے مختلف ہیں اسی حد تک اس قدیم طریقے کی طرف رجعت ظاہر کرتے ہیں جو پہلے نافذ تھا۔ لیکن خواہ وہ طریقہ کیسا ہی ہو قوانین مذکور کو بہت نفع بخش تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اگر ان کے عمل کا اندازہ اس ترقی یافتہ حالت سے لگایا جائے جس میں محکمۂ مال کے معاملات بعد کو لائے گئے تو پیش نظر اغراض کے لیے ان کے اثر کو کامل طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے[1]۔

زیر بحث اصلاحات کے نافذ ہونے کے بعد کی مراسلتِ ہند سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ختم سال سے تازہ ترین اطلاعات کے وصول ہونے تک

---

[1] ضابطۂ ہفتم بابت ۱۷۹۹ء کی کامیابی اس قدر زیادہ نہیں ہوئی جیسی کہ روداد سے ظاہر ہوتی ہے کئی سال گزرنے کے بعد وصولیابی مالگزاری قابل اطمینان ہو سکی اور اس ضابطے کے نفاذ کے صرف تین سال بعد بازیابی مالگزاری کا مسئلہ زیر غور آیا۔ ملاحظہ ہو حصہ اول باب ہشتم۔

جو بقایا نکلا ہے اس میں بہت کمی ہو گئی ہے اور صدر میزان بقایا جس میں سے کچھ حصہ اب بھی واجب الوصول ہے سرکاری مالگزاری کی مجموعی رقم پر ½ فیصد سے بھی کم ہوتی ہے۔ بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے اراضی کا نیلام ہونا بھی نسبتہً بہت کم ہو گیا ہے۔ اور یہ نتیجہ اخذ کرنا معقولیت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جائداد کے نیلام کم ہونے سے زمین کی قیمت بھی بڑھ گئی ہے۔ یہ سب اس باقاعدگی کے ناقابلِ رد ثبوت ہیں جس کے ساتھ انجام کار مختلف شعبہ جاتِ مالگزاری منظم ہو گئے ہیں اور اس قابلیت کے بھی جو ملک میں اُس مقدار مالگزاری کے پیدا کرنے کی ہے جو دوامی بندوبست کے تحت اس پر مشخص ہوئی تھی۔

انتظام عدالتہائے دیوانی

اس عدالتی انتظام کے عمل کو بیان کرتے وقت جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی مقبوضات میں قایم ہو گیا تھا آپ کی مجلس کی یہ خواہش ہو سکتی تھی کہ ان مقبوضات کی آبادی بھی بتائی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جو ذرایع بہم پہنچائے گئے ہیں وہ اُن قواعد و ضوابط کے تحت جو مجموعۂ قوانین مرتبہ سنہ ۱۷۹۳ء میں درج ہیں کس حد تک رعایا کے لیے انصاف رسانی میں کافی ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن آپ کی مجلس کی تحقیقات اس قابل نہیں کہ ٹھیک طور پر یا بہت اطمینان کے ساتھ کمپنی کے قدیم مقبوضات یعنی صوبجات بنگال، بہار و اڑیسہ کی بھی آبادی مع بنارس کے جو بعد کو ملحق ہو اُبتائی جا سکے۔ حکومت بنگال نے اس معاملے کے متعلق ججوں اور کلکٹروں سے جو اضلاع پر مامور ہیں اطلاعات طلب کی تھیں، لیکن ان کی رُودادیں اس قدر غیر مکمل تھیں اور جہاں وہ مذکورہ دونوں قسم کے عہدہ داروں کی جانب سے وصول ہوئی تھیں وہاں ایک دوسری سے اس قدر متضاد تھیں کہ ان سے کوئی عام نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ ان صوبوں کے باشندوں کا واقعی شمار یا کسی ایسے مواد سے اخذ کیا ہوا تخمینہ جو بدرجۂ غایت قابل اطمینان ہو ابھی تک ایک تکمیل طلب غرض ہے[۱]۔ اس وقت تک صرف ذہین اشخاص

[۱] اس رقبے کی صحیح مردم شماری پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۷۲ء میں ہوئی۔

کہ اُن اندازوں سے زیادہ کوئی اور چیز عمل میں نہیں آئی جو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ پہلی رائے جو کمپنی کو دیوانی حاصل ہونے کے بعد ان تین صوبوں کی آبادی کے متعلق قایم کی گئی یہ تھی کہ وہ ایک کروڑ ہے۔ بعد کے مشاہدات سے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ اندازہ بہت کم تھا۔ سر ولیم جونس نے تقریباً پچیس سال قبل یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بنگال، بہار، اوڑیسہ اور بنارس کی آبادی دو کروڑ چالیس لاکھ تھی۔ اور تقریباً دس سال قبل مسٹر کول بروک کے حساب سے وہ تین کروڑ تھی۔ اب اگر ایک ایسے مسئلے کے متعلق رائے ظاہر کرنی ہو جس کی ٹھیک تحقیقات ابھی تک نہیں کی گئی ہے تو غالباً اس عمل میں اصلی مدعا سے متجاوز ہونے کا کوئی خطرہ نہ ہوگا کہ آخری دو اندازوں کا ایک درمیانی اندازہ قایم کیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ مذکورۂ بالا چار صوبوں کی آبادی دو کروڑ ستر لاکھ سے کم نہیں ہے۔

یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ ایسی آبادی میں جیسی کہ اوپر مذکور ہوئی جو مقدمات پیدا ہوں ان کی باقاعدہ تحقیقات اور تصفیہ صرف ایک کلکٹر کر سکتا تھا جو جدید انتظام کے نفاذ سے پیشتر جج اور مجسٹریٹ دونوں حیثیتوں سے کام کرتا تھا اور وہ ایک ہی ایسا شخص تھا جس کو اس غرض کے لیے اختیارات عطا کیے گئے تھے۔ اہم مقدمات کی یا ان مقدمات کی جن میں دیوانی نوعیت کے لحاظ سے کثیر مالیت کی جایداد زیر بحث ہو یا ایسے مقدمات کی جو حکومت کے ذرایع آمدنی پر لازماً اثر انداز ہوں یا محکمۂ مال کے انفرادی لگان کے مقدمات کی اغلب ہے کہ کلکٹر خود تحقیقات کرتا ہوگا اور اس طریقے پر جو قوانین رائج الوقت میں مقرر تھا ان کی رُوداد روانہ کرتا ہوگا لیکن اس سے بہت زیادہ تعداد کے اُن چھوٹے مقدمات کے متعلق جو قلیل جائدادوں کے مالکوں کے مابین اس وسیع رقبۂ ملک میں جو اضلاع مذکور پر مشتمل تھا متواتر پیدا ہوتے رہتے ہوں گے یہ فرض کرنا خلاف عقل نہ ہوگا کہ ان کا فیصلہ خود کلکٹر یا اس کے ذیلی عہدہ دار سرسری طور پر کر دیتے ہوں گے یا خود فریقین آپس میں اپنے فرقوں اور ذاتوں کے مُروّج طریقے پر یا گرو اور مذہبی پیشوا کے ذریعے تصفیہ کرا لیتے ہوں گے۔

جس اصول پر لارڈ کارنوالس ایک جدید اور کامل نظام عدالت نافذ کرنا چاہتا تھا اس کا اقتضا یہ تھا کہ مقدمات کے باقاعدہ تصفیے کے لیے ذرائع مہیا کیے جائیں خواہ ان کی مالیت قلیل ہی کیوں نہ ہو اور مدعیوں کو اس مسافت میں کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہو جو انہیں اپنی دادرسی کے لیے طے کرنی پڑے۔ اور یہ کہ یورپین جج کے اجلاس پر اس قسم کے مقدمات کی ایسی کثیر تعداد کا بار نہ ڈالا جائے جس کا فیصلہ وہ اہم مقدمات سے غفلت کیے بغیر نہ کر سکے۔

ان اغراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذی وقار دیسی باشندوں میں سے مناسب قابلیت کے افراد کا انتخاب کیا گیا اور ان کو ضابطہ نشان ۴۰ بابت ۱۷۹۳ء کے تحت یہ اختیار دیا گیا کہ بصیغۂ ابتدائی ایسے مقدمات کی سماعت اور انفصال کریں جن کی مالیت پچاس روپیے سے زیادہ نہ ہو اور جج کو مجاز کیا گیا کہ ان عہدہ داروں کے پاس پچاس روپیے سے کم کی مالیت کے ان مقدمات میں سے جو اس کے سامنے پیش ہوں جتنے وہ مناسب سمجھے بغرض انفصال بھیج سکتا ہے۔

جدید عدالتوں میں فی الفور رجوع ہونے کے لیے سہولت پیدا کرنے کی خاطر یہ حکم دیا گیا کہ نالش دایر ہوتے وقت جو رسوم عدالت جمع کرنی پڑتی ہے وہ منسوخ کر دی جائے اور یہ کہ ہر مقدمے کے ابتدائی فیصلے کی ناراضی سے خواہ اس کی مالیت کتنی ہی کم ہو مرافعے کی دو مختلف عدالتوں میں مرافعہ کیا جا سکے گا۔

لیکن ان تدابیر سے، جو مقدمات کے اخراجات کو بہت کم بلکہ معدوم کرنے کی بنا پر مقدمہ بازی کی رغبت نہیں تو سہولت کے لیے اختیار کی گئیں اصلی مقصد کے فوت ہونے کا جلد پتہ چل گیا کیونکہ جج کے اجلاس پر مقدمات کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ خود عدل گستری کا راستہ رُک جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ ایک ضلع کے مقدمات مرجوعہ کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی تھی اور ہر مقدمے کے فیصل ہونے تک کی مدت کا اندازہ انسانی زندگی کی معمولی مدت سے زیادہ بتایا جاتا تھا۔[1] تصفیۂ نزاعات مالگزاری کا کام چونکہ کلکٹر کے دفتر سے نکال کر عدالتوں کے

[1] مراسلۂ منجانب کلکٹر بردوان بجدمت مجلس مالگزاری مورخہ ۲۷ فروری ۱۷۹۵ء ضمیمہ نشان ۱/۶۔

لیے مخصوص کر دیا گیا تھا اس لیے تساہل کار سے حکومت کی مالگزاری اسی طرح متاثر ہوئی جس طرح افراد کے مفاد پر اس کا اثر پڑا اور فوری دادرسی کی ضرورت لاحق ہوگئی۔ اس غرض کے لیے جو تدابیر محکمۂ مال میں اختیار کی گئیں ان کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ محکمۂ عدالت میں ایک اور عدالت محول بالاضلع کے لیے قایم کی گئی لیکن موجودہ تکلیف کو رفع کرنے کا سب سے زیادہ موثر چارۂ کار ۱۷۹۵ء کے ضابطہ نشان ۳۸ کا نفاذ تھا جس کے تحت رسوم عدالت یا وہ فیس جو ہر نالش کے دایر ہوتے وقت عدالت میں جمع کرانی پڑتی تھی پھر عود کر آئی اور دیگر طریقوں سے بھی اس فریق کے حق میں جو مدعا علیہ نہ ہو عدالتی کارروائی کو گراں کر دیا گیا۔ اس خرچے کے عاید کرنے سے آیندہ مقدمہ بازی کے کم ہوجانے کی توقع تھی اور متعدد ایسے مقدمات سے بھی جو پہلے سے دایر تھے ایک مدت معینہ کے اندر رسوم عدالت کے داخل کرنے کے مطالبے پر چھٹکارا مل گیا۔ چونکہ عام طور پر اہل مقدمہ مقام عدالت سے زیادہ فاصلے پر ہوتے تھے اور جو عمل زیر تجویز ہوتا اس سے ناواقف ہوتے تھے یا وہ اپنے مقدمے کی صداقت پر بھروسا نہ ہونے کے باعث بے پروا رہتے تھے یا مفلسی کی وجہ سے مطلوبہ فیس ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے تھے اس لیے جب مقدمات کے اخراج کا زمانہ آتا تو خود فہرست پر اتنے زیادہ مقدمات باقی نہ رہتے کہ ان کا تصفیہ مشکل ہوتا اور ججوں نے اپنا کام اس بار سے سبکدوش ہوکر از سر نو اس طرح شروع کیا کہ ان کو اپنے مختلف تقررات کے فرایض انجام دینے کا اس سے بہتر موقع کبھی نہ ملا تھا۔

۱۷۹۵ء سے جب کہ مذکور بالا ضابطہ نافذ ہوا تھا ۱۸۰۲ء تک مقدمات کے انفصال کی رفتار کو تیز اور ان کی تعداد کو فہرست پر محدود رکھنے کی غرض سے دیگر تدابیر بھی اختیار کی جاتی رہیں۔ اس طرح ۱۷۹۶ء میں عدالتہاے صوبجاتی و شہری کے ذیلی عہدہ داروں کو بھی کبھی کبھی جج کی غیر حاضری میں انصرام کار کی اجازت دی گئی تھی اور ۱۷۹۷ء میں کمیشن یا رسوم عدالت کی مقداروں میں بہت اضافہ کر دیا گیا اور اس کو دیسی صدر کمشنروں کے اجلاس کی کارروائی پر بھی عاید کر دیا گیا۔ مرافعوں کے متعلق ایک مزید قانون میعاد سماعت نافذ کیا گیا۔ اور اسی سال

صدر دیوانی عدالت، صوبجاتی عدالتہائے مرافعہ اور عدالتہائے ضلع و شہر کی رسوم میں اور بہت زیادہ اضافہ ایک ضابطے[1] کے ذریعے کر دیا گیا جس میں حکم تھا کہ تمام عدالتی کارروائیاں کاغذ مختوم پر لکھی جائیں جو اس غرض کے لیے مہیا کیا گیا ہے اور جس پر حکومت سے متعلق کچھ محصول لگایا گیا ہے۔

ان تدابیر کے باوجود جن کا اصل منشا یہ تھا کہ مقدمہ بازی کو کم کیا جائے اور ان اشخاص کے مقدمات کا فیصلہ جلد ہو جو عدالت میں رجوع ہونے کی معقول وجوہ رکھتے ہوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۱۰ء میں غیر منفصل مقدمات کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مجلس نظما کی توجہ اس طرف معطوف ہوئی اور اس نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۳ مارچ سنہ مذکور میں حکومت بنگال سے یہ خواہش ظاہر کی کہ تعداد کے گھٹانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ مجلس (منتخبہ) نے ان غیر منفصل مقدمات متدایرہ کی واقعی تعداد کی تحقیقات کی ہے جو اس زمانے میں دیسی کمشنروں کے اجلاس پر اور کئی عدالتوں میں فہرست پر تھے اور ضمیمے میں ان کا ایک مخصوص تختہ شامل کیا گیا ہے[2]۔ اس تختے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یکم جنوری سنہ ۱۸۰۲ء کو مقدمات غیر منفصل کی تعداد پانچوں عدالت ہائے مرافعہ میں ۸۸۲، اٹھائیس عدالتہائے ضلع و شہر میں ۲۲۶۲ و ۱۲، موخر الذکر عدالتوں کے ذیلی عہدہ داروں کے اجلاس پر ۹۰۶ و ۱۷ اور دیسی کمشنروں کے اجلاس پر ۹۲۹ و ۱۳۱ تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ مدت میں جن مقدمات کا انفصال ہوا تھا ان کی تعداد پانچوں عدالتہائے مرافعہ میں ۶۶۷، اٹھائیس عدالتہائے ضلع و شہر میں ۲۹۸ و ۸، ان کے ذیلی عہدہ داروں کے اجلاس پر ۲۴ و ۱۴۸ اور دیسی کمشنروں کے اجلاس پر ۲۲۸، ۶۴ تھی۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس تعداد میں وہ مقدمات بھی شامل ہیں جو سپرد ثالث کیے گئے اور وہ جو بہ رضامندی فریقین اٹھا لیے گئے۔ اس بنا پر ان مقدمات کی تعداد بہت گھٹ جائے گی جن کی واقعی تحقیقات ہوئی اور اس سے شاید

---

[1] ضابطہ پنجم بابت سنہ ۱۷۹۶ء۔

[2] ضمیمہ نشان ۹۔

اُن مقدمات کی کثیر تعداد کی توجیہ ہو سکتی ہے جن کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ ججوں اور ان کے ذیلی عہدہ داروں نے فیصل کیے ورنہ وہ تعداد ناقابل یقین ہو جاتی ہے۔ دیسی کمشنروں نے جن مقدمات کا انفصال کیا ہے اگرچہ ان میں سے اکثر بہت چھوٹے دعوے ہوں گے جن کی مالیت پچاس روپیے یا سات پونڈ سے زیادہ کی نہ ہوگی اور وہ سرسری طور پر فیصل پائے ہوں گے تاہم ان کی تعداد اس قدر تعجب خیز ہے کہ اس سے اُس ذمہ داری کی اہمیت اور دشواری کا صاف پتہ چلتا ہے جو اس قدر کثیر اور مقدمہ باز آبادی کے لیے چھوٹے مقدمات میں بھی باضابطہ طریقے پر عدل گستری کی غرض سے لی گئی ہے۔

بعد کی رُودادوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مقدمات مرجوعہ کی تعداد کو گھٹانے کی دشواری میں کوئی کمی ہوئی یا یہ کہ اس غرض سے جو تدابیر اختیار کی گئیں وہ توقع کے مطابق کامیاب ہوئیں۔ حکومت بنگال کا ایک مراسلہ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۰۲ء ظاہر کرتا ہے کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۰۲ء کو تمام صوبوں کے مقدمات مرجوعہ کی تعداد اگرچہ ۳۱ جون ماسبق کے مقدمات مندرجہ فہرست کی تعداد سے بہت کم ہے تاہم بعض عدالتوں میں مقدمات مذکور کی تعداد کو اس طرح گھٹانا ناقابل عمل پایا گیا ہے کہ جس سے فریقین کو ان کے دعاوی کے جلد انفصال کا کافی اطمینان دلایا جا سکے اور یہ اجتماع کارہ اضلاع ترہٹ، ڈھاکہ جلال پور[1] و بہار کی عدالتوں میں ہوا جہاں ان مقدمات کی تعداد سے جو گذشتہ پانچ سال کے دوران میں منفصل ہوئے یا خارج کر دیے گئے ان مقدمات کی تعداد بڑھی ہوئی تھی جو معرض التوا میں تھے۔ ان حالات کے تحت محولِ بالا عدالتوں میں مقدمات کے بعجلت منفصل ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ لہٰذا حکومت کی یہ تجویز ہوئی کہ جہاں فہرست مقدمات کے لحاظ سے ضرورت ہو وہاں مددگار جج کے تقرر کا طریقہ رائج کر دیا جائے جو اُس وقت برخاست کر دیا جائے گا جب مقدمات مرجوعہ کی تعداد کافی طور پر گھٹ جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ججوں کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ جتنی مالیت کے مقدمات اب تک دیسی کمشنروں کے اجلاس پر فیصل پاتے تھے اس سے زیادہ مالیت کے مقدمات

---

[1] ڈھاکہ اور جلال پور علٰحدہ علٰحدہ ضلع نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ضلع کا نام ڈھاکہ جلال پور ہے۔

بھی وہ بغرض انفصال ان کے پاس بھیج سکتے ہیں۔ اور قلیل مالیت کے مقدمات کے جلد فیصل پانے کے لیے مزید قواعد بھی جاری کیے گئے۔ ان تدابیر کے متعلق گورنر جنرل نے یہ تیقن آمیز توقع ظاہر کی کہ ان کی بدولت تمام ملک میں مقدماتِ دیوانی کے جلد انفصال کا اہم رجحان پیدا ہوگا۔ یہ ابھی مشتبہ ہے کہ کس حد تک یہ توقع پوری ہوئی یا کس حد تک مجلس نظما کو اُس تشویش سے نجات ملی جو اس کو اس معاملے میں تھی؛ اور اسی اثناء میں اس نے ۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۰۳ء کو اپنے ایک مراسلہ موسومۂ حکومتِ بنگال میں بے شمار تعداد مقدمات غیر منفصل کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ "عدالتہائے یورپ کی مثال سے اندازہ کرتے ہوئے اس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس قدر تعداد مقدمات ملتویہ کی سماعت کی کبھی نوبت ہی نہ آنے پائے گی۔" ایک اور حال کے مراسلے[ب] میں احاطۂ فورٹ سینٹ جارج کے غیر منفصل مقدمات پر غور کرتے ہوئے نظما نے حسبِ ذیل خیالات کا اظہار فرمایا ہے جو مجلس منتخبہ کی رائے میں صحیح اور ہر دو احاطوں پر قابل اطلاق ہیں۔ "ہمیں سخت افسوس ہوگا اگر اس قسم کے مقدمات ملتویہ کے جمع ہو جانے سے کبھی یہ سوال پیدا ہونے کی گنجایش ہو جائے کہ آیا دیسیوں کو انھیں کی بے ضابطہ اور عجلت پسند عدالتوں پر چھوڑ دینا بہتر نہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ زیادہ باقاعدہ دادرسی کرنے کے بہانے سے ان کے مقدمات میں لا متناہی التوا کر کے ان کے احساسات کو تکلیف اور ان کی جائداد کو مضرت پہنچائی جائے۔" لیکن یورپین سیول ملازمین کی جفاکشی کا حق ادا کرنے کے لیے جن کے ہاتھ میں قوانین کے نفاذ کا کام ہے یہ کہنا ضروری ہے کہ خواہ کسی ایک مدت میں مقدمات ملتویہ کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ معلوم ہو جس پر مجلس نظما کی رائے منطبق ہو سکے پھر بھی سال ماسبق کے مقدماتِ منفصل کی تعداد نسبتہً بہت زیادہ پائی جائیگی جس سے یہ صحیح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عام طور پر مدعیوں کو ایک عدیم المثال مدت تک اپنے مقدمات کے فیصلے کے لیے منتظر رہنا۔

ب۔ مراسلۂ مالگزاری متعلقۂ فورٹ سینٹ جارج مورخہ ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۱۲ء۔

نہ پڑتا ہوگا۔ اور اس بارے میں یورپ میں بالعموم جو کچھ تجربہ ہوتا ہے اس کے ساتھ مقابلہ کرنے سے غالباً تعجیل کار کا تفوق عدالتہائے ہند ہی کو حاصل رہیگا۔ سنہ ۱۸۴۲ء کے دوران میں مقدمات منفصل کی تعداد یہ رہی ہے:۔ صدر عدالت دیوانی میں ۵۱ مقدمات میں ڈگری دی گئی اور ان کے اخراج کا حکم ہوا۔ پانچ صوبہ جاتی عدالتہائے مرافعہ میں ۷،۲۲۶ مقدمات میں ڈگری دی گئی اور ان کو خارج کر دیا گیا۔ اور ۲۹ مقدمات خود فریقین نے اٹھا لیے یا انھوں نے آپس میں ان کا تصفیہ کر لیا۔ عدالتہائے ضلع و شہر کے انتیس [۲۹] ججوں نے ۶،۹۴۰ مقدمات میں ڈگری دی اور ان کو خارج کیا اور ۲۵،۷ مقدمات فریقین کے مابین تصفیہ پا گئے۔ چار مددگار ججوں نے ۸۷۹ مقدمات میں ڈگری دی اور ان کو خارج کیا اور ۵۴ مقدمات میں فریقین نے باہمی تصفیہ کر لیا۔ انتیس [۲۹] ذیلی عہدہ داران عدالت نے ۶،۴۴۳ مقدمات میں ڈگری دی اور وہ خارج کر دیے گئے اور ۱۳۴۷ مقدمات میں فریقین کے مابین باہمی تصفیہ ہو گیا۔ صدر امینوں یعنی دیسی صدر کمشنروں نے ۴۳۸۷ مقدمات میں ڈگری دی اور ان کے اخراج کا حکم دیا اور ۲،۴۳۹ مقدمات میں فریقین نے باہمی تصفیہ کر لیا۔ دیگر دیسی کمشنروں نے ۹۵،۲۰۰ مقدمات میں ڈگری دی اور ان کو خارج کیا اور ۱،۵۵،۹۷۱ مقدمات میں فریقین کا باہمی تصفیہ ہو گیا۔ جو مقدمات اس طرح یورپین حکام کے اجلاس پر فیصل پائے ان کی مجموعی تعداد ۲۹،۱۵۰ تھی اور جو دیسی حکام کے ذریعے فیصل پائے وہ تعداد میں ۱،۰۱،۵۹۵ تھے۔

اگرچہ بیان شدہ حالات سے حکومت بنگال کا وہ تردد ظاہر ہے جس کے ساتھ اس نے صوبجات مذکور کے باشندوں کے متعلق ان کے مقدمات کے بعجلت انفصال کی نیز مختلف عدالتوں کے حکام کو اس قابل بنانے کی کوشش کی کہ مقدمات ملتویہ کی تعداد ایک مناسب حد سے تجاوز نہ کرنے پائے تاہم یہ اعتراف کیا جانا چاہیے کہ یہ مقاصد کسی طرح بھی اس درجے تک حاصل نہیں ہوئے ہیں کہ ان میں مزید کوشش غیر ضروری ہو جائے۔ جہاں تک کہ قلیل مالیت کے مقدمات کا تعلق ہے دیسی کمشنروں کی تعداد جن کی سماعت کے قابل وہ ہوں ہیں غیر معین طور پر بڑھائی جا سکتی ہے کیونکہ اس سے حکومت پر کوئی خرچ عائد نہیں ہوتا اور اس غرض کے لیے ایک قانون بھی نافذ کر دیا گیا ہے۔

ضرورت کے مطابق یورپین ججوں کی تعداد میں اضافہ کرنے سے اخراجات میں بھی اضافہ ہوگا جس کو مالیے کی حالت برداشت نہیں کرسکتی اور یہی عذر مددگار ججوں کے تقرر میں واقع ہوتا ہے۔ لیکن اس اثنا میں انصاف میں تاخیر ہونے سے جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں وہ مقدمات متدایرو کی نوعیت اور ان اشخاص کے طرز عمل کے لحاظ سے جن میں وہ پیدا ہوتی ہیں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہیں گی۔ اسی صورت حال سے بہار میں حاکم عدالت دورہ نے مختلف سزاؤں کو منسوب کیا ہے جو نقض امن کی وجہ سے دی جاتی ہیں۔[1] اس کے الفاظ یہ ہیں "جو سزائیں نقض امن کی بنا پر تجویز ہوتی ہیں (جو فسادات حدود اور نزاعات متعلقۂ جائداد غیر منقولہ سے پیدا ہوتا ہے) وہ اس کثیر مگر ناگزیر تعداد مقدمات ملتویہ سے منسوب کی جاتی ہیں جو بعض عدالتوں میں جمع ہو گئی ہے کیونکہ مجبوراً انفصال مقدمات کو کئی سال تک ملتوی رکھنے سے مدعیوں کو اکثر نا امیدی ہو جاتی ہے اور وہ خود انصاف کو اپنے ہاتھوں میں لینے پر مائل ہوکر شئے متنازعہ پر جبراً قبضہ کرلیتے ہیں بجائے اس کے کہ قانونی کارروائی کے ذریعے تساہل آمیز نتیجے کا انتظار کریں جس میں ان کی زندگی سے زیادہ مدت لگ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔"

انتظام عدالتہائے فوجداری

قوانین احاطۂ بنگال میں یہ شرط لازم گردانی گئی ہے کہ ہر عدالت فوجداری کا جج اپنے دورے کے اختتام پر اپنی کارروائی کی معمولی رُوداد کے علاوہ صدر عدالت دیوانی کے توسط سے اپنے ذاتی مشاہدات کی تفصیل سرکاری قوانین کے عمل نیز ان علاقوں کے باشندوں کی عام حالت کے متعلق روانہ کرے گا جہاں اس نے دورہ کیا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی رُودادیں جو ذہین اشخاص کی جانب سے پیش ہوا کریں حکومت کو ان غلطیوں سے واقف کرانے میں جو قوانین کے نفاذ

---

[1] عدالت دورہ متعلقۂ پٹنہ کے جج مسٹر سٹن کی رُوداد مورخہ ۲۰ر جون ۱۸۰۹ء۔

میں واقع ہوئی ہوں اور ایسی خرابیوں کے وجود کے متعلق جن کے رفع کرنے کے لیے جماعت مقننہ کی مداخلت کی ضرورت ہو بالعموم بہت مفید ہوتی ہیں۔ یہ شکل فرض کیا جا سکتا ہے کہ داخلی حکومت کے جدید انتظام کے اثرات بیان کرتے وقت کوئی سرکاری ملازم مخالفانہ پہلو اختیار کرے گا یا معقول بنیاد کے بغیر ایسی روداد پیش کرے گا جو حکومت کی نظر میں ناگوار ہو۔ بلکہ اس نوعیت کی روداد کے متعلق یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں واقعات کو کچھ ایسا رنگ دیا جائے گا جو حکومت کو خوشگوار معلوم ہو اور اس طرح لکھنے والے پر اس کی نظر عنایت رہے۔ لیکن بے ساختہ اظہار ناراضی سے کوئی غرض منسوب نہیں کی جا سکتی جب کہ عام طرز یہ ہو کہ نظر عنایت کے حصول میں خلاف واقعہ اظہارات یا ایسے حالات کے بیان سے کام لیا جائے جن کو خود لکھنے والا سرکاری ملازم صحیح اور معقول نہ سمجھتا ہو۔ لہذا مجلس کا یہ خیال ہوتا ہے کہ مذکور بالا رودادوں کو بہت غور سے ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً ان صورتوں میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ کمپنی کے ملکی مقبوضات کے نظم و نسق میں نقائص موجود ہیں اور خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

علاوہ ان میعادی رودادوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے مجلس کو اسی قسم کے متعدد سرکاری مراسلات کو بھی ملحوظ رکھنا پڑا ہے جن میں صوبوں کی حالت اور عدل گستری کی اس کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جو سنہ ۱۸۰۲ء میں تھی۔ یہ مراسلات مشتمل ہیں ان سوالات کے جوابات پر جو ججوں مجسٹریٹوں اور مختلف اضلاع کے کلکٹروں کے پاس منجانب لارڈ ولزلی گشت کرائے گئے تھے جب کہ لارڈ موصوف نے خود اپنے عین محکوم صوبوں کا دورہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور ان کی تشریح حکومت بنگال نے یوں کی ہے (۱) کہ "ان میں کمپنی کے علاقوں کے داخلی نظم و نسق اور ذرائع آمدنی کے متعلق قیمتی معلومات درج ہے اور دیوانی و فوجداری عدالتوں کے انتظام اور جان و مال کی اس حفاظت کا ذکر ہے جس سے کمپنی کی ساری رعایا متمتع ہوتی تھی اور اس ہمت افزائی کا بھی جو موجودہ انتظام سے زراعت کی ترقی

(۱) مراسلہ گورنر جنرل بنام مجلس راز مورخہ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۰۲ء

اور تجارت کی وسعت کے متعلق ہوئی"۔ حکومت بنگال نے مجلس نظار کی خدمت میں ان رُودادوں کو روانہ کرتے ہوئے یہ استدعا کی کہ مجلس موصوف ان پر کسی حکم کو مبنی کرنے سے اُس وقت تک احتراز کرے جب تک ان رُودادوں کی معلومات کا خلاصہ اس کے سامنے نہ آجائے جو سر جارج بارلو عن قریب پیش کرے گا۔ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس قسم کا کوئی خلاصہ اب تک وصول ہوا ہے یا کوئی حکم مجلس نظما نے ایسا صادر کیا ہے جو زیر بحث رُودادوں پر مبنی ہو۔

مجلس نے مذکورِ بالا رُودادوں میں سے ان کا انتخاب کیا ہے جو اسے اہم معلوم ہوئیں اور وہ ضمیمے میں نظر آئیں گی۔ یہ رُودادیں وہ ہیں جو ججوں نے مارکوئیس ولزلی کے گشت کرائے ہوئے سوالوں کے جواب میں یا اپنے دوروں کے اختتام پر لکھی ہیں۔

ان مختلف سرکاری مراسلات کے بغور مطالعے کے بعد مجلس اس قابل ہوئی ہے کہ اپنی حسب ذیل آرا احاطۂ بنگال کے تمام صوبوں کی عدالتہائے فوجداری کے انتظام اور پولیس کی کیفیت کے متعلق ایوان کے ملاحظے میں پیش کرے۔

عدالت ہائے فوجداری کے جج اپنے محکموں کے دیسی قانونی عہدہ داروں کے ساتھ ہر چھٹے مہینے اپنے اپنے دورے پر روانہ ہوتے ہیں۔ ہر عدالت کے مستقر پر پہنچنے کے بعد ان کے سامنے جرایم کا ایک تختہ پیش کیا جاتا ہے جس میں ملزمین کے نام، وہ جرایم جو ان سے منسوب ہیں اور فریقین کے گواہوں کے نام درج ہوتے ہیں۔ ان ابتدائی مرحلوں کے طے ہونے کے بعد تحقیقات شروع ہوتی ہے جو اس اصول اور طریقے پر کی جاتی ہے جس کی تفصیل اس رُوداد کے سابق حصے میں بیان کردی گئی ہے۔

جو جرایم خاص کر صوبہ جات بالائی میں بشمول بنارس و بہار پھیلے ہوئے پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: نقب زنی یعنی ایسی چوری جو مکان کی دیوار میں گھستا

(ب) ضمیمہ نشان ۱۰ او ۱۱۔

چھوڑ کر کی جاتی ہے، قتل جو مختلف اغراض کے تحت ہوتا ہے اور قزاقی جس کے ساتھ قتل عمد اور قتل انسان مستلزم سزا شامل ہوتا ہے
بنگال میں مذکور بالا جرائم کے علاوہ ڈکیتی کو جس کے ساتھ اکثر قتل بھی ہوتا ہے، دروغ حلفی اور ترغیب دروغ حلفی کو بھی جو نہایت ظالمانہ اغراض کے لیے عمل میں آتی ہے، شامل کرنا چاہیے۔ یہ جرائم ملک کے متعدد حصص میں اکثر واقع ہوتے ہیں لیکن اس بارے میں صوبۂ بنگال کو بہ نسبت دوسرے مقامات کے جو خصوصیت حاصل ہے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ پولیس کے عنوان کے تحت بیان کیا جائے گا۔

اس قسم کے جرائم کے مقدمات جن کی تحقیقات عدالت دورہ کا جج کرتا ہے اور جن کے متعلق بہ امداد عہدہ داران قانونی حکم برأت یا سزا صادر کرتا ہے یا جن کو بغرض نظر ثانی و تصفیہ نظامت عدالت فوجداری یعنی اعلیٰ ترین عدالت فوجداری کے سپرد کرتا ہے صوبجات بالائی میں اتنے زیادہ نہیں ہوتے کہ ان کا اختتام معمولاً چند ہفتوں میں نہ ہوسکے۔ لیکن صوبہ جات بنگال میں جج اپنے جانشین کے دورے کے وقت آغاز سے قبل شاذ ہی اپنے مستقر کو واپس ہوتا ہے اور علاقہ ڈھاکہ میں تو یہ صورت پیش آئی کہ دورے کی مدّت چھ ماہ سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ اس تمام مدت میں اس وقت کے سوا جو ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے میں صرف ہوتا ہے جج ایسے اہم اور سخت ترین فرائض میں لگاتار مصروف رہتا ہے۔ جیسے کسی ملازم سرکاری پر عاید ہوسکتے ہیں۔ یعنی اُن اشخاص کے مقدمات کی تحقیقات میں جن پر سنگین جرایم کا الزام ہوتا ہے جو پریشانیاں اس خدمت کی انجام دہی میں اسے ہوتی ہیں اور جن پیچیدگیوں کو سلجھانا پڑتا ہے وہ ایسی ہیں جو کچھ تو ان طریقوں کی سادگی کی وجہ سے جو بعض باشندگان ملک میں رائج ہیں اور کچھ ان کی بداعمالیوں کی مخصوص عادت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ان کا اندازہ حسب ذیل اقتباس سے کیا جاسکتا ہے جو اِس موضوع سے متعلق ایک نہایت قابلانہ، معقول اور دلچسپ مضمون سے لیا گیا ہے۔ یہ مضمون مسٹر (اب سر ہنری) اسٹریچی کی وہ رُوداد ہے جو اس نے سنہ ۱۸۰۲ء کے دوسرے سشن

کے اختتام پر کلکتہ کے مختلف اضلاع کے دورے کے متعلق لکھی تھی۔[ع۴] اس موقع پر جن اشخاص کے بارے میں تحقیقات کی گئی ان کی تعداد تقریباً ایکہزار اور جن کو مجرم قرار دیا گیا ان کی تعداد ۴۴۶ بتائی گئی ہے۔ الزامات کی بڑی تعداد ڈاکیتی کی معلوم ہوتی ہے جس کی تحقیقات پر حسب ذیل اظہار رائے کسی اور جرم کی تحقیقات کی بہ نسبت زیادہ منطبق ہوتا ہے۔

''میرے بہترین مشاہدے میں یہ بات معلوم ہوئی کہ دوران تحقیقات میں اکثر مجرمین چھوٹ جاتے ہیں بعض اوقات کسی سنگین ڈاکے یا قتل کو حلفاً بیان کیا جاتا ہے اور استغاثے کی شہادت سے بادی النظر میں کلیتہً ثابت ہو جاتا ہے لیکن جب ہم شہادت صفائی کی نوبت پر پہنچتے ہیں تو ملزم کے بوقت وقوع جرم موجود نہ ہونے کا عذر پیش کر دیا جاتا ہے اور اگرچہ ہمارا رجحان اس کو یقین کرنے کے خلاف ہوتا ہے لیکن جب دو یا تین[۱] گواہ بغیر اختلاف کے اس کی حلفاً شہادت دیتے ہیں اور اپنے کذب یا مبہم بیان کی گرفت کی ہر کوشش سے بچ نکلتے ہیں تو ہم شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور ملزم رہا ہو جاتے ہیں۔

اکثر و بیشتر استغاثے کی جانب سے گواہ بالکل ناقابل یقین واقعات کی حلفاً شہادت دیتے ہیں جس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ملزم کو کامل طور پر سزا دلائیں حالانکہ ان کا سادہ طریقے سے صرف یہ بیان کر دینا کافی ہو جاتا کہ انھوں نے کیا دیکھا اور وہ کیا جانتے ہیں۔ وہ اکثر اس خیال سے کہ شاید ثبوت میں قوانین کی رُو سے کوئی نقص نکالا جائے اور ملزم رہا ہو جائے ان کے مقابلے میں جو گواہ پیش ہوتے ہیں ان سے زور کے ساتھ انتقام لیتے ہیں اور واقعات میں اس طرح مبالغہ کرتے ہیں کہ خود ان کی معقولیت بالکل معدوم ہو جاتی ہے۔

گواہ عموماً طویل بیانات دیتے ہیں اور ان کی تعداد شاذ ہی کم ہوتی ہے اور یہ اکثر اپنی خصلت، ذات، عادت اور تعلیمی حالت میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ تین مرتبہ یعنی داروغہ[۱]، مجسٹریٹ اور عدالت دورہ

ع۴۔ ضمیمہ نشان[۱۱]۔

۱۔ داروغہ یعنی پولیس کا ایک افسر۔

کے سامنے وہ ان مختلف افعال کے متعلق جو صادر ہوئے اور بیان کیے گئے بہت طویل و مفصل مگر غیر صحیح اظہارات دیتے ہیں۔ ان میں متعدد تغیرات و اختلافات واقع ہوتے ہیں جن پر دور رس بدگمانی کی جاتی ہے اگرچہ حقیقتہً ان میں کذب کے معقول قیاس کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔

لیکن غلطی اور فریب کے درمیان فرق کون کرے؟ کون جج ان دیسیوں کی جن کے اظہارات وہ لیتا ہے بے شمار خلاف بیانیوں میں سے اصل حقیقت کو میز کر سکتا ہے؟ کتنے بار ایسا ہوتا ہے کہ ان خلاف بیانیوں کے اسباب ان اسباب سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جن کا ہمیں شبہ ہوتا ہے؟ وہ کس حد تک گواہ کی سادگی، خوف اور تذبذب سے اور کس حد تک خود ہماری نادانی اور بے صبری سے پیدا ہوتی ہیں؟

ہمیں اس بات کا تعجب نہیں ہو سکتا کہ دیسی ہمارے بے عقیدہ اور متشکی فطرت سے واقف ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں ایک صحیح واقعہ تسلیم کرنے کی ترغیب دینا بہت مشکل ہے اور اسی لیے ہمارے مذاق کے مطابق ایک جھوٹا قصہ گھڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دیسی بحیثیت گواہ اظہارات دینے سے قبل اکثر ایک دوسرے کی تحریری یادداشتوں کی مطابقت کر لیتے ہیں اور اس شخص کی نظر میں اپنے بیان کو قرین قیاس ظاہر کرنے کے بہترین طریقے کے متعلق باہم مشورہ کرتے ہیں جس کی عقلمندی سے یہ توقع نہیں کیجا سکتی کہ وہ ایک بے تصنع بیان سے مطمئن ہو جائیگا اور جس کی سمجھ کامل ترین سچائی اور سادگی میں بھی فریب و جعل کا شبہ کرنے کی طرف بہت جلد مائل ہو جاتی ہے۔

ہم اس کے سوا اور کچھ مشاہدہ نہیں کرتے کہ ایک بیان ہمارے پاس پہنچنے تک اکثر تصنع اور جعل کی قوی ترین شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ چیز ہماری سماعت کے ناقابل متصور ہو کر پوشیدہ رکھی جاتی ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم گواہ کے بیان کی صداقت کے خلاف کوئی رائے قایم کریں۔ یہ خیال سخت تکلیف دہ ہے کہ اکثر مرتبہ ہماری کچہریوں میں گواہ صحیح واقعہ بیان کرتے وقت گھبراتے ہیں۔

افراد قوم کی مخصوص ذہنیت کا ہم اس کے دایرۂ عمل میں مطالعہ نہیں کر سکتے۔ ہم ان کی خانگی زندگی معلومات گفتگو مشاغل تفریح اور ان کی تجارت، ذات یا کسی اور قومی یا انفرادی خصوصیت کے متعلق کچھ نہیں جانتے حالانکہ یہ چیزیں ان سے کامل واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ ہر روز ہمارے سامنے جدید اور تعجب خیز مثالیں پیش ہوتی ہیں اور ہمارے پاس واقعات کی تحقیقات میں رہنمائی کے لیے کوئی اصول نہیں ہے بجز ہماری رائے کے انتہائی تذبذب کے جو اغلب اور غیر اغلب کے درمیان فیصلہ نہ کر سکنے کی کیفیت کا ایک احساس ہے۔

بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ مخبرین اور چوروں کو گرفتار کرنے والے اشخاص ملزمین کی تفتیش اور گرفتاری میں نہایت ناجائز ذرایع اختیار کرتے ہیں۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اقبال جرم جبراً کرایا گیا ہے اور گواہوں کو جھوٹی گواہی کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ ملزمین مرتکب جرایم ہیں لیکن استغاثہ ناکام رہتا ہے محض اس لیے کہ جو ناجائز طریقہ ان کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے وہ ہمیں اور شبہ میں ڈالدیتا ہے۔

جب ہم ہر اُس واقعہ کے متعلق اپنی انتہائی بے اطمینانی پر غور کرتے ہیں جس کی تائید دو یسیوں کے اعتبار پر منحصر ہوتی ہے تو کون تعجب کر سکتا ہے اگر ایک ذرا سا واقعہ بھی انصاف کے پلّے کو ملزم کے حق میں جھکا دے اور جہاں ہمارا یہ خیال ہوتا ہو کہ بے گناہی ممکن ہے وہاں ہم سزائے موت یا حبس بعبور دریائے شور صادر کرنے میں پس و پیش کریں؟

میں ان چیزوں کا ذکر اس لیے نہیں کر رہا ہوں کہ دادرسی کی کوئی شکل تجویز کروں۔ اگر دل کو جرم کا یقین نہ ہو تو براءت کا خیال لازماً آتا ہے مگر ہم اس افسوس کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے کہ ایک ڈاکہ پڑ گیا یا ایک قتل ہو گیا اور انصاف مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے سے قاصر رہا۔

مجھے عدالتہائے فوجداری میں مقدمات کی سماعت کے لیے یا شہادت کو قبول کرنے یا اس پر یقین کرنے کے متعلق کوئی نئے قواعد پیش کرنا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ شہادت کے جدید قواعد سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا

بلکہ عدالتوں کو پریشانی ہوگی اور مجرمین کے سزا پانے میں نئی رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔

"جس خرابی کی میں شکایت کر رہا ہوں وہ بہت پھیلی ہوئی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ ناقابل علاج بھی ہے۔ جو دشواری ہمیں دیسیوں کے مابین صدق اور کذب کی تمیز میں ہوتی ہے وہ میری رائے میں زیادہ تر ان کے ساتھ ہمارے تعلقات ور وابط نہ ہونے سے، ان کے مخصوص عادات و اطوار سے، ان کی ہماری خصوصیات سے انتہائی ناواقفیت اور ہماری بھی ان سے تقریباً اتنی ہی ناواقفیت سے منسوب کیجا سکتی ہے۔"

ایک اور رُوداد میں جو علاقۂ پٹنہ کی عدالت دورہ کے جج نے اسی زمانے میں مرتب کی تھی حسب ذیل رائے درج ہے:۔ "پیش شدہ الزامات میں سے قتل کے بہت کم اور ڈکیتی کی صرف ایک واردات حقیقت میں ہوئی تھی۔ باقی سب محض فرضی جرائم ہیں جو اس لیے پیش کیے گئے تھے کہ فریقِ مخالف کو پریشان کیا جائے یا کسی نزاع کا بدلہ لیا جائے۔ عدالت فوجداری ایک آلۂ انتقام ہے جس کی طرف اس صوبے کے باشندے ہر موقع پر رجوع کرتے ہیں۔ سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کے افراد بھی ایک دوسرے پر سنگین سے سنگین جرم کا الزام لگانے اور استغاثے کی تائید نہایت دلیرانہ دروغ بافی سے کرنے میں کچھ بھی شرم نہیں محسوس کرتے اور نہ ان کے کذب کے فاش ہو جانے سے انھیں کوئی ندامت ہوتی ہے۔"

اس دورے میں جس کے اختتام پر مذکورہ دو رُودادوں میں سے پہلی لکھی گئی تھی، جن اشخاص کے متعلق تحقیقات ہوئی ان کی تعداد تقریباً ۱۰۰۰ اور جن کو مجرم قرار دے کر سزا دی گئی ان کی تعداد ۲۴۴ بیان کی گئی ہے۔ یہ دورہ اضلاع مدناپور، جیسور، ندیا، ہگلی، بردوان اور چوبیس پرگنوں میں ہوا تھا۔ اسی سال دورۂ مرشد آباد میں جو پانچ مستقر ہائے عدالت یعنی بھاگل پور، پورنیا، دیناج پور، رنگپور اور راج شاہی پر مشتمل تھا اشخاص زیر تحقیقات کی تعداد ۲۷۴ اور الزامات کی تعداد ۷۷۴ بتائی گئی ہے۔ دورۂ پٹنہ میں ۷۰ الزامات

پیش ہوئے اور ۲۰۳ اشخاص کی تحقیقات ہوئی۔ ڈھاکے کے دورے میں جو چھ اضلاع پر محیط تھا الزامات کی تعداد ۱۷۳ تھی اور ۵۶۷ اشخاص زیرِ تحقیقات رہے۔ اس طرح چھ ماہ کی مدت میں جس سے مذکورہ رُوداد میں متعلق ہیں چاروں علاقہ جاتِ دورہ میں جو صوبہ جات بنگال، بہار و اوڑیسہ پر مشتمل ہیں، الزامات زیرِ تحقیقات کی مجموعی تعداد ۱۱۲۸ اور اشخاص زیرِ تحقیقات کی تعداد ۲۴۹۰ رہی۔ بعد کے چھ ماہ کے اعداد حسبِ ذیل ہیں۔ دورۂ کلکتہ میں ۳۳۵ الزامات اور ۱۱۸۲ اشخاص زیرِ تحقیقات رہے۔ مرشد آباد میں ۴۴۶ الزامات اور ۱۰۹۶ اشخاص، پٹنے میں ۱۴۶ الزامات اور ۳۸۷ اشخاص، ڈھاکے میں ۱۶۵ الزامات اور ۵۱۲ اشخاص زیرِ تحقیقات رہے۔ مجموعی حیثیت سے ۱۰۹۲ الزامات اور ۳۱۷۷ اشخاص زیرِ تحقیقات رہے۔ گویا سنہ ۱۸۰۲ء کے سال تمام میں الزامات کی تعداد ۲۲۰ء۱ اور اشخاص زیرِ تحقیقات کی ۵۶۶۷ تھی۔ اسکے بعد کے پانچ سال میں عدالتہائے فوجداری کا کام کسی قدر بڑھ گیا اور اشخاص زیرِ تحقیقات کی تعداد سنہ ۱۸۰۳ء میں ۵۸۶۶، سنہ ۱۸۰۴ء میں ۵۶۱۰، سنہ ۱۸۰۵ء میں ۶۱۹۶، سنہ ۱۸۰۶ء میں ۵۷۹۸ اور سنہ ۱۸۰۷ء میں ۵۷۱۳ رہی اور پانچ سال کا اوسط ۵۸۳۱ رہا۔

مذکورِ بالا سال سنہ ۱۸۰۲ء کی نسبت اگر یہ فرض کیا جائے کہ کاروبار کو ملزمین کی ہر شش ماہی تحقیقات کے لیے چاروں عدالتہائے دورہ کے ججوں میں مساوی طور پر تقسیم کیا گیا تھا تو ہر جج کے ذمے مذکورہ اوسط کے لحاظ سے ۷۰۰ سے زیادہ اشخاص برائے تحقیقات ہوں گے۔ اور اگر پورے چھ مہینے اُس تھوڑے سے وقت کو نکال دینے کے بعد جو ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانے کے لیے مقرر ہو دورے کے کام میں صرف کیے جائیں تو ہر جج روزانہ چار مقدمات سے کچھ زیادہ کی تحقیقات کر سکتا ہے۔ لیکن سابق الذکر صورت میں علاقۂ کلکتہ میں ۳۲۵ الزامات اور ۱۱۸۲ اشخاص زیرِ تحقیقات کی غیر متناسب تعداد ظاہر ہوتی ہے جو جج کے کام کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ اس کے لیے اوسطاً ہر روز مسلسل سات اشخاص سے زیادہ کی تحقیقات لازمی ہو جاتی ہے تاکہ وہ مقررہ مدت میں اپنے دورے کا کام دوسرے دورے کے آغاز سے قبل ختم کر سکے۔

جج کا اپنے حصۂ فرائض کی انجام دہی کے قابل ہونے کی توجیہ شاید اس دلیل سے ہو سکے کہ بعض مقدمات میں اور خصوصاً ڈکیتی اور سرقہ بالجبر کے مقدمات میں ایک ہی شہادت ان تمام اشخاص کو سزا دینے یا بری کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے جن میں سے اکثر نے جرم مُتّین میں شرکت کی ہو اور اسی طرح کی کارروائی سے وقت واحد میں ایک سے زیادہ اشخاص کی قسمت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی حالانکہ مذکورہ دلیل ہر مقدمے پر منطبق ہو سکتی ہے اور اس سے بڑی حد تک کام میں کمی ہو سکتی ہے، بہت کچھ کام اُس مسلسل توجہ کا محتاج رہیگا جس کو تکمیل فرائض منصبی کی غرض سے جاری رکھنا عدالت دورہ کے جج کے لیے ناگزیر ہے اور اُن امور کی تکمیل کا بھی جو ایک یورپین سیول ملازم کو اس کے فرائض کی بجا آوری کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

شہادت کے متعلق بے اطمینانی جو ایسے باشندوں کے مجرمانہ رجحان سے پیدا ہوتی ہے جن میں دروغ حلفی ایک ادنیٰ جرم سمجھا جاتا ہے اور جنھیں اس سے اتنی ندامت بھی نہیں ہوتی جتنی ذات کے کسی خفیف ترین معاملے کی مخالفت سے ہوتی ہے ججوں کے لیے فوجداری مقدمات کے کام کو خاص طور پر مشکل بنا دیتی ہے۔ اس اہم خدمت کے لیے انتخابات غالباً نہایت قابل اور تجربہ کار سیول ملازمین میں سے ہوتے ہیں جن کی ملازمت اتنی طویل ہو کہ انھوں نے باشندگان ملک کی زبان اور عادات سے واقفیت حاصل کر لی ہو۔ ان اشخاص کے تدین و اعتبار کے متعلق جو اس طرح مامور ہوتے ہیں کسی شبہ کی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کو قانون میں مہارت اور رسوم باشندگان سے واقفیت رکھنے والے دیسیوں کی مدد حاصل ہے جو سرکاری طور پر دورے میں ان کے ساتھ رہتے ہیں تو شاید یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہو گا کہ قوانین فوجداری کا نفاذ اسی خوبی کیساتھ کیا جا رہا ہے جس کی توقع جدید انتظام حکومت کے نفاذ کے وقت کی جا سکتی تھی۔

وہ تاخیر جو اُن اشخاص کی تحقیقات میں ہوتی ہے جن پر جرایم کے الزامات ہوتے ہیں اگرچہ اب اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی سابق انتظام کے زمانے

ہیں قابل اعتراض قرار دی گئی تھی تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حد تک ضرور واقع ہوتی ہے جس سے خرابی پیدا ہو لہٰذا حکومت کا یہ مطمع نظر ہونا چاہیے کہ اس کو بھی رفع کیا جائے۔

زیر حراست ملزمین کی تحقیقات چھ ماہ میں ایک بار ہوتی ہے اور اگرچہ یہ عمل ایک ایسی تنظیم یافتہ قوم کے لیے جیسی کہ برطانیۂ عظمی میں ہے کافی معلوم ہوتا ہو لیکن ملزمین کی سپردگی اس غرض سے کہ آیندہ ان سے متعلق الزامات کی تحقیقات ہو باشندوں کے لیے باعث تکالیف اور حکومت ہند کے لیے موجب مصارف ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ گواہوں کو دوبارہ طلب کیا جائے اور ان کی حاضری کے زمانے میں ان کا بھتہ ادا کیا جائے۔ لیکن سب سے بڑا اعتراض جو عدالتہائے دورہ کے بعض ججوں نے اس تاخیر پر کیا ہے یہ ہے کہ اس سے سازش کا موقع مل جاتا ہے جس کے ذریعے ایسی عیاریوں کے ساتھ بے گناہ کو پھانسا جاتا ہے یا مجرم کو بچایا جاتا ہے جن کے استعمال میں دیسیوں کے بعض بد اطوار فرقوں کو خصوصاً کلکتے کے اطراف کے باشندگانِ اضلاع کو اسقدر مہارت حاصل ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ عدل گستری کو وہ باقی باشندگان ملک کے حق میں ایک بلا بنا دے گی۔

لیکن مجلس کو بعض اضلاع کی فوجداری عدل گستری سے متعلق اُس تاخیر کا ذکر کرنا ہے جو ایک دوسرے سبب سے پیدا ہوتی ہے جس میں زیادہ مضر رجحانات پائے جاتے ہیں بہ نسبت ان کے جو زیر حوالات ملزمین کو ان کی تحقیقات کے دوران میں محسوس ہوئے ہیں۔ چونکہ اس تاخیر کا تعلق اُن اشخاص سے ہے جن کے مقابلے میں اب تک شہادت قلمبند نہیں کی گئی ہے اس لیے اس سے بے گناہ اور مجرم دونوں متاثر ہو سکتے ہیں۔ جس تاخیر کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے وہ اکثر مجسٹریٹ کے دفتر میں واقع ہوتی ہے جہاں کثرت کار یا دیگر وجوہ سے شخص گرفتار شدہ کے متعلق سماعت کی نوبت آنے سے پیشتر کئی ہفتے گذر جاتے ہیں۔ اور اس اثنا میں اس کو ایک بہت گنجان قید خانے میں رکھا جاتا ہے جہاں اکثر اوقات شخص گرفتار شدہ کے مقدمے کی سماعت سے قبل، موت اس کا فیصلہ کر دیتی ہے

وہ مقامات جن سے یہ صورت خاص طور پر تعلق رکھتی ہے ڈھاکہ، بردوان، جیسور، ہگلی، ندیا، چوبیس پرگنے یا کلکتہ ہیں۔ اور یہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جو یوروپین سیول ملازم ان مقامات کا صدر حاکم ہوتا ہے اس کے پاس اس قدر کام ہوتا ہے کہ اس کی انجام دہی ایک شخص سے ناممکن ہوتی ہے۔ اگر بہ حیثیت جج کے وہ اپنے اجلاس کے مقدمات دیوانی کی تعداد میں کمی کرنے کی ضرورت کا احساس کرتا ہے تو مجسٹریٹی کے عہدے کے کام کا بقایا بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اگر وہ اپنے کو موخرالذکر کام میں کافی طور پر منہمک رکھتا ہے تاکہ فوجداری الزامات سے متعلق ان گواہوں کو بیکار رہنا نہ پڑے جو مسلسل طور پر اس کے سامنے پیش ہوتے رہتے ہیں اور اس طرح ملزمین کو جلد زیر حراست یا رہا کر سکے تو دیوانی مقدمات فہرست میں لازماً اضافہ ہو جاتا ہے۔ جج کا کام ہلکا کرنے کے لیے یہ تدابیر اختیار کی گئی ہیں کہ اُن مقدمات کی حد کو وسیع کر دیا گیا ہے جو وہ اپنے ذیلی عہدہ داروں اور دیسی کمشنروں کے پاس بھیج سکتا ہے اور اس کے فیصلے کے مرافع کی مدت کو محدود کر دیا گیا ہے تاہم دیوانی و فوجداری عدالتوں کے اُس عاجلانہ انتظام کی تکمیل کے لیے جس کے نفاذ کی لارڈ کارنوالس کو بہت خواہش تھی، ابھی کچھ کسر ضرور رہ گئی ہے اور تاحال اس انتظام کو خوبی کا وہ درجہ حاصل نہیں ہوا ہے جس کے امکان کی توقع کیجاسکتی ہے۔

پولیس

اُصلی محکمۂ پولیس کا قیام گو ایک نہایت اہم امر ہے، جدید داخلی انتظامات کا ایک ایسا جزو ہے جس میں صدر حکومت کی مساعی بہت کم کامیاب ہوئی ہیں۔ اس ذمہ داری کی دشواری کچھ ملک کی نوعیت کی وجہ سے ہے جو دریاؤں سے منقسم ہو گیا ہے اور جس میں جنگلوں اور غیر آباد مقاموں کی اس قدر کثرت ہے کہ سارقوں کو فرار ہونے میں بہت سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں لیکن وہ زیادہ تر شاید اس وجہ سے ہے کہ اس ملک کے بعض بداطوار فرقے ارتکاب جرم

کے لیے ضرورت سے مجبور ہونے کا انتظار نہیں کرتے بلکہ ٹھگی کو پیشے کی طرح انجام دیتے ہیں جو وراثتہً چلی آتی ہے۔ یہ لوگ ڈاکو کہلاتے ہیں جو اگرچہ کبھی کبھی ملک کے اکثر حصص میں نظر آتے ہیں لیکن صوبجات نشیبی بنگال میں خصوصیت کے ساتھ ان کے جتھے پائے جاتے ہیں۔

مجلس دورہ نے ایک مدت قبل یعنی سنہ ۱۸۰۷ء میں بنگال کے ڈاکوؤں کی یوں تعریف کی ہے کہ "وہ انگلستان کے ڈاکوؤں کی طرح نہیں ہیں جو ناگہانی ضرورت سے ایسے افعال پر مجبور ہو جاتے ہوں بلکہ پیدائش سے وہ پیشہ ور ٹھگ ہیں، ان کے باقاعدہ فرقے قایم ہو گئے ہیں اور ان کے خاندانوں کی پرورش اُس لُوٹ پر ہوتی ہے جو وہ ان کے لیے گھر لاتے ہیں۔" ڈاکوؤں کی یہ تفصیل بعض ان تدابیر کی تشریح کے طور پر بیان کی گئی تھی جو اس زمانے میں غیر معمولی سختی کے ساتھ زیر بحث جرم کا انسداد کرنے کے لیے اختیار کی گئیں لیکن اگر وہ زیر عمل آئیں بھی تو کچھ زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئیں بلکہ اس کے برخلاف جو غارت گریاں ڈاکو کرتے تھے یا جو مظالم وہ باشندوں کی جانوں پر کرتے تھے ان کی شکایت اس زمانے تک برابر جاری رہی ہے اور صوبہ جات مذکور بالا کے اندر گذشتہ چند سال سے اور بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ صورت حال جن وجوہ سے منسوب کی جا سکتی ہے ان میں سے ایک وہ دقت ہے جو اس مخصوص شہادت کے حصول میں ہوتی ہے جس کی ضرورت عدالتہائے دورہ کے عمل درآمد کے لحاظ سے مجرمین کو سزا دینے کے لیے پیش آتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ سہولت بھی ہے جو نتیجۃً مجرمین کو سزا سے بچ نکلنے اور انہیں جرایم کے افعال از سرِ نو جاری کرنے میں حاصل ہوتی ہے۔ اس امر کے متعلق مجلس حسب ذیل عبارت اس رُوداد سے نقل کرنا مناسب سمجھتی ہے جو سنہ ۱۸۰۲ء میں ڈھاکہ جلال پور کے مجسٹریٹ نے حکومت کی خدمت میں پیش کی تھی۔ "ڈاکو اس دہشت پر فخر کرتے ہیں جو ان کے نام سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے نام چھپانے کی کوشش نہیں کرتے اور اس سبب سے وہ عام طور پر مشہور ہو جاتے ہیں۔ ان کے ناموں اور خصلتوں سے تمام باشندے واقف ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جنھوں نے ان کو کبھی نہیں

دیکھا اس قسم کے اشخاص کے خلاف جو گواہ پیش ہوتے ہیں وہ اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں اگر وہ کوئی مخصوص الزام اپنے بیان سے عائد کریں۔ اگر وہ معمولی لفظوں میں صرف ان کی بدنامی کے متعلق اظہار دیں تو اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی کیوں کہ محض عام بدنامی بغیر کسی مخصوص الزام کے ان کی سزا کے لیے قانوناً کافی تصور نہیں کی جاتی اور قیدی کی رائے میں وہ اس کی شہرت میں اور اضافہ کرتی ہے۔ وہ اشخاص بھی جو ان کی گرفتاری کے لیے اپنے کو پیش کرتے ہیں اسی طرح اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ بیئنہ ور گویندے (مخبرین) اس بری حالت میں مبتلا نہیں رہتے۔ ان کے جاسوس ڈاکوؤں کی نقل وحرکت کی خبر رکھتے ہیں اور وہ اس اطلاع سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ سرداروں (سرگروہوں) سے ساز باز کر کے اپنے ہم راز رہنے کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ ان سرگروہوں کو سزا دینا مشکل ہوتا ہے جیسا جیسا کہ وہ مشہور ہوتے جاتے ہیں۔ جس قدر زیادہ قتل اور ٹھگی کے لیے ان کی شہرت ہوتی ہے اسی قدر مشکل ان کے خلاف گواہوں کا طلب کرنا ہوتا ہے۔ میرے قید خانے میں اس وقت اس قسم کے کئی سردار موجود ہیں جنکا قید سے رہائی پانا عوام کے حق میں خطرناک اور خصوصاً ان لوگوں کے لیے یقینی ہلاکت کا باعث ہوگا جنھوں نے ان کی گرفتاری میں کوئی حصہ لیا تھا۔ اگر عام بدنامی (جیسی کہ میں نے بیان کی ہے) ان کو سزائے حبس بہ عبور دریائے شور دینے کے لیے کافی تصور کی جاتی تو قوم کے حق میں نہایت مفید ہوتا کیونکہ ان کے مطمح نظر (ایک مسلسل بدنامی) کو بلحاظ طریقے سے ان کی سزا کا سبب گردانا جاسکتا تھا اور میرے خیال میں اس خرابی کی بڑی حد تک روک تھام ہو جاتی۔

کوئی مجسٹریٹ جو اپنے فرایض سے غافل نہیں ہے ان مشہور سرداروں کے حالات سے ناواقف نہیں رہ سکتا۔ اپنے کاروبار کے دوران ہی میں ان کے ناموں سے وہ مانوس ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے اختیار میں مذکورِ بالا وجوہ سے یہ نہیں ہوتا کہ ان پر کوئی قانونی یا مخصوص الزام قایم کر سکے تاہم وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ان کو گرفتار کرے لیکن ان کو سزا نہیں دے سکتا کیونکہ ان قیدیوں کے

افعال بے رحمی، راست ثبوت کی فراہمی میں مانع ہوتے ہیں۔"

اگرچہ ان سنگدل مجرموں کے خلاف خاص ثبوت کی ضرورت خود ان کے جرایم کے اسباب میں سے ایک ہے جو وہ اپنی بدمعاشیوں کے سلسلے میں کرتے ہیں تاہم دیگر وجوہ ایسی ہیں جو مساویانہ حیثیت سے قابل غور ہیں۔

ان متعدد ذرایع کا جو سابق انتظام کے تحت حاصل تھے ان مختصر وسایل کے ساتھ مقابلہ جو موجودہ انتظام نے ڈکیتی کے اندفاع کی غرض سے مہیا کیے ہیں اضلاع بنگال میں اس کے ان دنوں زیادہ پھیل جانے کی توجیہ کر سکے گا۔

محافظوں اور دیہی چوکیداروں کے حسب دستور تقررات کے علاوہ جو خاص طور پر اغراض پولیس کے لیے ہوتے تھے سابق انتظام کے تحت زمیندار کو اپنی زمینداری کے ملازمین کی مدد بھی حاصل رہتی تھی جو ہر وقت امن کی برقراری اور نقض امن کے مرتکب اشخاص کی گرفتاری کے لیے طلب کیے جا سکتے تھے۔ جو افسر محصول سائر[1] کے وصول کرنے پر اس کے منسوخ ہونے سے پیشتر مامور تھے اور جو گنجوں، بازاروں اور ہاٹوں پر مقرر ہوتے تھے وہ اختیارات تحفظ امن رکھتے تھے اور ان کا استعمال ان مقامات کے باشندوں اور زیادہ آنے جانے والوں کی حفاظت کے لیے کرتے تھے۔ مذکورۂ بالا مقاصد کے لیے ایک صدر زمیندار کو جو ذرایع حاصل تھے ان کا کچھ علم حاصل کرنے کے لیے زمیندار بردوان کی مثال پر توجہ کرنا کافی ہے۔ اس زمینداری کے رقبے کا طول اندازاً ۲۰ میل اور عرض ۵۴ میل تھا گویا وہ ۴۲۸۰ مربع میل پر حاوی تھا اور تقریباً ساری زمینداری کاشت کی بہترین حالت میں تھی اور خوب آباد تھی۔ اس کی پولیس کا عملہ جیسا کہ مجسٹریٹ کے ایک خط مورخہ ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۷۸۸ء میں بیان کیا گیا ہے، تھانہ داروں پر مشتمل تھا جو پولیس کے حلقوں کے صدر اور محافظ امن ہوتے تھے اور ان کے تحت مختلف مواضع میں باشندوں کی حفاظت کرنے اور تھانہ داروں کو خبر پہنچانے کے لیے تقریباً ۲۴۰۰ پایک یعنی مسلح سپاہی ہوتے تھے لیکن ان محافظوں کے علاوہ جو مخصوص طور پر اغراض پولیس کے لیے تھے غالباً رعایا کی حفاظت کا انحصار زیادہ تر پایکان زمینداری پر تھا کیونکہ

---

[1] محصول سائر کمپنی نے سنہ ۱۷۹۰ء میں پھر جاری کر دیا تھا اور بعض مستثنیات کے علاوہ سنہ ۱۷۹۱ء میں وہ منسوخ ہو گیا۔

ان کی تعداد جو مجسٹریٹ نے بیان کی ہے انیس ہزار سے کم نہ تھی اور وہ ہر وقت پولیس کی امداد کے لیے طلب کیے جاسکتے تھے۔

موخرالذکر طبقے کے متعدد پایکوں کو پولیس کے جدید ضوابط کی تعمیل میں برخاست کر دیا گیا اور جو اراضی ان کو بجائے تنخواہ کے دی گئی تھی وہ واپس لے لی گئی۔ جو رقم مالگزاری حکومت کو اس مد میں وصول ہوئی وہ بلحاظ وسعت اراضی خفیف تھی اس لیے گمان غالب ہے کہ پایکوں کا کثیر حصہ زمیندار کی مسامحت سے بعض اراضی پر قابض تھا لیکن خواہ کچھ ہی ہوا ہو ان پایکوں کی خدمات سے پولیس محروم ہو گئی اور جو اشخاص حقیقت میں برخاست کر دیے گئے تھے ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے چوری کو حصول معاش کا ذریعہ بنا لیا ہے! ان داروغوں کے متعلق جو نئے انتظام کے تحت تھانہ داروں کی جگہوں پر مقرر ہوئے ہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے پیشرو تھانہ داروں سے کچھ کم غیر متدین نہیں ہیں اور چونکہ خود یہ مع اپنے ذیلی افسروں کے اسی طرح برائی کی طرف مائل رہتے ہیں اس لیے ان میں فائدہ پہنچانے کی اتنی صلاحیت نہیں جتنی زمینداری کے ان ملازمین میں تھی جو ان سے پہلے مامور تھے۔ داروغہ جو ملک کے ایک ایسے علاقے پر مقرر کیا جاتا تھا جس کا رقبہ چار سو مربع میل کا ہوتا تھا اپنے پندرہ بیس مسلح سپاہیوں کی مدد کے باوجود باشندوں کی حفاظت کے ناقابل پایا گیا۔ دیہی چوکیداروں اور زمینداری کے ایسے ملازموں پر جو برطرف نہ ہوئے تھے داروغہ سے اتحاد عمل کرنا لازم تھا۔ لیکن اس قسم کا حکم چونکہ عاجلانہ نفاذ کے انتظام کے بغیر صادر کیا گیا تھا اس لیے خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہ ہو سکا زمیندار اپنے اس اثر سے جو سابق زمانے میں قایم تھا اب داروغوں کی امداد کو عملی میدان میں طلب نہیں کر سکتا تھا۔ برخلاف اس کے داروغوں کو جو جداگانہ افراد کی حیثیت سے متصور ہوتے تھے ان کے متعلقہ حلقوں میں بعض خوف کی نظر سے دیکھتے تھے بعض ان سے حسد کرتے تھے اور اکثر باشندے ان کی پروا نہ کرتے تھے اور اس طرح عوام کی نظر میں ان کی وہ ذاتی وجاہت نہ تھی جو ان کے فرائض کو عمدگی سے انجام دینے کے لیے بہت ضروری تھی۔

اگر مذکورِ بالا مقابلہ منصفانہ ہے تو یہ ظاہر ہو جانا چاہیے کہ اغراض پولیس کے لیے سابق انتظامات اُن انتظامات کی بہ نسبت جو بعد کو نافذ ہوئے ہیں زیادہ قوی اور بہتر ثابت ہوتے اگر ان کے ذریعے ستعدی اور با قاعدہ نگرانی کے ساتھ کام لیا گیا ہوتا۔ لیکن جو دریافت لارڈ کارنوالس نے کی اس کی بنا پر اسے یہ یقین ہوا کہ زمینداروں نے اپنے اُن اختیارات کا جو انہیں بحیثیت عہدہ داران پولیس حاصل تھے غلط استعمال کیا تھا۔ اور ایک ہی شخص میں مالگزاری اور پولیس کے اختیارات کا جمع کر دینا ایک سخت غلطی تھی جس سے اکثر بُرائیاں جو موخر الذکر محکمے میں پائی جاتی تھیں بہت زیادہ پیدا ہو گئیں۔ لارڈ موصوف نے اسی لیے اس طرح کی کارروائی شروع کی جس کی تفصیل اس رُوداد کے کسی سابق حصے میں بیان کر دی گئی ہے، کہ موجودہ انتظام کو بدل کر پولیس کے اختیارات کو یورپین مجسٹریٹوں کی نگرانی میں دیسی عہدہ داروں یعنی داروغوں کے سپرد کیا جائے جو اس غرض کے لیے منتخب کیے جائیں اور مقررہ تنخواہیں پائیں۔ اس انتظامِ پولیس کے نقایص کو صاف طور پر ضابطۂ دوازدہم بابت ۱۸۰۷ء کی تمہید میں تسلیم کر لیا گیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "محکمہ جات پولیس جو حکومت نے متعدد اضلاع بنگال، بہار و اڑیسہ میں قایم کیے تھے اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے ناکافی پائے گئے"۔ اس زمانے سے قبل ہی قواعد پولیس میں ترمیمات ہو چکی تھیں، اور جرایم کے انسداد کی مزید تدابیر سزاؤں کو زیادہ سخت اور عبرتناک بنا کر اختیار کی گئی تھیں ان کے باوجود جرایم کا اضافہ خصوصاً صوبہ جات بنگال میں ہوا اور حکومت نے آخر کار یہ مناسب سمجھا کہ مذکورِ بالا ضابطہ نافذ کرے جس کی غرض یہ تھی کہ زمینداروں، تحصیلداروں، کاشتکاروں اور دیگر اہم باشندوں کو جو قابلِ اعتماد سمجھے جائیں امینوں یعنی پولیس کے کمشنروں کی حیثیت سے کام کرنے کے اختیارات عطا کیے جائیں۔

اس ضابطے کے تحت مجسٹریٹ کی جانب سے ایک سند کے ذریعے پولیس کے امینوں کا تقرر ہوتا ہے جس کی منظوری گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان کے اختیارات جرایم کے انسداد اور مجرمین کی گرفتاری کے متعلق داروغوں کے اختیارات کے مساوی ہوتے ہیں اور اس غرض

کے لیے دونوں کا دستور العمل بھی ایک ہی ہے مگر امینوں کو چھوٹے جرموں اور ہنگاموں کی سماعت کا اختیار نہیں ہے اور داروغوں کو ان کی تحقیقات اور تصفیے کا اختیار دیا گیا ہے۔ امین پر لازم ہے کہ وہ اپنے قیدیوں کو بجائے راست مجسٹریٹوں کے پاس بھیجنے کے جیسا کہ داروغہ کرتا ہے، اس ضلع یا حلقے کے داروغہ کے سپرد کردے جہاں اس کی سکونت ہے۔

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے اس طریق عمل پر غور کرنا ضروری سمجھا جو سنہ ۱۷۹۲ء میں بہت ناپسند کیا گیا تھا یعنی کسی صورت میں بھی مالگزاری اور پولیس کے اختیارات کا انضمام ہونا چاہیے اور پھر اس نے ان اختیارات کے استعمال کو جاری کیا جو زمیندار، مالگزاری کے دیسی کلکٹر اور دیگر معزز باشندے رعایا کی حفاظت اور مجرمین کی گرفتاری سے متعلق رکھتے تھے۔

اس اصول کی معقولیت پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ملازمین عدالت کی نہایت قابلانہ رُوداد وں میں چند سال قبل ہی سے مالکان اراضی کے توسط کو پولیس کی نفع بخش اصلاح کے لیے بہت ضروری بنایا جا رہا تھا گو یہ امر قابل افسوس ہے کہ زمینداروں سے ان اختیارات کے چھین لیے جانے کے بعد سے جواب ان کو پھر دیدیے گئے حالات اس قدر بدل گئے تھے کہ اب اس تدبیر سے اس قدر کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی جتنی بہ صورت دیگر ہو سکتی تھی۔ بقایائے مالگزاری کی وصولیابی کے لیے اراضی کی فروخت کے ذریعے اہم زمینداریوں کی تقسیم اور تعلقوں یعنی چھوٹے چھوٹے علاقوں کی علحدگی (جس کا ذکر رُوداد ہذا کے کسی سابق حصے میں کیا گیا ہے) زمینداروں کے مفید اثر کی کمی کا باعث ہوئی جن میں سے اکثر سابق کی بہ نسبت اب محض کاشت کاروں کی حیثیت تک پہنچ گئے تھے۔ ایسا ہی نتیجہ پایکان زمینداری اور اس عملے کی برخاست سے بھی ظاہر ہوا جو سابق میں محصول سائر وصول کرنے کے لیے قایم تھا۔ لہٰذا یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں پولیس کے قدیم انتظام کی سی خوبی اب پھر پیدا کیجا سکے گی اگر حکومت نے اس مقصد سے کوشش بھی کی یا اگر پھر وہ قایم بھی ہو گیا تو آیا اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکیگا ایسی صورت میں کہ اب متعدد پیچیدہ قواعد وقیود کے تحت

زمینداروں کو کام کرنا ہوگا۔ حقیقت میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ محول بالا ضابطہ جیسا کہ وہ ۱۸۰۸ء میں منضبط ہوا تھا بعد کو بذریعۂ ضابطہ ششم بابت ۱۸۱۰ء اس حد تک منسوخ ہو گیا کہ اس کا تعلق پولیس کے امینوں کے تقرر سے باقی نہ رہا اور یہ واقعہ کہ صوبہ جاتی سبی میں ڈکیتی کے متعلق مقدم الذکر ضابطے کے عمل کے تحت پولیس کی انتظامی حالت میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی اُس مراسلے کی عبارت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے جو گورنر جنرل نے مجلس نظما کے نام بہت قریب کے زمانے میں یعنی ۲۹ ر مئی ۱۸۱۰ء کو روانہ کیا تھا جس میں اضلاع بنگال کی پولیس کی حالت جو اس زمانے سے کچھ قبل تھی بیان کی گئی ہے۔ "دیگر متعدد ثبوتوں کے علاوہ جو شہادت حال میں پیش ہوئی ہے اس سے بلاشبہ یہ ثابت ہے کہ ڈکیتی، قتل اور دیگر نہایت شدید مظالم مختصر یہ کہ سنگین ترین جرائم کا ارتکاب ہوتا تھا اور یہ نہ فرض کیا جائے کہ اس قسم کے جرائم شاذ ہی واقع ہوتے تھے یا مخصوص اضلاع تک محدود تھے۔ بہت کم مستثنیات اور سنگدلی کے خفیف تغیرات کے ساتھ بنگال کے ہر حصے میں ان کا ارتکاب ہوتا تھا۔"*

وہ مراسلہ جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے اُن تدابیر کو درست ثابت کرنے کی کوشش میں لکھا گیا تھا جو مذکورہ خرابیوں کے انسداد اور روک تھام کے لیے ضروری سمجھی گئی تھیں۔ اور جن کو ایک مجسٹریٹ مسٹر ارنسٹ نے اس بنا پر قابل اعتراض گردانا تھا کہ جن قبائح کا اندفاع مقصود ہے ان سے زیادہ فسادات، رعایا میں ان تدابیر سے پیدا ہو جائیں گی۔ جو مراسلت حال حال میں اس موضوع بحث پر ہوئی وہ بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہے مگر اس موضوع کی وجہ سے نہیں جس سے خاص کر وہ متعلق ہے کیونکہ اس کا تصفیہ تو مجسٹریٹ مذکور کی معذرت سے ہو گیا تھا جسے بعد کو عدالت دورہ کا جج بنایا گیا اور جو اپنی تحریر کی بے ادبی یا گرمجوشی کی معافی چاہنے کے بعد اپنے عہدے پر بحال ہو گیا بلکہ اس معلومات کی وجہ سے جو احاطۂ بنگال کے صوبوں کی پولیس کے متعلق اس مراسلت میں موجود ہے۔

جس معلومات کا حوالہ مجلس خاص طور پر دے رہی ہے وہ پولیس کی کیفیت اور اسکی اصلاح کی تجاویز سے متعلق متعدد...

* ضمیمہ نشان ۱۲-

صیغۂ عدالت کی ایک رُوداد میں درج ہے جو حکومت کے مشورے کے بعد
۲۹ ستمبر ۱۸۱۰ء کو لکھی گئی تھی۔ یہ دستاویز خصوصیت کے ساتھ اس ملک کے
عہدہ داروں کے ملاحظے کے لیے ترتیب پائی ہے۔ اس کا مُرتب لکھتا ہے
کہ اگر "یہ رُوداد صرف مقامی حکومت ہند کے لیے مقصود ہوتی تو پولیس کی نااہلی
کی تفصیل میں پڑنا غیر ضروری ہوتا کیونکہ بدقسمتی سے بہت سے مواقع ایسے پیدا ہوئے
ہیں جن سے اس کی توجہ اس اہم موضوع کی طرف منعطف ہوئی ہے لیکن جو تجاویز
پیش کی گئی ہیں وہ ممکن ہے کہ معزز مجلس نظما کو اپنی طرف متوجہ کریں جس کو ان
خرابیوں سے واقفیت نہ ہوگی۔ اس لیے ان کا مختصر بیان بطور تمہید ہر اس منصوبے
کے ساتھ لازماً ہونا چاہیے جو پولیس کی عام اصلاح کے لیے پیش کیا جائے۔"

اس رُوداد میں ان مظالم کی تفصیل جو زیادہ تر دارالحکومت کے نواحی اضلاع
میں باشندوں کو ڈاکوؤں اور ٹھگوں کے گروہ سے برداشت کرنے پڑتے تھے
نیز ان کے انسداد اور روک تھام کے متعلق پولیس کی بالکلیہ نااہلی کا تذکرہ موجود
ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ حالیہ نافذ کردہ تدابیر کو حق بجانب قرار دیا جائے
اور جن خرابیوں کی شکایت کی گئی ہے ان کے ازدفاع کے لیے مزید تدابیر
پیش کی جائیں۔ ان عام مظالم کی تشریح میں جو ٹھگ ڈھاتے ہیں بعض حال
کے مقدمات کی شہادت پیش کی گئی ہے اور ان مظالم کا عام طور پر پھیلا ہوا
ہونا عدالتہائے دورہ کے ججوں کی رُودادوں کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے
جو مختلف حصص ملک سے بھیجی گئی تھیں۔ مزید برآں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ
زیر بحث خرابیاں اگرچہ بعض صورتوں میں مقامی مجسٹریٹوں کی غفلت کی وجہ
سے تھیں تاہم ان کو اس سے زیادہ بالعموم موجودہ انتظام کے نقائص سے منسوب
کیا جا سکتا ہے۔"

مجلس اپنا تعجب مسٹر سکرٹری ڈوڈسول کی رُوداد کے اس بیان پر ظاہر کیے
بغیر نہیں رہ سکتی کہ حکومت کو اس مدت سے کم مدت میں جس کا حوالہ دیا گیا ہے
یہ چیز محسوس نہ ہو سکی جواب عام طور پر بلا تذبذب اس کی کارروائی میں تسلیم کر لی گئی
ہے کہ "پولیس کا موجودہ انتظام اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہا ہے۔" لیکن

اپریل سنہ ۱۸۱۶ء تک نظما کے نام حکومت بنگال کے مراسلے بہ ظاہر کرتے ہیں کہ جرایم کا خصوصاً دروغ حلفی کا ارتکاب بجائے کم ہونے کے زیادہ ہوتا رہا حالانکہ کوئی چیز فی الحقیقت ایسی نہیں ہے جو حکومت برطانیہ کے محکوم باشندوں کی حفاظت جان و مال کے متعلق کوئی خاص خطرہ پیدا کرے، یا پولیس کے جدید انتظام کے اُن فائدوں کے متعلق کوئی شبہ پیدا کرے جنہیں باشندوں کو اس کے نفاذ سے پہنچانا مقصود تھا۔

اسی لیے مجلس حالیہ مراسلت میں اس ناگفتہ بہ غیر موزونیت کے زبردست مظاہرے کو بہت تعمق کی نظر سے دیکھتی ہے جس کا تجربہ ان انتظامات کے متعلق ہوا ہے جو رعایا کو ٹھگوں سے محفوظ رکھتے اور دارالحکومت کے اطراف کے صوبوں میں ڈاکوؤں کے زور کو فرو کرنے کے لیے نافذ کیے گئے تھے۔

زیر بحث رُوداد میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "جو تدابیر رعایا کو ٹھگی کے علانیہ ظلم سے بچانے کے لیے اب تک اختیار کی گئیں ان کے غیر موثر ہونے کا اصل سبب وہ ناقص اطلاعات ہیں جو حکومت اور اعلیٰ عہدہ داران حکومت کو پولیس کی حقیقی حالت کے متعلق ملی تھیں"۔ مرتب رُوداد کہتا ہے کہ "جو نقص یہاں ظاہر کیا گیا ہے وہ اس غیر مکمل معلومات کی بنا پر پیدا ہو سکتا ہے جو خود مقامی مجسٹریٹوں کو پولیس کی حالت کے متعلق حاصل تھی یا ایک نامناسب مگر فطری خواہش کی بنا پر کہ اضلاع کو حتی الوسع بہترین شکل میں ظاہر کیا جائے"۔ آپ کی مجلس کو محولِ بالا ذہنیت میں مبتلا رہنے کے اس خطرناک رجحان پر اپنی رائے ظاہر کر دینی چاہیے جو اضلاع یا اقطاع کو ایسی بہتر حالت میں دکھانے کے متعلق ہے جس میں وہ فی الواقع نہیں ہوتے کیونکہ اس سے ایک تو ناگوار حالات کی مراسلت معرضِ التوا میں پڑ جاتی ہے دوسرے خبروں کو دبایا جاتا ہے اور آخر کار واقعات کا غلط اظہار ہونے لگتا ہے۔

موجودہ مثال میں مجلس اُن اطلاعات کی طرف متوجہ ہوئی جو محولِ بالا رُوداد سے قبل چند سال تک حکومت اور نظامت عدالت کے سامنے واقعی پیش تھیں اور اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعداللہائے دورہ کے ججوں کی رُودادوں سے جو ہر میقات کے اختتام پر بتوسط نظامت عدالت حکومت کے پاس بھیجی جاتی تھیں ڈکیتی کا غلبہ اس درجے تک ظاہر ہوتا ہے جو نہ صرف حکومت کی توجہ کو منعطف کرانے کے لیے بلکہ اس کے انسداد کی تدابیر اختیار کرنے پر اُسے آمادہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

حکومت کی وہ کوششیں جو سنہ ۱۸۰۱ء سے لے کر زیر بحث زمانے تک پولیس کی اصلاح اور ڈکیتی کے انسداد کے متعلق کی گئیں ان جدید قوانین سے ظاہر ہوتی ہیں جو مع اپنی ترمیمات نافذہ کے جاری ہیں۔ ان قوانین کا عام مقصد یہ تھا کہ قانونِ فوجداری کو زیادہ سخت اور افسران پولیس کو زیادہ مستعد بنایا جائے اور جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے مالکان اراضی اور دیگر اہم باشندوں کی مدد رعایا کو ڈاکوؤں اور دیگر بدمعاشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے طلب کیا جایا کرے۔ لیکن ان تدابیر کے باوجود جن خرابیوں کو مسدود کرنا مقصود تھا وہ اور بڑھ گئیں اور سنہ ۱۸[illegible]ء کے اختتام پر اس قدر زور پکڑ گئی تھیں کہ حکومت کو اس روزافزوں اور ناقابل برداشت مصیبت سے ملک کو نجات دلانے کے لیے ایسی سخت تدابیر سے کام لینا پڑا جو اب تک نافذ نہیں ہوئی تھیں۔

پس یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ پولیس کی ناقص حالت کی اطلاع نہ ہونے سے حکومت اس مصیبت کو بڑھنے سے نہ روک سکی بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آپ کی مجلس کو فرض کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان دشواریوں سے پیدا ہوئی جو ایک مؤثر دادرسی کے بروئے عمل لانے میں پیش آئیں۔

مذکورہ بالا تدابیر وہ ہیں جو ضابطہ دہم بابت سنہ ۱۸۰۸ء[۱۱] کے تحت "مہتمم پولیس"[۱] کے تقرر اور اس کے اختیارات و حدود کے تعین کے لیے شروع کی گئی تھیں۔ اس ضابطے کی تمہید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ معلومات بھی ملک کے مختلف حصص سے فراہم ہو سکتی ہے اس کو صدر مقام کے ایک مخصوص دفتر میں جمع کرنے سے ایک کامیاب طریق عمل تجویز کیا جا کر زیر عمل لایا جا سکتا ہے جب کہ مقامی پولیس کے افسروں کی کوششیں بارآور نہ ہو سکتی ہوں۔ اور ان ڈاکوؤں کے گروہوں کے سراغ و گرفتاری کی مفید تدابیر جو صوبہ بنگال کے اکثر اضلاع

---

[۱۱] ضابطہ دہم مورخہ ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۰۸ء۔

[۱] یہ واضح رہے کہ اس عہدہ دار کا تقرر سنہ ۱۸۰۸ء میں صرف کلکتے کے لیے ہوا تھا۔ شہر ہائے بمبئی و مدراس کے مہتممان پولیس کا تقرر لارڈ ولیم بنٹنک نے کیا تھا (سنہ ۱۸۲۸ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)۔

میں اب تک پائے جاتے ہیں، مہتمم پولیس کے تقرر سے خاص طور پر ترقی پذیر ہو سکتی ہیں"۔ چنانچہ اس عہدہ دار کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ ضلع اور شہر کے مجسٹریٹوں کے ساتھ یا ان سے علیحدہ اُن اشخاص کی گرفتاری کے لیے تدابیر اختیار کرے جن پر ڈکیتی یا دیگر جرایم کا الزام ہو یا اس کا شبہ کیا جاتا ہو۔ اس کے حکم گرفتاری یا طلب نامے کی تعمیل اس کی خواہش کے مطابق خود اس کے افسروں کے ذریعے یا مقامی حکومت کے عہدہ داروں کے توسط سے کرائی جاتی تھی۔ مزید برآں حکومت نے اس موقع پر صورت حال کے تقاضے کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر غور تجویز کو مناسب سمجھکر سرکاری مخبروں کی ماموری اور باقاعدہ تنظیم شروع کرنے کا قصد کیا تاکہ مشہور ترین ڈاکوؤں یا ان کے ساتھیوں کے ٹھکانوں کا پتہ لگایا جائے اور ان کی نشاندہی کی جائے۔ جس امر نے اس تجویز کی بناڈالی وہ کلکتے کے ایک مجسٹریٹ کا کامل اتحاد تھا جو اس نے ندیا کے مجسٹریٹ کے ساتھ جائنٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے کام کر کے اس ضلع کو ڈاکوؤں سے نجات دلانے کی کوشش میں ظاہر کیا۔ مسٹر بلاک کوئیر نے جو بنگال میں اپنی ابتدائی عمر سے مقیم تھا اور باشندوں کی زبان اور ان کے طور و طریق سے کامل واقفیت رکھتا تھا، اپنے کو اس خدمت کی بنا پر حکومت کی نظر میں اس قدر ممتاز ثابت کیا کہ باوجود اس کے کہ وہ کمپنی کے متعہد ملازمین میں سے نہیں تھا یہ تصفیہ کیا گیا کہ اس کو ایسے دوسرے اضلاع میں بھی مجسٹریٹ کے اختیارات دیے جائیں جو ندیا کی مانند ڈاکوؤں سے بھرے پڑے تھے۔ جو طریقہ مسٹر بلاک کوئیر نے اختیار کیا وہ گوئندوں یا جاسوسوں اور مخبروں کو مقرر کرنا تھا جنھیں سے اکثر چوں کہ سابق میں ٹھگوں کے خود سر گروہ رہ چکے تھے اس لیے یہ خیال کیا گیا کہ وہ خاص طور پر دوسرے ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوں گے جو اب تک اس پیشے کو انجام دے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ گرداوروں یعنی نگرانوں کی خدمات کا بھی اضافہ کیا گیا۔ جاسوسوں کا کام تھا کہ وہ ٹھگوں کی نشاندہی کریں اور گرداور اُن کو گرفتار کریں۔

چونکہ ان کارکنوں کے اس طرح مقرر ہونے پر حکومت اور بعض عدالتی حکام کے درمیان اس مہم کی خوبی و کامیابی کے متعلق بہت مباحثے ہوئے اس لیے مجلس مناسب سمجھتی ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ معلومات بنگال کی تازہ ترین مراسلت سے حاصل ہوئی ہے وہ پیش کردی جائے۔ گویندوں کی ابتدا اور ان کے تقرر کے متعلق حسب ذیل اقتباس اُس یادداشت سے لیا گیا ہے جس کو حکومت کے ایک ایسے رُکن نے ۲۴ نومبر ۱۸۱۰ء کو لکھا تھا جو اس تدبیر کے حامیوں میں تھا اور یہ بتانا چاہتا تھا کہ گویندوں کی ماموریٔ بنگال کی پولیس میں کوئی نئی چیز نہ تھی۔

"اب تک جس قسم کے انتظام کی بھی آزمائش کی گئی ہے اس کے تحت پولیس کی کارگزاری گویندوں اور مخبروں کی مدد سے مستغنی نہیں رہی ہے۔ ایک مدت قبل یعنی ۱۷۷۲ء میں ڈاکوؤں اور دیگر مجرموں کا کھوج لگانے اور ان کو سزا دلانے کے لیے رقمی انعامات دیے جاتے رہے جبکہ حکومت کی عمیق توجہ کو ڈکیتی کے دہشت انگیز جرم کے خوفناک طریقے پر پھیل جانے کی طرف پہلی مرتبہ منعطف کرایا گیا تھا لیکن ہم اس زمانے سے اور پیچھے نہ جائیں جب کہ حکومت کے قوانین نے وہ عام شکل اختیار کرنی شروع کی جو اُس وقت سے قایم کردی گئی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ڈاکو کے گرفتار ہو کر سزا پانے پر دس روپیے کا مخصوص انعام ۱۷۹۲ء کے قوانین میں مقرر تھا جو اسی طرح حال تک جاری رہا البتہ دو سال قبل ہم نے پولیس کی اصلاح کے لیے جو انتظامات نافذ کیے ان کے تحت اس کی تبدیلی عمل میں آئی۔"

"اس انعامی رقم کی ترغیب سے جو مذکورہ بالا قوانین بابت ۱۷۹۲ء کے تحت مقرر ہوئی تھی گویندوں کا پیشہ ابتدائً پیدا ہوا اور سارے ملک میں جلد پھیل گیا۔ بعد کو پولیس کے جو تھانے قایم ہوئے اُن سے ان گویندوں کی ماموری کی روک تھام یا ان کی کارگزاری پر کوئی نگرانی نہ ہوسکی۔ ہر تھانے کے ساتھ کچھ گویندے لگے ہوئے تھے جو داروغہ کی مسلسل مدد اور تائید پر کام کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ یہ داروغہ گویندوں کی رقم میں سے اپنا حصہ لے لیتا تھا جو ان کی پیش کردہ شہادت

کی بناپر ڈاکوؤں کے سزا پانے کے بعد ملتی تھی۔ اور کبھی کبھی مسلمہ گویندوں کی عمدہ خدمات سے ترغیب پاکر یا بعض اوقات ڈکیتی کی نہایت سنگین واردات کے نتیجے کے طور پر یہ محتاط مجسٹریٹ مجرمین کی گرفتاری کی غرض سے گویندوں کے لیے کمیشن کی غیر محدود رقوم مقرر کرتے اور عام احکام گرفتاری ان کے سپرد کرتے تھے۔ یہ عمل ایسے مقامات سے متعلق ہوتا خصوصیت کے ساتھ ٹھگوں سے بھرے ہوتے تھے یہ امر کہ گویندوں یا مخبروں بلکہ ان سے زیادہ گرداوروں یا اُن لوگوں نے جن کو ٹھگوں کی گرفتاری کا اختیار حاصل تھا اپنی خدمات سے ناجایز فایدہ اٹھایا ناقابل اعتراض ہے۔ چونکہ ان کو ایک ایسے پیشے کے ذریعے معاش حاصل کرنی پڑتی تھی جو انھوں نے اختیار کر لیا تھا اور جس میں مجرمین کی گرفتاری اور جرم کے ثبوت کی فراہمی میں دیر ہونے کی وجہ سے حصول معاش میں دقّت ہوتی تھی اس لیے وہ بلاشبہ اکثر اوقات استحصال بالجبر کے مختلف طریقے استعمال کرتے تھے۔ کبھی مشتبہ کردار کے اشخاص سے اور کبھی نیک باشندوں سے جھوٹے الزامات کی دھمکی دے کر جبراً رقم وصول کرتے تھے اکثر صورتوں میں انھوں نے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں حتیٰ کہ ان کے لیے جھوٹی شہادت بھی پیش کی ہے اور ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں جن کے متعلق یہ باور کرنے کی قوی وجہ ہے کہ خود گویندے نے ڈکیتی کا جال بچھایا جس میں اس نے ان بدقسمت اشخاص کو پھانس کر مجرم قرار دیا جو اس کے مکر و فریب کے ذریعے اس جرم میں شریک دکھائے گئے۔"

جہاں کہیں قوانین میں مخبروں کے لیے انعام مقرر ہوتا ہے وہاں جاسوسوں کے وجود میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بنگال میں اس طبقے کے لوگوں کی کثرت کا حال خاطر خواہ اس رقمی انعام سے معلوم ہوتا ہے جو ہر اُس ڈاکو کے متعلق دیا جاتا تھا جسے مجسٹریٹ پیش شدہ مواد کی بنا پر سزا دے سکتا تھا۔ آپ کی مجلس یہ دیکھتی ہے کہ وہ ناجایز طریقے جو گویندے استعمال کرتے تھے اُن سوالات کے جوابات میں سختی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں جن کو سنہ ۱۸۱۰ء میں گشت کرایا گیا تھا لیکن ڈاکوؤں سے متعلق انعامی رقم کی تنسیخ بلکہ ترمیم بھی سنہ ۱۸۱۰ء تک عمل میں نہیں آئی[1]۔ لہذا گویندوں کی

[1] ملاحظہ ہو دفعہ ۱۴ ضابطہ نشان ۱۶ بابت سنہ ۱۸۱۰ء۔

ابتدا سے جو حسب یادداشت مذکورہ ۱۷۹۲ء میں ہوئی ۱۸۱۲ء تک کی مدت میں جب کہ انعامی رقم کی ترمیم نے اس گنجایش کو بہت محدود کر دیا جس کی بنا پر وہ اپنے مظالم ڈھائے چلے جاتے تھے انہیں اپنی کارستانیوں کے لیے وسیع میدان ملا ہوگا۔ عدالتی محکموں کی کارروائیوں سے اور عدالتہائے دورہ کے ججوں کی رُودادوں سے ان امور کی قوی تصدیق ہوتی ہے جو مذکورہ بالا طبقے کے لوگوں کی ناجائز کارگزاریوں کے متعلق بیان کیے گئے ہیں اور ان قبائح کی بھی جو ان کے اور داروغوں کے اس اتحاد سے پیدا ہوتے تھے جس کا مقصد جیسا کہ مذکورہ یادداشت میں بیان کیا گیا ہے "ڈاکوؤں کی گرفتاری کے انعام میں حصہ لینا تھا"

اس قسم کے اشخاص کو پولیس کی امداد کے لیے مقرر کرنا تشریح طلب معلوم ہوگا خصوصاً جب کہ اس پر محکمہ عدالت کے نہایت تجربہ کار ملازمین نے اعتراض کیا ہے۔ آخری مراسلے میں جو بنگال سے موصول ہوا وہ اسباب بیان کیے گئے ہیں جو اس طبقے کے اشخاص کو پولیس کے تحت مامور کرنے کے باعث ہوئے اور وہ یہ ہیں:- اول وہ ضرورت جو ڈاکوؤں کے اُن جرائم کو روکنے اور کم کرنے کے لیے بعض سخت تدابیر اختیار کرنے کی تھی جو ایک زمانے سے پھیلے ہوئے تھے اور خاصکر اُن اضلاع میں یکایک خطرناک درجے تک پہنچ گئے تھے جو دارالحکومت سے بہت ہی قریب تھے۔ دوم شہر کلکتہ کی حدود میں پولیس کی حالت کو بہتر کرنے کا خیال جہاں گویندے مخبر ٹیوں کی جانب سے خصوصاً مسٹر بلاک کوئیر کے زیر ہدایت مقرر ہوتے تھے سوم وہ فواید جن کا تجربہ ضلع ندیا میں مسٹر بلاک کوئیر کی نگرانی میں ڈاکوؤں کی تلاش و گرفتاری کے لیے گویندوں کو مقرر کرنے سے ہوا تھا اور یہ طریق عمل گویندوں کی تعداد کو زیادہ وسیع کر دینے کی تائید کرتا تھا۔ چہارم وہ قواعد جو گویندوں کے تقرر کے لیے بنائے گئے تھے اور جن کی رُو سے اُن کو عام احکام گرفتاری حاصل کرنے کی ممانعت تھی اور ان کا کام صرف اس حد تک محدود تھا کہ وہ ایسے اشخاص کی نشاندہی جن پر جرایم کا الزام ہو اُن گرداوروں کو کر دیں جو گرفتاری

کے لیے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

مہتمم پولیس کے جدید عہدے کے قیام سے اور گویندوں کے تقرر سے متعلق مسٹر بلاک کوائیر کے اختیارات کی توسیع سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ڈاکوؤں کے متعدد جتھوں کے سراغ و گرفتاری میں جلد کامیابی ہوئی اور ان کے بہت سے مشہور ترین سردار پکڑے گئے جنمیں سے ایک کی گرفتاری ملک کے اس مقام سے پانچسو میل کے فاصلے پر ہوئی جہاں سے وہ بھاگ نکلا تھا لیکن اس طرح جو اطمینان حکومت کو ہوا ہوگا اس میں غالبًا کمی ہو گئی ہوگی جب یہ معلوم ہوا ہوگا کہ مقرر کردہ گویندوں میں سے بعض گرداوروں کے ساتھ ملکر خود امن پسند باشندوں پر فی الواقع ایسے ستم ڈھار ہے تھے جیسے وہ ڈاکو کیا کرتے تھے جن کی روک تھام کے لیے یہ مقرر ہوئے تھے۔ یہ اشخاص عدالت دورہ میں مجرم قرار دیے گئے اور ان کو وہ سزائیں دی گئیں جو ان کے جرائم کے سزاوار تھیں۔ حکومت تسلیم کرتی ہے کہ پولیس کے یہ کارکن جو مظالم ڈھاتے تھے ان میں سے غالبًا بہت اسے معلوم نہ ہوسکے تاہم وہ یہ مناسب سمجھتی ہے کہ کم تر درجے کی برائی کو برداشت کر لینا چاہیے بہ نسبت اسکے کہ گویندوں کا دہ توسط اٹھا دیا جائے جو ملک کو ڈاکوؤں سے نجات دلانے کے لیے حاصل ہے۔

غالبًا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ مجلس نظما اس عظیم تردد کے ساتھ جو ان تدابیر کے اپنے نشائے نفاذ میں انجام کار کامیاب ثابت ہونے کے متعلق ہے یہ معلوم کرنے کی خواہشمند ہوگی کہ ان کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس موضوع کے متعلق تازہ ترین مراسلت سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس سے یہ تیقن حاصل ہوتا ہے کہ جدید تدابیر کے موثر ہونے کے تقریبًا دو سال کے تجربے کے بعد ڈکیتی کی روک تھام ہوگئی جس کے متعلق عدالتہائے دورہ کے بعض ججوں نے بیان کیا ہے کہ بنگال کے اکثر اضلاع میں کم اور بعض میں مسدود ہو گئی ہے جہاں وہ سابق میں بہت ہی زیادہ پھیل گئی تھی۔ اس امر کی قوی توقع کی جاتی ہے کہ تجربے سے اس تیقن کی تصدیق ہوگی[1]۔

---

[1] سنہ ۱۸۰۶ء تک کسی باقاعدہ جمعیت پولیس کے قیام کا انتظام نہیں ہونے پایا تھا ضابطہ نشان ۲۰

آخری اظہارِ رائے

اگرچہ اس رُوداد کے سابق حصّے میں جو رائے پیش کی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوبجات بنگال کی داخلی حکومت کے انتظام میں بعض کمزوریاں ابھی باقی ہیں تاہم آپ کی مجلس کی رائے میں اس میں کسی ایسے سوال کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ آیا جو اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی نے استعمال کیے وہ مجموعی حیثیت سے باشندوں کے حق میں مفید ہوئے ہیں۔ اگر اس قسم کا کوئی سوال کیا جائے تو آپ کی مجلس اس کا جواب قطعاً اثبات میں دیگی۔ برطانوی حکومت ہند کی قوت اُس ہدایت کے تحت جو اس کو دیجاتی رہی اس قابل رہی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو جہاں بیرونی غارتگری سے مامون رکھنے کا انتظام کیا وہاں اس کو اندرونی فساد سے بھی محفوظ رکھا۔ اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جو ایشیائی سلطنتوں کی رعایا کو شاذ ہی نصیب ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اگر اس اندرونی نظم و نسق کو ملایا جائے جو اپنے اصول میں زیادہ منصفانہ تھا اور جو ماقبل کی کسی دیسی حکومت کی بہ نسبت زیادہ قابلیت اور دیانت کے ساتھ نافذ کیا جاتا تھا تو کافی طور پر اُن ترقیوں کی توجیہ ہو جاتی ہے جو نمودار ہوئیں اور جو صوبہ جات بنگال میں جہاں ایک ایسی مدت تک امن و امان برقرار رہا ہے جس کی مشرقی تاریخ میں غالباً مشکل سے نظیر ملیگی آبادی کی ایک کثیر تعداد کی مرفہ الحالی میں ظاہر ہوئی ہیں گو بعض طبقے حکومت خارجہ کی ناگزیر حکمت عملی

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) بابت سنہ ۱۸۱۶ء کے ذریعے اس وقت کے انتظامات میں اصلاح کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ سنہ ۱۸٦۱ء کی اصلاحات سے ایک باقاعدہ پولیس کا محکمہ قایم ہوگیا اور ہر ضلع پر ایک مہتمم پولیس مقرر ہوا جس نے زیادہ تر پولیس کی نگرانی کے کام میں مجسٹریٹ کی جگہ لے لی بعد کی اصلاحات کا رجحان یہ رہا ہے کہ محکمہ پولیس کو مجسٹریٹ سے بالکل علٰحدہ کرلیا جائے۔

کی وجہ سے کچھ ابتر حالت میں رہے ہونگے۔ ہماری صورتِ حال کا ماحول اور نوعیت ایسی ہے کہ اس سے سرکاری ملازمت کے سیاسی اور فوجی محکموں میں دیسی باشندوں کے لیے ترقی کا بہت کم امکان ہے۔ اور درحقیقت دیکھا جائے تو خود مغلیہ حکومت میں بھی ان محکموں کی اعلیٰ خدمات پر بالعموم غیر ملکی ہی مامور رہے ہیں لیکن زراعت اور تجارت میں ہر قسم کی ترغیب ایسے قوانین کے تحت دی جاتی ہے جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ کمزور کو ظلم سے بچایا جائے اور ہر فرد کو اس کی محنت کا پھل دلایا جائے۔

ملک کے ہر حصّے میں جیسا کہ توقع کی جاسکتی ہے ان حالات کے تحت عام طور پر ترقی ظاہر ہوئی ہے جو آخری زمانے میں زیادہ تیزی کے ساتھ جاری رہی ہے۔

فرہنگ

یہ فرہنگ صرف ایسے تشریح طلب الفاظ پر مشتمل ہے جن کا استعمال کتاب ہذا کے ہر دو حصّوں (یعنی متن و رُوداد پنجم) میں ہوا ہے۔ سر چارلس ولکنس کی مکمل فرہنگ رُوداد کی اصلی بڑی تقطیع کے اڈیشن کے آخر میں اور ہمکن لو تھم کی اشاعت دوم (مدراس ١٨٨٣ء) میں طبع ہوئی ہے۔ اس مکمل فرہنگ میں تمام تشریح طلب الفاظ، ضمیمہ جات رُوداد کے مندرج ہیں جن کی طباعت اب موقوف ہے۔

ابواب۔ متفرق محصول جو حکمران لماقت زمینداروں سے اور زمیندار کاشتکاروں سے اصل مالگزاری یا لگان کے علاوہ وصول کرتے ہیں۔ لفظ 'ابواب' کا استعمال خصوصاً اس محصول کے لیے ہوا ہے جو مرشد قلی خاں کے زمانے سے 'دیوانی' کے عطا ہونے تک وصول کیا جاتا رہا۔

عدالت۔ محکمۂ انصاف۔ صدر دیوانی عدالت، اعلیٰ ترین محکمۂ دیوانی کو اور صدر نظامت عدالت، اعلیٰ ترین محکمۂ فوجداری کو کہتے ہیں۔

احشام عملہ۔ لفظی معنی سرکاری عہدہ داروں کی جماعت کے ہیں۔ اس لفظ کے استعمال سے خاصکر اُس عطیۂ اراضی کا اظہار

مقصود ہے جو حکومتِ مغلیہ کے زمانے میں مشرقی سرحدی فوج کی امداد کے لیے مخصوص تھا۔

آئین۔ قانون۔ قاعدہ یا ضابطہ۔

آلتمغا۔ شہنشاہ یا صوبہ دار کی عطا کردہ اراضی جو مالگزاری یا لگان سے دوامی طور پر معاف ہو۔

عامل۔ محصّل شاہی عہدہ دار۔ یہ لفظ مرشد قلی خاں کے نظم و نسق کے تحت خصوصیت کے ساتھ مہتمم حیکلہ نیز مالگزاری کے اُس دیسی کلکٹر کے لیے مستعمل تھا جو ۱۷۷۳ء میں مقرر ہوا۔

امین۔ امانت دار یا کمشنر۔ یہ لفظ خصوصاً اُن دیسی کمشنروں کے متعلق استعمال ہوتا تھا جو ۱۷۷۶ء میں ملک کے ذرائع آمدنی کی تحقیق کے لیے مقرر ہوئے تھے اور عموماً اُن اشخاص کے متعلق جو زمیندار کی علیحدگی یا سرکشی پر تعلقوں کے انتظام کے لیے مامور ہوتے۔

امیر الامرا۔ رئیس اعظم۔ امتیازی شان کا ایک اعلیٰ خطاب جو بالعموم وزیر فوج یا بعض اوقات سپہ سالار اعظم کو ملتا۔ جاگیر امیر الامرا سے بالخصوص ایسی جاگیر مراد ہے جو حکومتِ مغلیہ کے دور میں فوجی مصارف کی سربراہی کے لیے مختص کی جاتی تھی۔

اصل۔ بنیاد یا منبع۔ ابتدائی لگان یا مالگزاری جو محصول مابعد سے ممیّز کی جائے۔ اصل طومار جمع پادشاہی، شہنشاہ اکبر کی ابتدائی شاہی فرد لگان کو کہتے ہیں۔

بندۂ بارگاہ عالی۔ ملازم دربار خاص۔ جاگیر بندۂ بارگاہ عالی سے خصوصاً وہ جاگیر مراد ہے جو دیوانی نظم و نسق کے اخراجات ادا کرنے کے لیے مخصوص تھی۔

بازار۔ ایسی جگہ جہاں روزانہ خرید و فروخت ہوتی ہو۔
بعضی زمین۔ متفرق اراضی۔ اس اصطلاح کا استعمال خاص کر ایسی اراضی کے لیے ہوتا تھا جو جایز یا ناجایز طور پر تادیۂ مالگزاری سے مستثنیٰ ہو۔
بیگہ۔ زمین کی ایک مقدار جو پیمایش میں مختلف ہوتی ہے مگر عام طور پر ایکڑ کے تقریباً ایک ثلث کے برابر ہوتی ہے۔
چکلہ۔ ملک کا ایک حصہ جسے مرشد قلی خاں نے اپنے نظم و نسق کے جزو خاص کے طور پر قایم کیا تھا۔ چھوٹے تعلقے کو بھی 'چکلہ' کہا جاتا تھا۔
چودھری۔ مہتمم مالگزاری کو قدیم زمانے میں چودھری کہتے تھے مگر بعد کو زمیندار اور چودھری میں عملی طور پر کوئی فرق نہ رہا۔
چوکی۔ بیٹھک۔ اس لفظ کا استعمال راہداری، چنگی اور پہرے کے مقامات کے لیے ہوتا تھا۔
چوتھائی۔ ایک ربع۔
دفتر۔ محکمہ۔ سررشتہ۔ کچہری۔
دربار۔ شاہی عدالت یا شاہی مجلس جس میں بادشاہ و امرائے عظام شامل ہوں۔
داروغہ۔ مہتمم کوتوالی۔
دسہرہ۔ ہندوؤں کا ایک اہم تہوار۔
دیوان۔ محکمۂ مال کا ذمہ دار عہدہ دار جو بلحاظ اہمیت صرف ناظم سے دوسرے درجے پر تھا۔ زمانۂ مابعد میں کلکٹر اور زمیندار کا زیر دست عہدہ دار، دیوان کہلانے لگا۔

دیوانی ۔ متعلق بہ دیوان ۔ ملاحظہ ہو 'عدالت' کی شرح۔

دِیت ۔ خوں بہا۔

اضافہ ۔ بیشی۔ افزونی۔

فارغ خطی ۔ آزادی نامہ ۔ انفصالِ محاسبہ کی تحریر۔

فرمان ۔ بادشاہ کا حکم۔ منشور۔

فتویٰ ۔ عدالتی حکم یا فیصلہ از روئے شرع اسلام۔

فوجدار ۔ یہ ابتدا میں کسی سرحدی صوبے کا نگران عہدہ دار تھا۔ بعد کو پولیس کا ایسا عہدہ دار، فوجدار کہلانے لگا جسے مجسٹریٹ کے اور کبھی کبھی مالگزاری کے اختیارات بھی حاصل ہوتے۔

فوجداراں ۔ فوجدار کی جمع ۔ جاگیر فوجداراں سے خاصکر ایسی جاگیر مراد ہے جو حکومت مغلیہ کے زمانے میں سرحدِ مغربی ؍ شمال مغربی کی حفاظت کی غرض سے فوجی امداد کے لیے مخصوص تھی۔

گنج ۔ یہ اصل میں اناج کے گودام کا نام ہے مگر اس لفظ کا اطلاق بالعموم اُن تمام تھوک فروش بازاروں پر ہونے لگا جو صرف مقرّر ایام میں کھلتے تھے۔

ہفتم ۔ ساتواں۔ اس لفظ کے استعمال سے عام طور پر ضابطۂ ہفتم بابت ۱۷۹۹ء مراد ہے۔

ہست و بود ۔ عام معنی مالیت اراضی کی مفصل تحقیقات کے ہیں۔ "ہست و بود" سے خاص طور پر وہ چھان بین مراد ہے جو فصل کٹنے کے عین قبل کسی رقبے یا تعلقے کی حدود و پیداوار کی تفصیلی پیمائش کے ذریعے کی جائے۔

ہاٹ ۔ وہ بازار جو ہفتے کے صرف بعض ایام میں بھرتا ہے۔

حدود ۔ وہ سزائیں جو شرع اسلام نے مقرر کی ہیں۔

اہتمام۔ سپردگی یا ذمہ داری۔ اس لفظ سے وہ زمینداری علاقے مراد ہیں جن میں مرشد قلی خاں نے ملک کو تقسیم کیا تھا۔

اجارہ۔ ایسے اشخاص کے نام کسی تعلقے یا خطے کا عارضی پٹہ جو مالکانِ اراضی نہ ہوں۔

استمراری۔ مستقل۔ دوامی۔

جاگیر۔ ایسی اراضی کا عطیہ جو مالگزاری سے معاف ہو یا کسی خاص شخص یا عملے کی سربراہی کے لیے مخصوص اراضی کی مالگزاری کی تفویض۔

جاگیردار۔ جاگیر کا مالک یا قابض۔

جلکار۔ مچھلی پکڑنے اور پانی استعمال کرنے کا حق۔

جمع۔ زرِ نقد۔ رقم۔ لفظ 'جمع' عام طور پر جملہ مالگزاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ 'جمع کامل طوماری' کے معنی کُل فرد مالگزاری کے ہیں۔

قبولیت۔ وہ دستاویز جو پٹے کے جواب میں لکھی جاتی ہے۔

کیفیت۔ افزونی۔ فائدہ۔ خصوصاً مالگزاری کی اُس بیشی کو کہا جاتا ہے جو قاسم علی خاں کو حاصل ہوئی۔

کامل۔ جملہ۔ تمام۔ کل۔ ملاحظہ ہو 'جمع'۔

قانون گو۔ لفظی معنی شارح قانون کے ہیں۔ یہ لفظ ایک نہایت اہم عہدہ دار کے لیے مستعمل تھا جو اراضی کا حساب کتاب رکھتا تھا۔

قاضی۔ مسلمان جج۔

کھلاری۔ نمک سازی کا مقام۔

خالصہ۔ خزانہ۔ جب یہ لفظ اراضی کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اُس سے ایسی اراضی مراد ہے جس کی مالگزاری خزانے

میں ادا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اراضی جاگیر کی مالگزاری معیّن اغراض کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

خاص۔ خانگی۔ ذاتی۔ یہ لفظ خصوصاً ایسے تعلقوں کے لیے مستعمل تھا جہاں حکومت زمینداروں یا کاشتکاروں کے درمیانی توسط کے بغیر براہ راست مالگزاری وصول کرتی تھی۔

کھیدا۔ وہ غار جس میں ہاتھیوں کو پکڑا جاتا ہے۔ یہ لفظ خاصکر ایسی اراضی کے متعلق بولا جاتا تھا جو ہاتھیوں کی گرفتاری کے مصارف ادا کرنے کے لیے مخصوص تھی۔

خودکاشت۔ کاشتکار جو اسی گاؤں میں رہتے ہوں جہاں وہ فی الواقع کاشتکاری کرتے ہیں۔

قصاص۔ سزائے موت ازروئے شرع اسلام۔

کوتوال۔ بڑے بڑے شہروں میں پولیس کے اعلیٰ عہدہ دار کو کوتوال کہتے ہیں جو بازاروں کا مہتمم بھی ہوتا تھا۔

کروڑ۔ سو لاکھ۔

لاکھ۔ سو ہزار۔

مدومعاش۔ وہ امداد جو گزارے کے لیے دی جائے۔ اس لفظ کے استعمال سے خاصکر ایسی اراضی مراد ہے جو اوقاف مذہبی کے تادیۂ مصارف کے لیے مخصوص تھی۔

محال۔ مقام یا ذریعۂ مالگزاری۔ تعلقہ۔ 'محال' عام طور پر غلطی سے لفظ 'مال' سمجھا جاتا ہے اور محصول سائر کے مقابلے میں مالگزاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ملنگی۔ وہ شخص جو نمک سازی پر مامور ہو۔

مالکانہ۔ وہ نقدی یا جنس جو زمینداروں کو ان کے منافع کی بابت دی جاتی ہے جب کہ وہ اپنے تعلقوں سے بے دخل کر دیے جاتے ہیں۔ نیز معمولی دیہی عہدہ داروں کے حق کو 'مالکانہ' کہا جاتا ہے۔

منڈل۔ گاؤں کا پٹواری۔

منصب داراں۔ اعلیٰ فوجی عہدہ دار۔ اس قسم کے عہدہ داروں کو شخصی خدمات کی شرط پر جو اراضی دیجاتی تھی اس کو خاصکر 'جاگیر منصبداراں' کہتے تھے۔

مسند۔ تخت۔ امیروں کی گدّی۔

مولوی۔ شرع اسلام کا مفسّر۔

من۔ وزن کا ایک پیمانہ جو تقریباً اسّی پونڈ یا چالیس سیر کا ہوتا ہے۔

مذکوری۔ چھوٹے چھوٹے تعلقے جو معمولاً اعلیٰ زمیندار کی وساطت سے لگان ادا کرتے تھے۔

مفصل۔ قصبہ جو شہر سے متضاد ہوتا ہے۔ اندرونی مقام قصبہ جو صدر مستقر سے تناقض رکھتا ہے۔

مُفتی۔ وہ مسلمان عہدہ دارِ قانونی جو فتویٰ دیتا ہے۔

مقدم۔ گاؤں کا سردار۔

منصف۔ ہندوستانی جج۔

مشاہرہ۔ تنخواہ۔ ماہوار۔ یہ لفظ 'مالکانہ' کے معنی میں خاص طور پر مستعمل تھا۔

نائب۔ قایم مقام۔

نانکار۔ اراضی یا اس کے کسی معیّن حصے کی آمدنی جو زمیندار یا قانون گویوں کے ہم رتبہ سرکاری عہدہ داروں کی امداد کے لیے مختص ہوتی تھی۔

نواب۔ اعلیٰ قائم مقام یا نائب السلطنت داعزازیں اضافے کی غرض سے 'نائب' کی جمع 'نواب' آتی ہے)۔

نوارہ۔ کشتیوں کا بیڑا۔ اس لفظ کا استعمال خصوصاً ایسی اراضی کے متعلق ہوتا تھا جو بیڑے کے انتظام کے لیے تفویض کی جاتی تھی۔

نذر۔ پیشکش یا تحفہ جو بالادست کی خدمت میں گزرانا جاتا یا جسے خود وہ اپنی مرضی سے حاصل کرتا تھا۔

ناظم۔ انتظام کرنے والا۔ حاکم صوبہ و عہدہ دار عدالتِ فوجداری۔

نیابت۔ قائم مقامی۔ متعلق بہ نواب۔

نظامت۔ ناظم کا محکمہ یا کام۔ متعلق بہ ناظم۔ نیز ملاحظہ ہو 'عدالت'۔

پادشاہی۔ پادشاہ یا شہنشاہ سے متعلق۔

پایک۔ قاصد یا دیہی چوکیدار۔

پاہے کاشت۔ (پاہی کاشت) اسامی جو اُس گاؤں میں اراضی کی کاشت کرے۔ جہاں اس کی سکونت نہ ہو۔

پنڈت۔ ایک عالم برہمن۔

پرگنہ۔ ایک مالی رقبہ جو بالعموم کئی تعلقوں پر مشتمل ہو۔

پاسبان۔ نگہبان یا پہرہ دار۔

پٹواری۔ دیہی محاسب جو اراضی کے حسابات پر مامور ہو۔

پٹہ۔ وہ دستاویز جو اراضی کے مالک کو کاشتکار لکھ دیتا ہے۔

پالیگار۔ جنوبی ہند کا فوجی سردار۔

پنیہہ۔ وہ دن جبکہ سالِ نو کے لیے لگان اور مالگزاری

کی تحصیل شروع ہوتی تھی۔ اس کے لفظی معنی مقدس یوم کے ہیں۔

رعیت۔ کسان یا کاشتکار۔

راجہ۔ ہندو مذہب کا شہزادہ یا امیر۔

راضی نامہ۔ وہ تحریر جو مدعی کسی مقدمے میں مدعا علیہ کے ساتھ مطمئن ہو کر اس کے اٹھا لینے کی نسبت عدالت میں پیش کرے۔

روزینہ داراں۔ وہ اشخاص جنہیں روزانہ وظیفہ ملا کرے۔ 'جاگیر روزینہ داراں' خاصکر ایسی اراضی کو کہتے تھے جو اس قسم کے مذہبی وظایف کے لیے مخصوص تھی۔

صدر۔ شہر جو قصبے سے ممتاز ہو۔ صدر مستقر جو کسی رقبے کے اندرونی حصے سے امتیاز رکھتا ہو۔

سائر۔ وہ محصول جو مختلف اسباب، آبکاری اور فروخت شدہ اشیا وغیرہ پر لگایا جائے۔ برخلاف اس کے مالگزاری کا تعلق صرف اراضی کی حد تک ہوتا ہے۔

سلامی۔ وہ نذر جو حاصل کردہ فواید کے عوض دی جائے۔ تحفہ شکرگزاری۔

سالیانہ داراں۔ وظیفہ دار۔ 'جاگیر سالیانہ داراں' خصوصاً ایسی اراضی کو کہا جاتا تھا جو سلطنت میں سالانہ وظیفے کے تادیے کے لیے مخصوص تھی۔

ثالثاں۔ پنچ۔

سند۔ اجازت نامہ۔ پروانہ۔ منشور۔

سرکار۔ سربراہ کار۔ حکومت۔

سرکار عالی۔ اعلیٰ ترین سلطنت۔ 'جاگیر سرکار عالی' سے خاص کر ایسی اراضی مراد ہے جو ناظم کی حکومت کے اخراجات

ادا کرنے کے لیے مختص کی گئی تھی۔

شاستر۔ کتب عقاید ہنود۔ فقہ ہنود۔

سزاول۔ وہ عہدہ دار جو کاروبار کے انتظام اور سرکش مالکانِ اراضی کے تعلقوں کی مالگزاری کی تحصیل پر مامور تھے۔

سہ بندی۔ سہ ماہہ خراج۔ دیسی فوجِ بے قاعدہ جو پولیس اور مال کے محکموں میں بھرتی کی گئی تھی۔

سررشتہ دار۔ محافظ امثلہ۔

سکہ۔ وہ خاص زر مسکوک جو اٹھارویں صدی میں بنگال میں رائج تھا۔

سپہ سالار۔ اعلیٰ ترین عہدہ دار فوج۔ یہ لفظ بالعموم صوبہ دار یا ناظم کے لیے مستعمل تھا۔

سیاست۔ سزا۔

صوبہ۔ ملک کا وہ حصہ جس میں متعدد اضلاع شامل ہوں۔ اس لفظ کا استعمال بے اعتنائی سے عہدناموں میں بھی ہوا ہے جہاں حاکم صوبہ سے مراد لی گئی ہے۔

صوبہ دار۔ حاکم صوبہ۔

تحصیلدار۔ وہ شخص جو لگان یا مالگزاری کی وصولیابی کا ذمہ دار ہو۔ یہ لفظ خصوصاً اُن عہدہ داروں کے لیے استعمال ہوتا تھا جو دہ سالہ بندوبست کے زمانے میں چھوٹے چھوٹے تعلقوں کی مالگزاری جمع کرنے پر مقرر تھے۔

تخصیص۔ تفصیل وار۔ اس لفظ کا استعمال خاص کر اصطلاح "تخصیص جمع بندی" میں ہوتا تھا۔ "تخصیص جمع بندی" یعنی ایسی تفصیل وار فرد لگان جو تعلقہ بہ تعلقہ تقسیم مالگزاری کو ظاہر کرے۔

تعلقدار۔ مالک اراضی۔ یہ لفظ اودھ میں بڑے بڑے مالکانِ اراضی

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ٹپہ۔ ایک مالی رقبہ جو پرگنے کا حصہ ہوتا ہے۔

توفیر۔ بیشی یا افزونی۔ یہ لفظ اس مالگزاری کے متعلق کہا جاتا تھا جو اراضی کی کثرتِ پیداوار کی وجہ سے زیادہ وصول کی جاتی تھی۔

تعزیر۔ سزا۔

تھانہ دار۔ پولیس کا ایک معمولی عہدہ دار جس کے زیر نگرانی ایک رقبہ موسوم بہ 'تھانہ' ہو۔ قدیم زمانے میں 'تھانہ دار' حاکم قلعہ ہوتا تھا۔

طومار۔ فرد یا کتاب۔ اس لفظ سے عام طور پر 'فرد مالگزاری' مراد ہے۔

وید۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب۔

ضبطی۔ قرقی۔ یہ لفظ ایسی اراضی کے لیے کہا جاتا تھا جو سابق میں بطور جاگیر دی گئی تھی مگر خالصے میں منتقل ہو گئی تھی۔

زمیندار۔ مالک جائداد۔ مالک اراضی۔

زمینداراں۔ زمیندار کی جمع۔ لفظ 'زمینداریاں'، خاص کر ایسی اراضی کے لیے استعمال ہوتا تھا جو مشرقی اور شمال مشرقی اضلاع سرحدی کی حفاظت کے مصارف ادا کرنے کے لیے مخصوص تھی۔

ضلع۔ صدر مقام جہاں حاکم ضلع رہتا ہو۔ (دکن میں کئی تعلقوں کے مجموعے کو 'ضلع' کہتے ہیں)۔

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 456840
Date 26-5-03
SRINAGAR

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN